www.paksociety.com
ماہنامہ
حنا
جولائی 2012
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! حنا کا شمارہ جولائی 2012ء پیش خدمت ہے۔

وزیراعظم گیلانی بھی سپریم کورٹ کے فیصلے سے نااہل قرار پا کر رخصت ہوئے، گیلانی وہ شخصیت تھے جو قومی اسمبلی سے متفقہ طور پر منتخب ہو کر ملک کے وزیراعظم بنے تھے اور اپنی پہلی تقریر میں انہوں نے عوام کے فلاح و بہبود کے لئے کام کرنے کی بلند و بالا باتیں کی تھیں مگر ان کی حکومت کی کارگردگی یہ رہی ہے کہ وہ ملکی تاریخ کی کرپٹ ترین حکومت کہلائی اور جب وہ نااہل ہو کر حکومت سے رخصت ہوئے تو لوگوں نے ان کی رخصت پر خوشیاں منائیں اور مٹھائیاں تقسیم کیں، جبکہ ان کے حق میں بولنے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے، حکومت کی کرپشن اقربا پروری اور ناقص معاشی پالیسیوں کی وجہ سے عوام کی اکثریت حکومت سے اس قدر تنگ تھی کہ عدالتی فیصلے کے بعد حکومت کی رخصتی پر عوام نے سکھ کا سانس لیا مگر آنے والی نئی حکومت بھی اسی پارٹی کی ہے اور نیا وزیراعظم اس قدر پہلے بھی بدنام ہے کہ راجہ رینٹل کہلاتا ہے اس لئے اس حکومت سے بھی لوگوں کو کوئی اچھی امید نہیں ہے، گزشتہ چند ماہ سے لوڈشیڈنگ اور معاشی بدحالی نے اس قدر تباہی مچا دی ہے کہ پنجاب میں لوگ سڑکوں پر آنے پر مجبور ہو گئے ہیں، احتجاج کے دوران حکومتی پارٹی کے ارکان اسمبلی کے گھروں پر حملوں اور توڑ پھوڑ کے واقعات نے واضح کر دیا ہے کہ اگر نئی حکومت نے عوام کے مسائل کے حل کے لئے فوری اقدامات نہ کیے تو صورتحال کس حد تک بگڑ سکتی ہے۔

اس شمارے میں:۔ نعت خواں مرغوب احمد ہمدانی سے ملاقات، قرۃ العین رائے اور سدرہ سحر کے مکمل ناول، سندس جبیں کا ناولٹ، ثمینہ شفقت، فرح طاہر، تحسین اخیر، عنبرین ندیم اور ساجد تاج کے ناولٹ، فوزیہ غزل اور اُم مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

امجد اسلام امجد

جو سوچتا ہوں اس پہ مجھے اختیار دے
جو دیکھتا ہوں اس پہ مجھے اعتبار دے

جو کچھ ملے اسی پہ سدا مطمئن رہیں
آنکھوں کو چین اور دلوں کو قرار دے

مولا ترے کرم سے رہے ان میں روشنی
جو ماہ و سال زندگی مستعار دے

مولا بقدر شوق ہوں آنکھوں کی بستیاں
پہلے تو ان کو تاب دے پھر انتظار دے

عمریں گزر گئی ہیں انہیں ڈھونڈتے ہوئے
اب تو ہمیں سکون کے لیل و نہار دے

یہ ناتواں سفینہ کہیں ڈوب ہی نہ جائے
اس پر نگاہ کر سر ساحل اتار دے

امجد ہے اب بھی وقت یہ پس ماندہ زندگی
یاد خدا میں عشق نبیؐ میں گزار دے

نعت رسول مقبول ﷺ

امجد اسلام امجد

ہر شے میں آشکار ہے صل علیٰ کی شان
غار حرا کی شان ہے غار حرا کی شان

سارے ہی شان والے ہیں اللہ کے نبی
لیکن ذرا الگ ہے میرے مصطفیٰؐ کی شان

ختم دعا سے قبل ہی ملتی ہے یاں مراد
کعبے میں جا کے دیکھیے اپنی دعا کی شان

اس ساری کائنات میں جبریلؑ کی طرح
دیکھی نہیں کسی نے بھی خیر الوریٰ کی شان

دستک صبا کی لاتی ہے خوشبو حضورؐ کی
ہر رنگ نو بہار میں دیکھی خدا کی شان

کعبے کی چھت پہ چڑھ کے جو دی تھیں بلالؓ نے
شامل تھی ان اذانوں میں ان کی وفا کی شان

☆☆☆

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

سید اختر ناز

سفر میں روزہ رکھنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر میں (کبھی) روزہ رکھا اور (کبھی) چھوڑ دیا۔

فائدہ:۔

جس سفر میں نماز قصر کرنا جائز ہے اس میں مسافر کے لئے روزہ چھوڑنا بھی جائز ہے، خواہ سفر پیدل ہو یا سواری پر اور سواری خواہ گاڑی ہو یا ہوائی جہاز وغیرہ اور خواہ تھکاوٹ لاحق ہوتی ہو، جس میں روزہ مشکل ہو یا تھکاوٹ لاحق نہ ہوتی ہو، جس میں روزہ مشکل ہو یا تھکاوٹ لاحق نہ ہوتی ہو، خواہ سفر میں بھوک پیاس لگتی ہو یا نہ لگتی ہو کیونکہ شریعت نے سفر میں نماز قصر کرنے اور روزہ چھوڑنے کی مطلق اجازت دی ہے اور اس میں سواری کی نوعیت یا تھکاوٹ اور بھوک پیاس وغیرہ کی کوئی قید نہیں لگائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ (رمضان کے علاوہ) دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے۔'' (البقرہ) علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی عطا کردہ رخصتوں کو قبول کیا جائے جس طرح وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اس کی معصیت و نافرمانی کا ارتکاب کیا جائے، البتہ اگر روزہ رکھنے میں کوئی تکلیف نہ ہو اور کوئی روزہ رکھ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر تکلیف ہو تو پھر روزہ رکھنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا اور کہا۔

''میں (نفلی) روزے رکھا کرتا ہوں، کیا سفر میں بھی روزہ رکھ لیا کروں؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اگر تو چاہے تو روزہ رکھ لے، چاہے تو چھوڑ دے۔''

برداشت

حضرت ابو زر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''میں نے دیکھا کہ ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور اس دن شدید گرمی تھی حتیٰ کہ آدمی گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیتا تھا، (اس دن قافلے کے) لوگوں میں کسی کا روزہ نہیں تھا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔

فائدہ:۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی برداشت کر سکتا ہو تو سفر میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے اگر چہ اس

میں مشقت ہی ہو۔

سفر میں روزہ چھوڑنا

حضرت کعب بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔''

فائدہ:۔

مطلب یہ ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ چاہے کتنی بھی مشقت ہو سفر میں روزہ ضرور رکھنا ہے، یہ سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا کوئی نیکی نہیں ہے کیونکہ دین میں آسانی ہے، مشقت نہیں ہے، اس لئے شریعت کی عطا کردہ آسانی کو قبول کرنے کے بجائے مشقت ہی کو اختیار کرنا نیکی نہیں ہے، یہ حکم اس وقت ہے جب شدید مشقت ہو اور روزہ پورا کرنے کی صورت میں بیماری کا خوف ہو۔

حاملہ اور دودھ پلانے والی کا روزہ چھوڑنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، یہ صحابی قبیلہ بنو عبدالاشہل کی شاخ بنو عبداللہ بن کعب سے ہیں، انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھڑ سوار دستے نے ہمارے قبیلے پر حملہ کیا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کھانا کھا رہے تھے تو آپ نے فرمایا۔

''آجاؤ کھانا کھالو۔'' میں نے کہا۔

''میرا روزہ ہے۔''

فرمایا۔

''بیٹھ جاؤ، میں تمہیں روزے کی بات بتاؤں، اللہ تعالیٰ نے مسافر، حاملہ اور دودھ پلانے والی کو روزہ یا روزے معاف کر دیے ہیں۔

''اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دونوں لفظ فرمائے یا ان میں سے ایک لفظ فرمایا، مجھے اپنے آپ پر افسوس ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے میں شریک نہ ہوا۔

فوائد و مسائل:۔

جس وقت یہ واقعہ پیش آیا، اس وقت حضرت انس بن مالک کعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہو چکے تھے، جب کہ ان کا قبیلہ ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔

مسافر کو آدھی نماز معاف ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جن نمازوں میں چار رکعت فرض ہیں، ان میں دو رکعت فرض نماز ادا کی جائے، فجر اور مغرب کی نماز سفر میں بھی پوری پڑھی جاتی ہے۔

روزے دار کو کھانے کی دعوت دی جائے تو وہ اپنے روزے کا اظہار کر سکتا ہے، یہ ریا میں شامل نہیں۔

مسافر، بچے کو دودھ پلانے والی اور حاملہ کے لئے رعایت ایک ہی سیاق میں بیان ہوئی ہے، مگر تفصیل میں فرق ہے کہ مسافر کو روزہ معاف ہے، مگر قضا ادا کرنا واجب ہے اور مرضعہ اور حاملہ کی بابت علماء کی چار آراء ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ایک رائے تو یہ ہے کہ ان کے لئے فدیہ ہی کافی ہے، بعد میں قضا نہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ ان پر قضا ہے نہ فدیہ، یہ رائے حافظ ابن حزم کی ہے جو انہوں نے ''المحلی'' میں بیان کی ہے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ فدیہ طعام کے علاوہ بعد میں وہ قضا بھی دیں۔

چوتھی رائے یہ ہے کہ وہ مریض کے حکم میں

ہیں، وہ روزہ چھوڑ دیں، انہیں فدیہ دنے کی ضرورت نہیں اور بعد میں قضا دیں، مولانا محمد علی جانباز حفظ اللہ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے، نیز سعودی علماء کی بھی یہی رائے ہے۔

روزوں کی قضا

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا میرے ذمے رمضان کے روزے ہوتے تھے تو میں ان کی قضا نہیں دیتی تھی حتیٰ کہ شعبان آجاتا۔

فوائد و مسائل:۔

رمضان میں عذر شرعی کی بنا پر جو روزے چھوٹ جائیں، ان کی قضا سال بھر میں کسی وقت بھی دی جا سکتی ہے، ضروری نہیں کہ وہ روزے شوال ہی میں رکھے جائیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں رہتے ہوئے ہمیں حیض آتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں روزے کی قضا کا حکم دیتے تھے۔''

فوائد و مسائل:۔

حیض روضے کے منافی ہے، اس لئے ان ایام میں روزہ رکھنا منع ہے، اگر روزہ رکھا ہوا ہو اور دن کے وقت حیض شروع ہو جائے تو روزہ ختم ہو جائے گا، وہ روزہ شمار نہیں ہوگا، حیض و نفاس کے عذر کی وجہ سے چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا بھی اسی طرح ضروری ہے، جس طرح بیماری یا سفر کی وجہ سے چھوڑے ہوئے روزے بعد میں رکھے جاتے ہیں۔

روزہ کا کفارہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس نے بغیر عذر کے رمضان کا ایک بھی روزہ چھوڑ دیا، اس کے بدلے زمانے بھر کے روزے بھی کافی نہیں ہوں گے۔''

جس نے بھول کر روزہ کھول دیا (اس کے لئے کیا حکم ہے؟)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس نے روزے کی حالت میں بھول کر کچھ کھا لیا، اسے چاہیے کہ اپنا روزہ پورا کرے، اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔''

فوائد و مسائل:۔

اسلام کے احکام میں انسانی فطرت کی کمزوریوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے، بھول جانا انسان کی فطرت ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھول کر کیے ہوئے کام کو گناہوں میں شمار نہیں کیا، روزے کے بارے میں مزید رحمت فرمائی کہ کھانے پینے کے باوجود روزے کو قائم قرار دیا، اللہ کے کھلانے پلانے کا یہی مطلب ہے، بھول کر کھانے پینے سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ نگاہ ہو یا نہ ہو، روزہ تو قائم نہیں رہا کیونکہ روزہ تو کھانے پینے سے پرہیز کا نام ہے اور وہ پرہیز ٹوٹ گیا ہے، روزہ دار کو چاہیے کہ روزے کا باقی وقت اسی طرح گزارے، جس طرح عام حالات میں روزے کی پابندیوں کے ساتھ گزارتا ہے، اس کا یہ روزہ شرعاً صحیح ہوگا، لہٰذا اس کی قضا لازم نہیں ہو گی، نہ کوئی کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک ابر آلود دن میں ہم نے روزہ کھول دیا (یہ سمجھے کہ سورج غروب ہو چکا ہے) لیکن پھر (بادل ہٹ گئے اور) سورج نکل آیا۔

(ابو اسامہ رحمتہ اللہ کہتے ہیں) میں نے ہشام بن عروہ رحمتہ اللہ سے کہا۔

''کیا انہیں (روزے کی) قضا کا حکم دیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا یہ تو ضروری تھا۔''

فائدہ:۔

حدیث میں مذکورہ صورت بھول کر کھانے پینے سے مختلف ہے کیونکہ انہوں نے بھول کر نہیں کھایا پیا بلکہ ارادے سے اپنے خیال میں روزہ کھولا تھا، اگرچہ غلط فہمی کی بنا پر وقت سے پہلے کھول دیا تھا، اس غلط فہمی کی بنا پر وہ گناہ گار تو نہیں ہوئے لیکن روزہ یقیناً ناقص ہو گیا، ایسے روزے کی قضا کی بابت علماء میں اختلاف ہے، تاہم جمہور علماء کے نزدیک ایسی صورت میں افطار کیے ہوئے روزے کی قضا واجب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس کو خود بخود قے آجائے، اس پر قضا نہیں اور جو قصداً قے کرے، اس پر قضا ضروری ہے۔''

فوائد و مسائل:۔

مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ دیگر محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے، علاوہ ازیں ہمارے فاضل محقق نے سنن ابوداؤد کی تحقیق میں لکھا ہے کہ یہ مسئلہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن ابی شیبہ میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، لہٰذا یہ روایت سنداً ضعیف ہے اور معناً صحیح ہے، دیکھیے سنن ابوداؤد کی تحقیق و تخریج۔

اس باب کی دونوں روایتوں میں باہم تعارض محسوس ہوتا ہے لیکن اگر پہلی حدیث کو نفلی روزے پر محمول کر لیا جائے تو تعارض رفع ہو جاتا ہے۔

روزے کے دوران میں قے کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے اگر کسی وجہ سے قے کرنی پڑے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، خواہ روزہ فرضی ہو یا نفلی، تاہم فرضی روزے کی قضا دینا ضروری ہے۔

روزے میں مسواک کرنا اور سرمہ لگانا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''روزے دار کے بہترین اعمال میں سے ایک عمل مسواک بھی ہے۔''

فائدہ:۔

یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے، تاہم صحیح روایات سے روزے کی حالت میں مسواک کرنا ثابت ہے، اس سے روزے میں فرق نہیں آتا، امام بخاری رحمتہ اللہ نے صحیح البخاری میں کتاب الصوم میں ایک باب کا عنوان اس طرح درج کیا ہے یعنی ''روزے دار کا تازہ یا خشک مسواک کرنا۔'' اس کے بعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مذکور ہے، انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روزے کی حالت میں مسواک کرتے اتنی بار دیکھا ہے کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزے کی حالت میں سرمہ لگایا۔

فحش گوئی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس نے جھوٹ اور بیہودہ باتوں اور بیہودہ اعمال سے اجتناب نہ کیا، اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ شخص کھانا پینا ترک کر دے۔''

فوائد و مسائل:۔

روزے کا بنیادی مقصد تقویٰ کا حصول ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

''اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

تقویٰ کے حصول کے لئے صرف کھانے پینے سے پرہیز کافی نہیں بلکہ ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کی شعوری کوشش مطلوب ہے، روزہ رکھ کر ہم اللہ کی حلال کردہ چیزوں سے بھی اللہ کے حکم کے مطابق پرہیز کرتے ہیں تو جو کام پہلے بھی ممنوع ہیں، ان سے بچنا زیادہ ضروری ہے تاکہ مومن ان سے پرہیز کا عادی ہو جائے۔

شریعت اسلامیہ میں روزے کے دوران میں بات چیت کرنا جائز ہے بلکہ چپ کا روزہ شرعاً منع ہے۔

عبادات انسان کے روحانی اور جسمانی فائدے کے لئے مقرر کی گئی ہیں، یہ اللہ کی رحمت ہے کہ وہ ان اعمال پر آخرت میں بھی عظیم انعامات عطا فرماتا ہے۔

روزہ ضائع کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بعض روزے داروں کو روزے سے بھوک کے سوا کچھ نہیں ملتا اور بعض قیام کرنے والوں کو قیام سے بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔''

فوائد و مسائل:۔

اخلاص کے بغیر نیک اعمال قبول نہیں ہوتے۔

عبادت میں جس طرح ظاہری ارکان کا پابندی ضروری ہے، اسی طرح باطنی کیفیات اخلاص، اللہ کی محبت، اللہ کا خوف، اللہ سے امید وغیرہ بھی مطلوب ہیں، ان کی عدم موجودگی میں ظاہری عمل بے فائدہ ہے۔

روزہ جلدی کھولنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''لوگ اس وقت تک بھلائی پر رہیں گے جب تک روزہ جلدی کھولتے رہیں گے، روزہ جلدی کھولا کرو کیونکہ یہودی دیر کرتے ہیں۔''

فائدہ:۔

یہودی اپنے شرعی مسائل میں افراط و تفریط کا شکار ہیں، مسلمانوں کو چاہیے کو افراط و تفریط سے بچتے ہوئے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل پیرا ہیں، اس حدیث سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے جو احتیاط کے نام پر تاخیر کرتے ہیں کہ وہ کس کی پیروی کر رہے ہیں؟

☆☆☆

رمضان کی عبادات و فضائل

فوزیہ شفیق

رمضان المبارک

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان المبارک بہت ہی بابرکت اور فضیلت والا مہینہ ہے اور یہ صبر و شکر اور عبادات کا مہینہ ہے اور اس ماہ مبارک کی عبادت کا ثواب ستر درجہ عطا ہوتا ہے جو کوئی اپنے پروردگار کی عبادت کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرے گا اس کی بہت بڑی جزا خداوند تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

ماہ رمضان کے وظائف

○ ماہ رمضان المبارک کی پہلی شب بعد نماز عشاء ایک مرتبہ سورۂ فتح پڑھنا بہت افضل ہے۔

○ ماہ رمضان کی پہلی شب بعد نماز تہجد آسمان کی طرف منہ کر کے بارہ مرتبہ یہ دعا پڑھنی بہت افضل ہے۔ لا الہ الا اللہ الحی القیوم القائم علی کل نفس بما کسبت، ان وظائف کے پڑھنے والے بے شمار نعمتیں اللہ پاک کی طرف سے عطا کی جائیں گی۔

○ ماہ رمضان المبارک میں روزانہ ہر نماز کے بعد اس دعاء مغفرت کو تین مرتبہ پڑھنا بہت افضل ہے۔

استغفر اللہ العظیم اقدی لا الہ الا هو الحی القیوم الیہ توبتہ عبد ظالم لا یملک نفسہ ضرا و لا نفعا و لا موتا و لا حیا قولا نشورا

○ رمضان المبارک میں ہر عشاء کے بعد روزانہ تین مرتبہ کلمہ طیب پڑھنے کی بہت فضیلت ہے، اول مرتبہ پڑھنے سے گناہوں کی مغفرت ہوگی، دوسری بار پڑھنے سے دوزخ سے آزاد ہوگا، تیسری مرتبہ پڑھنے سے جنت کا حقدار ہوگا۔

پہلی شب قدر

حضور انور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، کہ میری امت میں سے جو مرد یا عورت یہ خواہش کرے کہ میری قبر نور کی روشنی سے منور ہو تو اسے چاہیے کہ ماہ رمضان کی شب قدروں میں کثرت کے ساتھ عبادت الٰہی کر لائے تاکہ ان مبارک اور متبرک راتوں کی عبادت سے اللہ پاک اس کے نامہ اعمال سے برائیاں مٹا کر نیکیوں کا ثواب عطا فرمائے۔

شب قدر کی عبادت ستر ہزار شب کی عبادتوں سے افضل ہے۔

نفل نماز

○ اکیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر ایک ایک بار سورۂ اخلاص ایک ایک مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے ستر مرتبہ درود پاک پڑھے، انشا اللہ تعالیٰ اس نماز کے پڑھنے والے کے حق میں فرشتے دعائے

مغفرت کریں گے۔

O اکیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھئے ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر ایک ایک بار اور سورۂ اخلاص تین تین بار پڑھنی ہے، بعد سلام کے نماز ختم کر کے ستر مرتبہ استغفار پڑھے، انشا اللہ تعالیٰ اس نماز اور شب قدر کی برکت سے اللہ پاک اس کی بخشش فرمائے گا۔

وظیفہ

ماہ رمضان المبارک کی اکیسویں شب کو اکیس مرتبہ سورۂ قدر پڑھنا بھی بہت افضل ہے۔

دوسری شب قدر

O ماہ رمضان کی تیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر ایک بار، سورۂ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھے، پھر بعد سلام کے ستر مرتبہ درود شریف پڑھے، انشا اللہ واسطے مغفرت گناہ کے یہ نماز بہت افضل ہے۔

O تیسویں شب قدر کو آٹھ رکعت نماز چار سلام سے پڑھنی ہے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر ایک ایک مرتبہ، سورۂ اخلاص ایک ایک بار پڑھے اور بعد سلام کے ستر مرتبہ کلمہ تمجید پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش کر انشا اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے گا۔

وظیفہ

تیسویں شب کو سورۂ یٰسین ایک مرتبہ، سورۂ رحمٰن ایک مرتبہ پڑھنی بہت افضل ہے۔

تیسری شب قدر

O ماہ رمضان کی پچیس تاریخ کی شب قدر کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے، بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر ایک ایک بار، سورۂ اخلاص پانچ پانچ بار ہر رکعت میں پڑھنی ہے، بعد سلام کے کلمہ طیب ایک سو مرتبہ پڑھنا ہے، درگاہ رب العزت سے انشا اللہ تعالیٰ بے شمار عبادت کا ثواب عطا ہوگا۔

O پچیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر تین تین مرتبہ، سورۂ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھے بعد سلام کے ستر مرتبہ استغفار پڑھے، یہ نماز بخشش کے لئے بے حد افضل ہے۔

O پچیسویں شب قدر کے دو رکعت نماز پڑھنی ہے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر ایک ایک مرتبہ اور سورۂ اخلاص پندرہ پندرہ مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے ستر مرتبہ کلمہ شہادت پڑھنا ہے، یہ نماز واسطے نجات عذاب قبر بہت افضل ہے۔

وظائف

ماہ رمضان کی پچیسویں شب کو سات مرتبہ سورۂ دخان پڑھے، انشا اللہ تعالیٰ اللہ پاک اس سورۂ کے پڑھنے کے باعث عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا۔

پچیسویں شب قدر کو سات مرتبہ سورۂ فتح پڑھنا واسطے ہر مراد کے بہت افضل ہے۔

چوتھی شب قدر

O ستائیسویں شب قدر کو بارہ رکعت نماز تین سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر ایک مرتبہ اور سورۂ اخلاص پندرہ پندرہ مرتبہ پڑھنی ہے، بعد سلام کے ستر مرتبہ استغفار پڑھے، اللہ تعالیٰ اس نماز پڑھنے والے کو نبیوں کی عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا انشا اللہ العظیم۔

O ستائیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ قدر تین تین مرتبہ، سورۂ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے سورۂ اخلاص ستائیس مرتبہ پڑھ کر گناہوں کی مغفرت طلب کرے، انشا اللہ تعالیٰ اس کے تمام پچھلے گناہ اللہ پاک معاف فرمائے گا۔

O ستائیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھنی ہے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ سورۂ تکاثر ایک ایک بار سورۂ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھے، اس نماز پڑھنے والے پر سے اللہ پاک موت کی سختی آسان کرے گا، انشا اللہ تعالیٰ اس پر سے عذاب قبر بھی معاف ہوجائے گا۔

O ستائیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورۂ اخلاص سات سات مرتبہ پڑھے بعد سلام کے ستر مرتبہ یہ تسبیح معظم پڑھنی ہے۔

استغفر اللہ العظیم الذی لا الہ الا ہو الحی القیوم و اتوب الیہ.

انشا اللہ تعالیٰ اس نماز کو پڑھنے والے اپنے جائے نماز سے نہ اٹھیں گے کہ اللہ پاک اس کے اور اس کے والدین کے گناہ معاف فرما کر مغفرت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اس کے لئے جنت آراستہ کرو اور فرمایا کہ وہ جب تک تمام بہشتی نعمتیں اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لے گا اس وقت تک موت نہ آئے گی، واسطے مغفرت یہ نماز بہت ہی افضل ہے۔

O ستائیسویں شب قدر کو دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ نشرح ایک بار سورۂ اخلاص تین تین بار پڑھے بعد سلام ستائیس مرتبہ سورۂ قدر پڑھے، انشا اللہ العظیم واسطے ثواب بے شمار عبادت کے یہ نماز بہت افضل ہے۔

O ستائیسویں شب کو چار رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر تین تین مرتبہ سورۂ اخلاص پچاس پچاس مرتبہ پڑھے بعد سلام سجدہ میں سر رکھ کر ایک مرتبہ یہ کلمات پڑھے۔

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر

اس کے بعد جو حاجت دنیاوی و دینوی طلب کرے وہ انشا اللہ تعالیٰ درگاہ باری تعالیٰ میں قبول ہوگی۔

وظائف

O ستائیسویں شب قدر کو ساتوں حم پڑھے، یہ ساتوں ختم عذاب قبر سے نجات اور مغفرت گناہ کے لئے بہت افضل ہیں۔

O ستائیسویں شب کو سورۂ ملک سات مرتبہ پڑھنی واسطے مغفرت گناہ بہت فضیلت والی ہے۔

پانچویں شب قدر

O انتیسویں شب قدر کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے

تین مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے سورۂ الم نشرح ستر مرتبہ پڑھے، انشا اللہ تبارک و تعالیٰ اس نماز کے پڑھنے والے کو دنیا سے مکمل ایمان کے ساتھ اٹھائے گا۔

- ماہ رمضان کی انتیسویں شب کو چار رکعت نماز وسلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر ایک ایک بار، سورۂ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ پڑھے بعد سلام کے درود شریف ایک سو مرتبہ پڑھے، انشا اللہ تعالیٰ اس نماز کے پڑھنے والے کو دربار خداوندی سے بخشش ومغفرت عطا کی جائے گی۔

وظائف

- ماہ رمضان المبارک کی انتیسویں شب کو سات مرتبہ سورۂ واقعہ پڑھے، انشا اللہ تعالیٰ ترقی رزق کے لئے بہت افضل ہے۔
- ماہ رمضان کی کسی شب میں بعد نماز عشاء سات مرتبہ سورۂ قدر پڑھنی بہت افضل ہے، انشا اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے سے ہر مصیبت سے نجات حاصل ہوگی۔

جمعتہ الوداع

رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو بعد نماز ظہر دو رکعت نماز پڑھے، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ زلزال ایک بار، سورۂ اخلاص دس مرتبہ، دوسری میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ کافرون تین مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے دس مرتبہ درود شریف پڑھے، پھر دو رکعت نماز پڑھے، پہلی رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ تکاثر ایک بار سورۂ اخلاص دس مرتبہ اور دوسری رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے آیت الکرسی تین مرتبہ، سورۂ اخلاص پچیس مرتبہ بعد سلام کے درود شریف دس مرتبہ پڑھے۔

اس نماز کے بے شمار فضائل ہیں اور اس نماز کے پڑھنے والے کو اللہ پاک قیامت تک بے انتہا عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا انشا اللہ تعالیٰ۔

نماز جمعہ

بروز جمعہ بعد نماز ظہر دو رکعت نماز پڑھے، اول رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی ایک بار، سورۂ فلق پچیس بار، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص ایک بار، سورۂ فلق بیس مرتبہ پڑھے پھر بعد سلام کے پچاس مرتبہ لاحول وال قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھے اللہ اس نماز پڑھنے والے کو بے شمار بہشتی نعمتیں عطا فرمائے گا۔

وظائف جمعہ

جمعہ کی شب یا نماز ظہر سے قبل سورۂ کہف پڑھنا بہت افضل ہے، اول ایک ہفتہ تمام آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہے گا دوسرے ستر ملائکہ اس کی مغفرت کی دعا کریں گے، تیسرے اللہ پاک اس کے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک تمام گناہ معاف فرمائے گا۔

جمعہ کے روز کثرت کے ساتھ درود پاک کی بے حد فضلیت ہے۔

نماز تراویح

رمضان المبارک میں روزانہ نماز عشاء کے فرض اور سنتوں کے بعد نماز تراویح کی بیس رکعت دس سلام سے پڑھنا چاہیے، پہلی رکعت میں [illegible] نماز تراویح با جماعت میں امام تھوڑا تھوڑا کر کے رمضان کے دوران پورا قرآن ختم کرتا ہے [illegible]س کے بعد بقیہ دنوں میں تراویح دیئے گئے [illegible]ریقے پر پڑھی جاتی ہے) سورۂ فیل دوسری میں سورۂ قریش، تیسری میں سورۂ ماعون، چوتھی میں سورۂ کوثر، پانچویں میں سورۂ کافرون، چھٹی میں سورۂ نصر، ساتویں میں سورۂ لہب، آٹھویں میں سورۂ اخلاص، نویں میں سورۂ فلق، دسویں میں سورۂ الناس پڑھے، پھر گیارھویں رکعت میں سورۂ فیل شروع کر کے بیسویں رکعت میں سورۂ الناس پڑھنی ہے، اوپر والی ترتیب سے پڑھیں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنی ہے اور ہر چار رکعت کے بعد سلام پھیر کر مندرجہ ذیل کلمات پڑھیں۔

سبحان ذی الملک و الملکوت سبحان ذی العزۃ والعضمتہ والعیبتہ القدرۃ والکبریاء والجبروت ط سبحان الملک الحی الذی لاینام ولا یموت سبوح قدوس ربنا و رب الملائکتہ الروح الھم اجرنا من النار یامجیر یامجیر یامجیر۔

نماز تراویح کے بعد وتر اور نفل نماز پڑھ کر نماز ختم کریں، نماز تراویح پڑھنے کا بے انتہا ثواب ہے۔

صلواۃ التسبیح

صلواۃ التسبیح بہت ہی فضلیت والی نماز ہے، اس نماز کو روزانہ پڑھیں، اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہفتہ میں ایک مرتبہ، اگر ہفتہ میں بھی نہ پڑھ سکیں تو ہر ماہ ایک مرتبہ پڑھیں، اگر یہ بھی نہیں ہو تو سال میں ایک مرتبہ پڑھیں لیں، ورنہ اپنی زندگی میں تو ایک مرتبہ ضرور پڑھنی چاہیے، اگر سال میں ایک مرتبہ پڑھیں تو ماہ رمضان المبارک بروز جمعہ نماز ظہر سے قبل پڑھنی افضل ہے۔

ترکیب صلواۃ التسبیح

چار رکعت نماز صلواۃ تسبیح ایک سلام سے پڑھیں پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ زلزال ایک بار پھر حسب ذیل کلمات پندرہ مرتبہ پڑھنے ہیں۔

سبحان اللہ ولا حمد اللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر

پھر رکوع میں جا کر رکوع کی تسبیح کے بعد یہی کلمات دس مرتبہ پڑھیں، پھر رکوع کے بعد کھڑے ہو کر قومہ کی تسبیح تحمید کے بعد دس مرتبہ، پھر سجدہ میں تسبیح کے بعد دس مرتبہ دونوں سجدوں کے درمیان یہی کلمات دس مرتبہ، پھر دوسرے سجدہ میں تسبیح کے بعد دس مرتبہ پھر سجدہ سے اٹھ کر بیٹھے اور قعدہ میں دس مرتبہ پڑھے، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ عادیات ایک مرتبہ پڑھ کر پہلی رکعت کی طرح اوپر والے کلمات اسی ترتیب سے پڑھنا ہیں، تیسری رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ نصر ایک بار پڑھ کر وہی کلمات پڑھے، چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص ایک بار پڑھ کر انہی کلمات کو اسی ترکیب سے پڑھیں، دوسرے اور چوتھے قعدہ میں بھی التحیات (تشہد) کے پڑھنا ہیں، ہر رکعت میں یہ کلمات پچھتر مرتبہ اور چاروں رکعتوں میں تین سو مرتبہ یہ کلمات پڑھے جاتے ہیں، یہ نماز شب قدروں میں بھی پڑھنی افضل ہے، انشا اللہ تعالیٰ اس نماز کے پڑھنے والے سے اللہ پاک گناہوں کو معاف فرما کر مغفرت فرماتا ہے۔

☆☆☆

ایک غزل

ابن انشاء

لوگ ہلال شام سے بڑھ کر پل میں ماہ تمام ہوئے
ہم ہر برج میں گھٹتے گھٹتے صبح تلک گمنام ہوئے

ان لوگوں کی بات کرو جو عشق میں خوش انجام ہوئے
نجد میں قیس یہاں پر انشاء خوار ہوئے ناکام ہوئے

کس کا چمکتا چہرا لائیں کس سورج سے مانگیں دھوپ
گھور اندھیرا چھا جاتا ہے خلوت دل میں شام ہوئے

ایک سے ایک جنوں کا مارا اس بستی میں رہتا ہے
ایک ہمیں ہشیار تھے یارو! ایک ہمیں بدنام ہوئے

شوق کی آگ نفس کی گرمی گھٹتے گھٹتے سرد نہ ہوا
چاہ کی راہ دکھا کر تم تو وقف دریچہ و بام ہوئے

ان سے بہار و باغ کی باتیں کرکے جی کو دکھانا کیا
جن کو ایک زمانہ گزرا کنج قفس میں رام ہوئے

انشا صاحب پو پھٹتی ہے تارے ڈوبے صبح ہوئی
بات تمہاری مان کے ہم تو شب بھر بے آرام ہوئے

☆☆☆

مرغوب احمد ہمدانی سے ملاقات

کاشف گورچہ/احسن برخالق

مرغوب احمد ہمدانی کا شمار اُن نعت خوانوں میں ہوتا ہے جو بغیر کسی غرض اور لالچ کے نبی کریم ﷺ کی شان میں ہدیۂ نعت پیش کرنے سے ذرا بھی نہیں ہچکچاتے، آپ پیشہ ور حکیم ہیں اور طبیہ کالج سے باقاعدہ سند یافتہ ہیں۔ ان کے والد محترم بھی پیشہ ور حکیم اور طبیہ کالج فروغ حکمت سے سند یافتہ تھے۔ اس اعتبار سے خاندانی حکیم ہونے کا اعزاز حاصل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں شفا بھی رکھی ہے۔

مرغوب احمد ہمدانی صاحب کا تعلق کشمیری گھرانے سے ہے، ایک ولی اللہ سید علی حمدان کی نسبت سے ہمدانی کہلاتے ہیں۔

ان کے خاندان کا ہر رُکن نبی کریم ﷺ سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتا ہے، رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کے تقدس کو مدِنظر رکھتے ہوئے قارئین حنا کی ملاقات کرواتے ہیں جناب مرغوب احمد ہمدانی سے۔

❁ نعت خوانی کا شوق کب سے ہے؟

☆ بچپن سے جب سکول میں تھا تب سے نعت خوانی کا شوق ہے سکول میں ہونے والے پروگرامز میں مجھے ہی ہدیۂ نعت کا موقع دیا جاتا تھا۔

❁ بچپن میں نعت پڑھنے پر انعام ملتا تھا؟

☆ جی ہاں میری حوصلہ افزائی کے لیے (قرات) مجھے بچپن میں گولڈ میڈل ملا تھا۔

❁ کیا بچپن میں کبھی سوچا تھا کہ نعت خوانی میں اس مقام تک آئیں گے؟

☆ بچپن میں کچھ پتا نہیں تھا کہ نعت خوانی میں ایسا دور بھی آئے گا کہ مجھے پوری دنیا میں سراہا جائے گا۔

❁ وجہ شہرت کون سی نعت ہے؟

☆ سب سے زیادہ شہرت کی وجہ نعت تھی،

جب مسجد نبوی ﷺ کے مینار نظر آئے،

✿ ٹیلی وژن پر پہلی بار خود کو دیکھ کر کیسا لگا؟

☆ بہت اچھا لگا، اللہ کا بہت شکر ادا کیا۔

✿ آپ نے جس دور میں نعت خوانی کا آغاز کیا وہ فلمی دور تھا اور ماشاءاللہ آپ کی آواز بہت سریلی اور میٹھی ہے فلمی گانوں کی طرف کبھی دل کیا کہ آیا جائے؟

☆ بچپن سے ہی عشق نبی ﷺ ہمارے ذہنوں میں ڈالا گیا اس لیے کبھی گانوں کی طرف توجہ نہیں گئی ویسے بھی ہمیں گھر سے گانے کی اجازت نہیں تھی۔

✿ آپ کے علاوہ آپ کی فیملی میں کسی کو نعت خوانی کا شوق ہے؟

☆ جی ہاں میرے بڑے بھائی محبوب احمد ہمدانی بہت اچھے نعت خواں ہیں، میرے لیے وہ اُستاد کی جگہ ہیں میں اکثر نعت کی دھن بنانے میں اُن سے مدد لیتا ہوں۔ اس کے علاوہ بھتیجے وصاف ہمدانی، اور بیٹا وقار ہمدانی بہت اچھے نعت خواں ہیں۔

✿ آپ نے قرآن حفظ بھی کیا؟

☆ جی میرے والد کی بچپن سے خواہش تھی کہ میں قرآن پاک حفظ کروں اس کے لیئے اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کی اور اللہ پاک نے اُن کی دُعا قبول فرمائی، میں نے بچپن میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔

✿ آپ کی نعتوں کے شاعری کون کرتا ہے؟

☆ مختلف شعراء کا کلام انتخاب کر کہ پڑھتا ہوں۔

✿ کس طرح کا کلام آپ کو پسند ہے؟

☆ ایسا کلام جس میں آپ ﷺ کے لیئے عشق و محبت آئے نہ کہ شرک۔

✿ نعت پڑھتے ہوئے کیسا محسوس کرتے ہیں؟

☆ نبی کریم ﷺ کی تعریف کی برکت سے اللہ نے قیامت تک رحمت نازل فرمائی، جب نعت پڑھتا ہوں تو خود کو آپ ﷺ کے حضور ادب واحترام سے جھکا ہوا محسوس کرتا ہوں۔

✿ کیا کبھی سرکار مدینہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا؟

☆ نہیں مگر خواہش ہے۔

✿ کبھی مدینہ شریف جانا ہوا؟

☆ جی ہاں 83 میں اللہ نے حج کی سعادت نصیب فرمائی۔

✿ مدینہ منورہ کا کوئی یادگار واقع؟

☆ بہت ہیں مگر قابل ذکر واقع کچھ یوں ہے کہ میری خواہش تھی کہ روزہ رسول ﷺ کی جالیوں کو چوموں، لیکن وہاں ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے ایک دفعہ رات کے ایک بجے تھے میں باب جبرائیل کے سامنے کھڑا ہدیہ نعت پیش کر رہا تھا پھر تہجد کی اذان ہوگئی میں اندر گیا تو اندر خلاف معمول اتنے لوگ نہیں تھے میں نے روزہ مبارک کی جالیوں کو چوما سینے سے لگایا، میری دیرینہ خواہش پوری ہوگئی۔

✿ کبھی دوسرے ممالک میں نعت خوانی کی پیشکش ہوئی؟

☆ جی ہاں، انگلینڈ، انڈیا، بحرین، وغیرہ میں ہدیہ نعت پیش کر چکا ہوں۔

✿ آپ کو ریڈیو پاکستان کی جانب سے نیشنل ایوارڈ ملا، اس کے علاوہ آپ کو حکومتی سطح پر کوئی انعام ملا؟

☆ 2001 میں مجھے نیشنل ایوارڈ ملا، مگر اس سے قبل مجھے سن 2000 میں صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔

✿ بعض لوگوں کے خیال میں نعت سننا غلط ہے اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں اور نعت خوانی کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟

☆ نعت سننا بھی سنت رسول ﷺ ہے، اور یہ بات مصدقہ ہے جب احسان بن ثابت ممبر پر بیٹھے آپ ﷺ کی شان

میں نعت پڑھ رہے تھے تب آپ ﷺ نے نعت سنی تھی۔ اور نعت خوانی آپ ﷺ کے صحابہ کی سنت ہے۔

✿ جن لوگوں نے نعت پڑھنا ایک کاروبار بنالیا ہے ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

☆ میں اس کے سخت خلاف ہوں اگر کوئی اس کا معاوضہ طے کرتا ہے تو اس کو آپ ﷺ کی ذات پاک سے عشق نہیں بلکہ روپے پیسے سے محبت ہے۔

✿ چوہدری برادران کے والد کی برسی پر بھی آپ کو خصوصی طور پر مدعو کیا جاتا تھا؟

☆ جی ہاں میرے بہت اچھے دوست پروفیسر حسن رضوی صاحب جو مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں اُن کے ساتھ میں چوہدری برادران کے والد کی برسی پر نعت خوانی کے لیے جاتا تھا۔ تب میاں نواز شریف بھی ان کے مہمان ہوتے تھے پرانی بات ہے اس وقت پرویز الٰہی سیاست میں نہیں آئے تھے۔

✿ آپ مختلف ٹی وی چینلز پر آتے ہیں کیا کبھی ٹی وی والوں نے معاوضہ بھی دیا۔

☆ صرف پی ٹی وی والے دیتے ہیں۔

☆ عربی، فارسی، پنجابی، اردو میں نعت گوئی کی اس کے علاوہ قصیدہ بردہ شریف بہت بار پڑھا۔ سپیکر پنجاب اسمبلی کی فرمائش پر فارسی کا کلام پڑھا۔

✿ قصیدہ بردہ شریف میں دف بجائی گئی ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

☆ دف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے استقبال کے لیے بچیوں نے دف بجائی اور یہ بات یہیں ختم ہو جاتی ہے، اور کہیں اس کا ذکر نہیں ہے۔
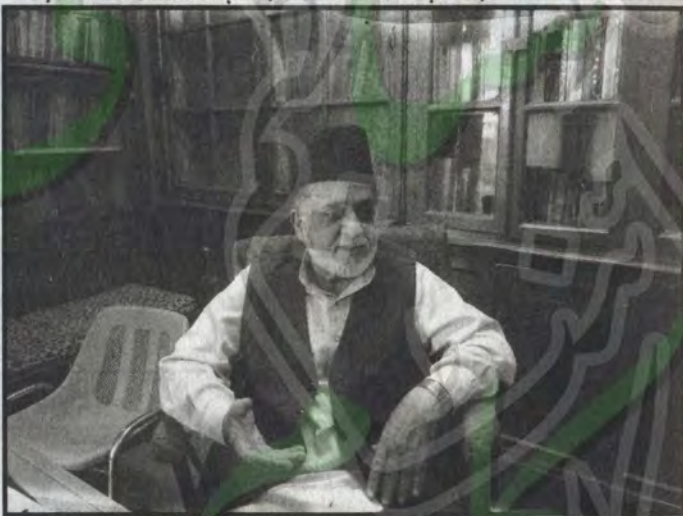
✿ نعت پڑھنے والوں کو کوئی پیغام دینا چاہتے ہیں؟

☆ ضرور، جب بھی نعت پڑھیں سرکار مدینہ ﷺ کو اپنے تصور میں رکھتے ہوئے نہایت ادب و عقیدت سے نعت پڑھیں اس سے آپ کی آواز میں سوز بھی پیدا ہوگا۔

✿ نعت سننے والوں کے لیے کوئی پیغام؟

☆ نعت سننا سنت نبی ﷺ ہے اس لیے اس کو نہایت احترام کے ساتھ سنیں اس کا بہت اجر و ثواب ملتا ہے۔

وہ ستارہ صبح اُمید کا

فوزیہ غزل

اٹھارویں قسط کا خلاصہ

ماریا، کیتھرین کے الفاظ کی روشنی میں اپنا احتساب کرتی ہے تو ابتک کی غلطیوں کوتاہیوں، ناکامیوں کے ساتھ اسے اپنے پیرنٹس، فرینڈز، لیڈی ایلون کے رویہ، سلوک بھی یاد آتے ہیں، اپنے مقصد میں ناکامی بھی اسے اپنا مخلص نہ ہونا نظر آتا ہے تو وہ اپنی تمام تر ذہنی طمانیت کے لئے تازہ ولولہ، نئے عزم کے ساتھ زندگی کے مدمقابل ہونے کا فیصلہ کرتی ہے۔

کیتھرین، ماریا کو زندگی میں خوش اخلاقی، خودشناسی اور نیکی کا درس دینے کے ساتھ یوگا، مراقبہ سے خود کو سکون فراہم کرنے کا مشورہ دیتی ہے اور ویلنگٹن سے باہر اپنے سیاحتی و تحقیقی ٹور کا ذکر کرتی ہے تو ماریا ساتھ جانے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔

شہباز کے گرفتار ہونے کا پتا چلنے پر وہاج گھر آتا ہے اور اریبہ سے باہر چلنے کی فرمائش کرتا ہے، اریبہ کے انکار پہ غصے میں کھولتا بائیک دوڑا لے جاتا ہے۔

ماریا تقابلی ادیان سے متعلق کتابیں خریدتی ہے، کیتھرین اسے جانے کی اجازت اپنے وفد کے انچارک سے لے دیتی ہے جس پہ ماریا بے تحاشہ خوش ہے۔

انیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیئے
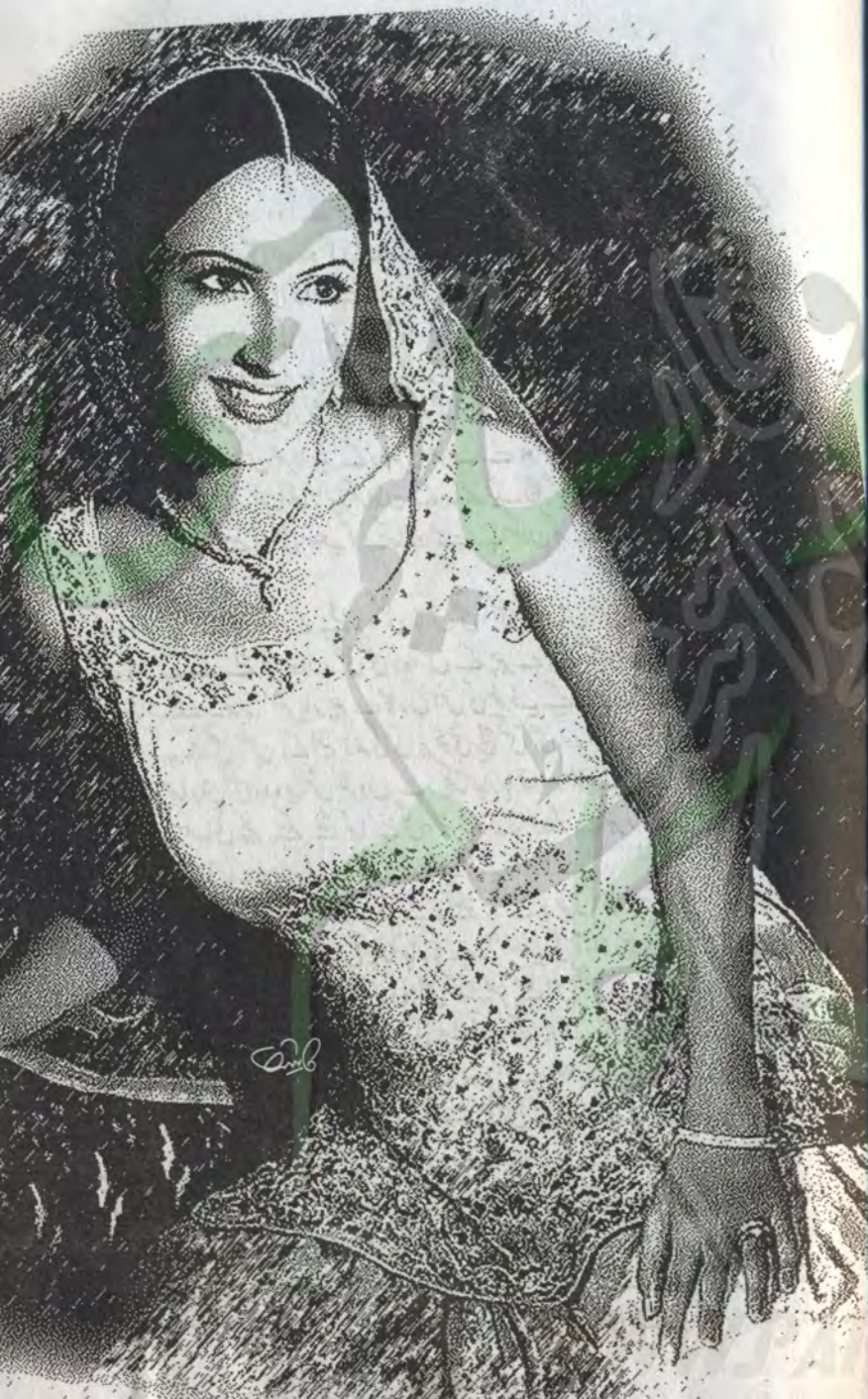
اس کو پا کر بھی اسے ڈھونڈ رہی ہیں آنکھیں
جیسے پانی میں کوئی سیپ گہر کو ترسے
اک دنیا ہے کہ بستی ہے تیری آنکھوں میں
وہ تو ہم تھے جو تیری ایک نظر کو ترسے

وہ اس کے سامنے تھی اور وہ اسے سوچ رہا تھا، اس نے خفگی کے باوجود وہ اس کی یاد کے سارے لمحے اپنے نام کر رہی تھی اور وہ بھی غصے کے باوجود اسیری کے اس لمحہ سے پیچھا نہیں چھڑانا چاہتا تھا کیونکہ اس کے روڈ، ترش انداز سے نالاں ہونے کے باوجود وہ اسے چاہتا تھا بے حد بے حساب اس کے آگ سے مزاج کی ساری شوریدہ سری اپنے دل پہ جھیلتا تھا سو اس وقت بھی اس کے صرف دودھ کے ساتھ دوا لے کر سونے پر وہ کچھ نہ کہہ پایا۔

اور اب وہ سیاہ پلکوں کی جھالر شربتی آنکھوں پر گرائے سو رہی تھی، وہ کچھ دیر اسے نیند میں جاتے دیکھتا رہا پھر گہری سانس بھرتا بیڈ کے دوسری طرف سے ہو کر اوپر آ بیٹھا، اس کے گرد کمبل اچھی طرح اوڑھا کے وہ ایک تکیہ اٹھاتا بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا گیا اور اپنی ٹانگوں پہ کمبل ڈالا، اپنے سے ہاتھ بھر کے فاصلے پر لیٹی سنعیہ کو دیکھا جو اسے بے سکون کر کے کتنے سکون سے سو رہی تھی۔

''کیا وہ جانتی ہے کسی نظر کے لئے وہ کتنی خاص تھی، کسی دل میں اس کا کیا مقام تھا، اپنے قریب بیٹھے بندے کے لئے کیا حوالہ رکھتی تھی وہ جس کے چہرے کے حسین خدوخال میں جذباتی وابستگی کا ہلکا شائبہ تک نہ تھا۔'' شہریار چہرے کا رخ اس کی طرف کیے اسے بہ غور دیکھ رہا تھا وہ جو اس کے لئے سب کچھ تھی جس کے بغیر زندگی کی ہر خوشی ہیچ لگتی تھی اور جس کے دلفریب وجود کی خوشبو حواسوں پہ چھا رہی تھی، وہ پرتپش نظروں سے دیکھتا جا رہا تھا اور شاید یہ نگاہوں کا ارتکاز تھا جو سنعیہ سوتے میں کسمسائی پھر ہلکے ہلکے کراہنے لگی، شہریار نے خود کو بے خبر رکھنے کی ایکٹنگ کرنا چاہی مگر پہلو میں مچلتا دل اسے باور کرا رہا تھا کہ وہ سنعیہ کی پروا کرتا ہے۔

''سنعیہ کیا ہوا ہے؟'' وہ اس کی طرف قدرے جھکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''درد ہو رہا ہے بہت سر میں، دماغ پھٹا جا رہا ہے۔'' سنعیہ کی آواز رندھ گئی بتاتے ہوئے، تکلیف کے باعث اسے یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ وہ ابھی گھنٹہ بھر پہلے اس شخص سے کتنا خفا ہو کر بدلے لینے کے عہد باندھ رہی تھی، شہریار نے ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھا جو تپ رہی تھی، پھر ہتھیلی کے ہلکے دباؤ سے اس کا ماتھا دبانے لگا اور اس کی اس بروقت ہمدردی سے سنعیہ کو اپنے درد میں واقعی افاقہ محسوس ہونے لگا کچھ دیر بعد اس کی دماغی کو سکون ہوا تو پلکیں پھر نیند سے بوجھل ہونے لگیں اپنی کروٹ بدلتے ہوئے اس نے چہرہ شہریار کے بازو سے لگایا اور سو گئی جبکہ وہ اب بھی اس کا سر دبا رہا تھا کچھ دیر بعد سنعیہ نے اپنا بازو سیدھا کرتے ہوئے اوں کی تو شہریار نے آہستگی سے اس کا رخسار سہلایا، وہ شہریار کے شانے پہ سر رکھتی بازو اس کے سینے کے اوپر لے گئی، شہریار نے بہت تحیر سے دیکھا تھا، دوا کے زیر اثر وہ بڑے سکون سے سو رہی تھی اس کے پہلو سے لگی اور شہریار کو اپنے پہلو سے آنچ سی نکلتی محسوس ہوئی، سوئی ہوئی وہ کتنی معصوم، پیاری اور اچھی لگ رہی تھی، قربتوں کا

اک لاشعوری لمحہ ان کے قریب آ کھڑا تھا جس میں شکوے تھے نہ شکائیتں، جھوٹی ناراضگی تھی نہ انا کی خفگی، دھڑکنوں کا انتشار تھا، آہنگ تھی کہ امنگ حدت تھی کہ شدت کچھ تو تھا جو دل کو یک لخت بے چین کرنے لگا۔

اور وہ چاہتے ہوئے بھی اس بے چینی کو ترک نہ کر سکتا تھا، وہ اس کے ایک ایک نقش کو دیکھ رہا تھا، ان لمحوں کی اسیری کے اندر جی رہا تھا جو بجھی راکھ کے نیچے دبی ہوئی کسی چنگاری کو آگ سی دکھا رہے تھے۔

''کیوں اٹھا رہے ہو اپنے اور اس کے درمیان فصیلیں، کیوں ناراضگی دکھاتے ہو، یہ لمحہ گزر گیا تو فاصلے صدیوں پر محیط ہو جائیں گے اس ماحول میں جی لو۔'' بھیگی رات نے جیسے ہنستے ہوئے سرگوشی کی تھی وہ سنعیہ کے گلابی ہونٹوں کو دیکھ رہا تھا انہیں بہت آہستگی سے انگشت شہادت سے چھوا تھا، سنعیہ ذرا سا کسمسا کے پھر سو گئی اور وہ اسے دیکھتا جا رہا تھا بنا پلکیں جھپکائے۔

ہماری اس محبت کو
غلط فہمی سمجھ لو تم
یا خوش فہمی سمجھ لوں میں
نہیں، کچھ فرق دونوں میں
محبت تو محبت ہے
تمہاری ہو یا میری ہو
مجھے تو ہر حوالے سے بہت
آرام ملتا ہے
کہ جیسے باغ میں دل کے
کوئی پھول کھلتا ہے

کتنا قریب تھی وہ کہ دھڑکنیں سانسوں کے زیر و بم آپس میں ہم آہنگ تھے، ہر پل اس سے کترا کر گزرنے والی ہر لمحہ خفا رہنے والی اس سے دور جانے کے داؤ کھیلتی کا سنی سی لڑکی اس وقت جیسے دنیا کے ہر احساس سے بے پروا اس کے سینے پر سر رکھے آرام سے سو رہی تھی اور شہریار کے لئے ان لمحوں کو جھیلنا آسان نہ تھا کہ ان کے وجود قربتوں کی عجب کہانی بنے ہوئے تھے، اسے خود پر اختیار تھا بے حد و حساب مگر روح کی افراتفری، دل کی ضد اور نگاہوں کی بے چینی اس کے پاس جیسے بچاؤ کی راہ نہ تھی۔

''رخصتی نہیں ہوئی تو کیا ہوا ہے تو اس سے قانونی و شرعی رشتہ۔'' دل نے ایک دلیل پیش کی مگر لمحوں کی زد میں آ کر خود کو گرانا اسے کب گوارہ تھا، لاکھ وہ اس پہ استحقاق رکھتا اپنی Self respect اسے ہر چیز سے بڑھ کر عزیز تھی وہ خود کو لمحوں کا قیدی نہیں بنانا چاہتا تھا نہ سنعیہ کا اعتماد توڑنا اسے پسند تھا کسی کمزوری کی زد میں اپنا آپ ہارنا اس کے نزدیک انسان کی سب سے بڑی کمینگی اور بشری ذلالت تھی، سنعیہ سے نکاح کا بندھن قائم ہونے محبت کی بے پناہ شدت اور قربتوں کی پرفسوں حدت کے باوجود اسے ضبط کے کڑے امتحان کو پاس کرنا تھا وہ عورت کی کمزوری

سے فائدہ اٹھا کر اپنی مردانگی کا زعم دکھانے سے نفرت کرتا تھا سو ضبط کے کڑے سمندر کو پار کرتا پانیوں کے سفر سے تشنہ پا پلٹ آیا اور اسی طرح سنعیہ کو سینے سے لگائے اس کے گرد اپنے بازو لپیٹے جانے کب سو گیا۔

☆☆☆

محبت جھوٹ ہے
''عہد وفا'' ایک مشغل ہے بے کار لوگوں کا
''طلب'' سوکھے ہوئے پتوں کا بے رونق جزیرہ ہے
''خلش'' دیمک زدہ اوراق پر
بوسیدہ سطروں کا ذخیرہ ہے
چلو چھوڑو!
کہ اب تک میں اندھیروں کی
دھمک میں سانس کی ضربوں پہ
چاہت کی نیا رکھ کر سفر کرتی رہی ہوں
مجھے احساس ہی کب تھا
کہ تم بھی موسموں کے ساتھ
اپنے پیرہن کے رنگ بدلو گے
چلو چھوڑو!

میرا ہونا نہ ہونا اک برابر ہے
تم اپنے خال و خد کو آئینے میں پھر نکھرنے دو
تم اپنی آنکھ کی بستی میں پھر سے ایک نیا موسم اترنے دو
میرے خوابوں کو مرنے دو
چلو چھوڑو!

Message forward کرتے ہوئے موبائل سکرین پہ چمکتے حروف سے اس کی نگاہ نے خاصے سرد مہر انداز میں آشنائی دی تھی پھر موبائل آف کر کے لاپروائی سے بیڈ پہ اچھالا تھا اور ناک کی سیدھ میں چلتا باہر نکل آیا، پچھلے چوبیس گھنٹوں سے اس کا موبائل مسلسل آف تھا اریبہ بار بار اس سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور وہاج نے موبائل آف کر کے جیسے جان چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر اب صبح واک کے لئے نکلتے ہوئے وہ اپنے جوگرز کے تسمے باندھ رہا تھا تو موبائل کھولے چند لمحے ہوئے تھے اور فوراً ہی اریبہ کا میسج محسن نقوی کی زبان میں موصول ہوا تھا۔

وہاج نے اس Message کو پڑھتے ہوئے ایک بار پھر موبائل آف کر دیا تھا اور پتھریلی سڑک کنارے بنے جاگنگ ٹریک پہ چلنے لگا، رات بھر کی بارش نے لاہور کا موسم بڑا انکھار رکھا تھا اگرچہ یہ موسم اس کا پسندیدہ تھا مگر اس وقت اس لمحے اس موسم کی دلکشی سے کوئی سروکار نہ تھا ٹوٹی پھوٹی سڑک سے پتھر اڑاتا کتنا لاتعلق لگ رہا تھا وہ ہر منظر سے کسی مشینی انسان کی مانند جس کے

جذبات سے صرف سرد مہری عیاں تھی۔

سڑک کنارے چلتے چلتے وہ یادگار تک آ پہنچا تھا جہاں چہار اطراف قہقہے تھے، مسکراہٹیں تھی، ہر کوئی اپنے آپ میں، دوستوں میں، فیملی میں مگن خوش باش مطمئن تھا اس نے سپاٹ انداز میں ان لوگوں کی طرف دیکھا جنہیں شاید دنیا میں کوئی غم نہ تھا۔

اک گہری سانس خارج کرتا وہ گھاس پھولوں اور سر سبز درختوں سے سجے وسیع و عریض میدان میں آ بیٹھا، اس کی حالت بے حد دگرگوں تھی اپنے اردگرد کی خوبصورتی و رعنائی سے اس کو مطلب نہ تھا اس کا ذہن ایک ہی نقطے پہ اٹکا ہوا تھا۔

''اریبہ کو سوچ رہا تھا، وہ اس کا رویہ، گریز ساتھ، جانے سے انکار یہ سب کیا معانی رکھتا تھا۔'' کتنی سبکی محسوس ہوئی تھی اسے اس پل کہ وہ پل یاد آتے ہی اس کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہونے لگا اور مٹھیاں بھینچے ہوئے وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

''کیوں کیا اس نے میرے ساتھ ایسا بھونڈا انداق، اندر سے دروازے تک لا کر ساتھ جانے سے انکار، ایسے تو کوئی دروازے پہ کھڑے فقیر کو بھی نہیں دھتکارتا تو پھر مجھے کیا سمجھ کر اس نے یہ سب کیا؟''

''ہمارے درمیان بچپن سے جوانی تک کبھی کوئی تفریق نہیں آئی، ہم شروع سے ایک جیسے مشاغل ایک جیسے کھلونوں کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے ہماری پسند کھلونوں، چیزوں، شاعری، ادب سے لے کر کھانے پینے تک ایک جیسی تھی، ہم کبھی آپس میں ناراض نہیں ہوئے کبھی ایک دوسرے سے دور نہیں رہ پائے، پھر اب ایسا کیا ہوا ہے؟ ایسا کیا ہو رہا ہے کہ تم نہ صرف اپنے دکھ سکھ مجھ سے چھپانے لگی ہو بلکہ جذبات کی پہلو تہی، اپنی ذات کا گریز بھی چاہنے لگی ہو اور یہ احساس اجنبیت کتنا سنگین انکشاف ہے کہ روح و دل پر اک قیامت سی مچ گئی ہے سارا سفر سفر رائیگاں لگنے لگا ہے۔'' اس کی آنکھیں جل اٹھیں۔

''اریبہ اشفاق تمہیں کتنا جانتا ہوں میں شاید اتنا کہ تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا میں اپنے تمہارے درمیان ہمیشہ ایسا رشتہ بندھا پاتا رہا ہوں جس میں اپنے دکھ سکھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی ہم بنا کہے سب سمجھ سن لیتے تھے اور ایک دوسرے کا ساتھ دیتے تھے پھر آج ایسا کیوں محسوس ہونے لگا ہے کہ وہ رشتہ کچھ بھی نہ تھا ورنہ تم ایسا نہ کرتیں۔'' وہ گھاس کے تنکے توڑتا چہرہ نیچے کیے کتنا دلگرفتہ ہو رہا تھا۔

''ہم ایک دوسرے کے لئے اہم تھے بے حد اہم، اپنے دکھ سکھ، کامیابیاں، ناکامیاں، کمزوریاں، مضبوطیاں، کمیاں آپس میں شیئر کرنے والے ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھانے والے پھر حوصلے ٹوٹنے کیوں لگے۔''

''کیا تم بھول گئیں میں وہاج حسن ہوں وہی وہاج حسن جس سے تم محبت کرتی ہو جو تمہاری ہنسی دیکھ کر جیتا ہے جسے تمہارے آنسو تمہارے چہرے کی اداسی رنجور کرتی ہے، جو تمہاری کڑوی سے کڑوی بات اور کسی زیادتی پر بھی خفا نہ ہوتا تھا، اس لئے کہ مجھے تمہاری ہر ادا محبت لگا کرتی تھی میں یہی سوچا کرتا تھا یہ سب تمہاری چاہت کی شدتیں ہیں، مگر آج...... آج جو کچھ ہوا یہ بھی شدت

تھی محبت کی نہیں کسی اور چیز کی اور وہ کسی اور کیا ہے کہ تم گریزاں ہونے لگیں تمہارا طرز عمل صاف بتاتا ہے تم، مجھ سے دور رہنا چاہتی ہو کیوں؟ جبکہ ہمارے جذبے تو پاک تھے، بے ریا تھے شفاف آئینے کی طرح کہیں کوئی کمی، کوئی کھوٹ نہ تھی، پھر یہ رویہ؟ اپنے احساسات، جذبات اپنا آپ یکبارگی کتنا چھوٹا لگنے لگا ہے۔'' اس کا وجیہہ چہرہ مارے دکھ کے بجھ سا گیا اور آنکھیں بے ساختہ نم ہونے لگیں، وہاج نے پلکیں جھپکتے ہوئے خود پہ قابو پایا اور اپنے اطراف میں چلتے ہنستے مسکراتے لوگوں کو دیکھا تھا۔

اس کی انا و خودداری کو خواہ کیسی چھوٹ لگی مگر یہ حقیقت تھی کہ اریبہ اسے بہت محبوب تھی اپنی تمام تر خوبیوں اور خامیوں، سمیت حالانکہ اکثر اریبہ بہت تلخ ہو جاتی تھی اور اس کی مدد لینے سے بھی انکار کر دیتی، وہ احسان کر کے جتلانے والوں سے خوفزدگی کے باعث کھل کر اس سے اپنے گھریلو معاملات و مسائل میں بھی مدد نہ لے پاتی پھر بھی وہ ڈھکے چھپے انداز میں جو ہو پاتا کرتا تھا اس کے گھر کے لئے۔

کہ اپنے لئے اس لڑکی کے جذبے محبتیں اور احسان اسے یاد تھے، وہ یہی چاہتا تھا کہ اس کے تمام دکھ اپنے اندر سمیٹ لے اس کی ذمہ داریاں بانٹ لے، مگر جان بوجھ کر تکلیف دینے کا کبھی سوچا تک نہ تھا پھر، اسی ایک نکتے پر اس کی سمجھ اٹک جاتی تھی۔

کہ اریبہ نے اس کے ساتھ چلنے کی حامی بھر کر انکار کیوں کیا، محبت کی یہ سبکی کیسے گوارہ کر لی جبکہ وہ تو محبتوں کی بڑی قدر دان تھی، بڑی جی داری سے محبت کو سینچا کرتی تھی پھر......؟ اور اس پھر کے باوجود اریبہ اشفاق تمہیں کیسے سمجھاؤں میں اتنی پیاری تم مجھے اتنی عزیز کہ تمہارے ساتھ بیگانہ ہو ہی نہیں سکتا، اسی لئے سمجھ نہیں پا رہا کیسا برتاؤ کروں کون سا رویہ روا رکھوں کہ تمہیں اپنی بے مروتی کا احساس ہو۔''

''تم جو مجھ سے متعلق خیال کے لئے بھی اتنی جذباتی ہوا کرتی تھیں اب سامنے پا کر اتنی کٹھور کیسے بن گئی تھیں، کیا تھا تمہارے رویے کے پس پردہ جو میں سمجھ نہیں پایا جو تم بتا نہیں پائیں۔'' وہ سوچتے ہوئے ایک بار پھر سڑک پہ نکل آیا تھا اور اس کی جیب میں موجود سیل کی بپ بجنے لگی اس نے اسی طرح چلتے ہوئے سیل نکالا اسکرین پر اریبہ کا نمبر جگمگاتے دیکھ کر کچھ لمحے دیکھا تھا پھر Call Disconnect کر دی اور سیل دوبارہ جیب میں ڈالنے لگا۔

☆☆☆

پچیس دسمبر کو کرسمس، دوستی، امن، پیار محبت کا تہوار اور کیتھرین اس تہوار کو پورے جوش و خروش سے ویلنگٹن میں ہی منانا چاہتی تھی اور اس کے باقی رفقاء کا بھی یہی ارادہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کا یوم ولادت یہیں سیلبریٹ کریں اسی رائے پہ متفقہ ہو کر انہوں نے اپنے ٹوئر گائیڈ اور انچارج سے کہہ کر اپنی روانگی دو دن کے لئے ملتوی کرا دی، ان کی سیٹیں چند دن کے لئے آگے ہو گئیں، اگرچہ مسیحیت کو چھوڑ دینے کے بعد وہ کسی مذہبی تقریب میں شریک ہونا یا کسی مسیحی تہوار کو منانا اتنا ضروری خیال نہیں کرتی تھی مگر یہاں اسے انسانیت اور رواداری کے تحت کیتھرین کا ساتھ دینا تھا، سو اس نے کیتھرین کے ساتھ جا کر کرسمس نائٹ منانے کا سارا سامان خریدا، کرسمس کیک، کرسمس

کارڈ اور کرسمس ٹری، پھر سفید لباس خوبصورت چمکتے ہیٹ، اپنے سارے غم بھول کر وہ اس کی خوشی میں شریک اس کے لئے تحفہ بھی لائی کہ تحائف کا تبادلہ بھی کرسمس کی ایک اہم روایت تھی۔

کیتھرین اس کی خوشی اور شرکت کو دیکھ کر مزید پر جوش ہو رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ ''اگر اسی نرم برتاؤ اور آہستگی سے میں دوبارہ اسے عیسائیت کی طرف مائل کر لوں تو یقیناً یہ میری ایک بڑی تبلیغی کوشش ہو گی۔''

اور ماریا جوزف اسے کرسمس ٹری سیٹ کرتے دیکھ کر سوچ میں تھی کہ ''محض انسانیت کے ناطے اس کی مذہبی رسم کا منانا یا خوشی سے وش کرنا ایک بھلائی ہے مجھے کون سا عیسائی بننا ہے ایک بے غرض نیکی ہے کر لینی چاہیے۔''

اپنے اسی جذبہ انسانیت کے تحت وہ کیتھرین کے ساتھ گرجا گھر بھی گئی، جہاں بشپ ڈاکٹر اینڈریو فرانسس مسیح کی تعلیمات بارے بتا رہے تھے، مسیحی کرسمس کے حوالہ سے جن روایات پر کاربند ہیں ان کا ذکر رہے تھے یسوع نے مذہب میں خود نمائی کے رویے پر تنقید کی، کیونکہ یہودی اپنے مذہبی شعائر اور زہد دوسروں کو دکھانا پسند کرتے تھے جبکہ یسوع نے فرمایا ''خبردار اپنے راست بازی کے کام آدمیوں کے سامنے دکھانے کے لئے نہ کرو، نہیں تو جو آسمان پر ہے تمہارے لئے کچھ اجر نہیں پس جب تو خیرات کرے تو اس کی نمائش نہ کرے، جو تیرا داہنا ہاتھ کرتا ہے اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے تا کہ تیری خیرات پوشیدہ رہے اس صورت میں خدا پوشیدگی میں دیکھتا ہے، تجھے بدلہ دے گا۔

خداوند یسوع مسیح کی پیدائش پوری دنیا کے لئے منفرد اور خوشی کی علامت ہے، کرسمس کی پہلی روایت کرسمس کیرال ہے، کیرال ایک خاص گیت ہے جس میں مسیحی خوشی، انسانیت کی بھلائی کا عنصر ہونے کے ساتھ رب کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے حضرت یسوع مسیح کو بھیجا کہ دنیا کو نئی زندگی مل جائے اور یہ گیت گرجا گھر کے ساتھ گھروں میں کرسمس پارٹیز میں بھی گایا گا رہا تھا گرجا گھر میں اس وقت کیرال کا اہتمام ہو رہا تھا جس کی ادائیگی کے لئے ایک مخصوص انداز تھا اور وہ گیت سب کے ساتھ گا رہی تھی۔

بائبل کی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ کی پیدائش پر فرشتے آسمان پر نمودار ہوئے اور انہوں نے خوشی کے گیت گائے اسی وجہ سے کیرالا کی رسم بھی وہیں سے چل پڑی جبکہ کرسمس ٹری کی روایت خداوند یسوع مسیح کی پیدائش کے 732 سال بعد شروع ہوئی اور بشپ آف سٹی بتا رہے تھے۔

جرمنی میں ایک خاص قبیلہ تھر وتھا یہ دیوتا کی پوجا کرتے تھے اور اس دیوتا کا نام تھا گرج دیوتا، آسمان پر جب گرج ہوتی تھی تو اس کا یہ دیوتا کہتے تھے، اس گرج اور آسمانی بجلی سے بچنے کے لئے اور قدرتی آفات سے بچنے کے لئے ہر سال ایک نر بچہ کی قربانی چڑھاتے تھے، ایک مقدس بزرگ گزرے ہیں جس کو ویل فٹ کہتے تھے، جب ویل فٹ کو پتہ چلا کہ یہ لوگ ہر سال بچے کی قربانی چڑھاتے ہیں تو انہوں نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ مشورہ کیا، اس سال قبیلے کے سردار کے خوبصورت بیٹے کی قربانی تھی یہ 732ء کا واقعہ ہے، مقدس ویل کو بڑا دکھ ہوا یہ قربانی بلوط کے

درخت کے سائے میں دی جاتی تھی، آس پاس کافی لوگ جمع تھے، برف باری ہو رہی تھی، ایک طرف انسانی سسکیاں اور دوسری طرف شدید برف باری کے ساتھ قبیلہ کا مذہبی رہنما چھری کو تیز کررہا تھا، مقدس ویل برفانی پہاڑی کو چیر کر قربان گاہ تک پہنچے جونہی اس قبیلہ کے معزز مذہبی رہنما نے بچے پر چھری چلانے کے لئے اٹھائی، مقدس ویل اور ان کے ساتھیوں نے چھری چھین لی، یہ واقعہ کرسمس سے کچھ دن پہلے کا ہے مقدس ویل نے کلہاڑا لے کر اس بلوط کے درخت کو کاٹ دیا، روایت یہ ہے کہ جونہی درخت کاٹا گیا تو آسمان سے بجلی گری اور وہ درخت غائب ہو گیا، اس درخت کی شاخ سیدھی آسمان کی طرف اشارہ کرتی ہے کرسمس ٹری کا فلسفہ یہ ہے کہ اس ایور گرین ٹری سے زندگی ملی ظلم ختم ہوا اور ایک نئی روایت نے جنم لیا، پروٹسٹنٹ فرقے کے بانی مارٹن لوتھر اپنے بچوں اور بچیوں کو لے کر ایک شام کرسمس کی رات دعا کر رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ چیل کے درخت کے پیچھے ستاروں نے بڑا خوبصورت سماں باندھا ہوا تھا انہیں یہ بہت بھلا لگا، انہوں نے ایک شاخ کاٹی اور گھر لے آئے اور اس شاخ کو رنگا رنگ بلبوں کے ساتھ سجا دیا۔

اس طرح مارٹن لوتھر کے طرز عمل کو دیکھ کر کرسمس ٹری کی روایت نے جنم لیا، جہاں پر بھی چھوٹے بڑے رنگوں، روشنیوں سے سجے خوبصورت کرسمس ٹری تھے، ماریا اب کچھ بیزار ہو چلی تھی کیونکہ کرسمس کی یہ روایات وہی تھیں جن کے متعلق وہ بچپن سے پڑھتی یا سنتی آ رہی تھی کچھ نئی بات تو نہ تھی، یہ سارا مذہب انہی روایات کا ملغوبہ تھا وہ اٹھنے کے لئے پر تول رہی تھی، جب بشپ بولا۔

''اور جب سانتا کرسمس اور سوئیٹس لے کر بچوں کے گھر چلا جاتا ہے، وہاں چھوٹے چھوٹے بچوں کے ہاتھوں میں ٹافیاں رکھ دیتا اور غائب ہو جاتا، سالہا سال تک اس کا یہی عمل رہا، ایک رات لوگوں نے تہیہ کیا کہ وہ معلوم کریں گے کہ کون سی ایسی ہستی ہے جو کرسمس کے موقع پر ان میں خوشیاں بانٹتی ہے چنانچہ ایک موقع پر انہوں نے اس بزرگ کو تلاش کر لیا پھر انہوں نے اس کا نام کرسمس فادر رکھ دیا یہ روایت اس طرح چل پڑی۔'' ماریا کا چہرہ سپاٹ ہو چکا تھا وہ بالکل سیدھی نگاہ رکھے اپنے پاؤں کو دیکھ رہی تھی بشپ کیا کہہ رہا تھا اسے سننے سے کچھ غرض نہ تھی جبکہ کیتھرین بہ غور سن رہی تھی۔

''اسی طرح کارڈز کی روایت نے بھی جنم لیا ایک بیمار عورت جو کرسمس کی روایات میں شرکت نہیں کر سکتی تھی چنانچہ کرسمس کے موقع پر اپنے دوستوں کو کارڈ رنگ بھر کر بھیجا کرتی اس طرح کرسمس کارڈوں کی روایات نے بھی جنم لیا۔''

''اچھا لگ رہا ہے ناں یہ سب یہاں کتنا مزا آ رہا ہے تم گھر میں اکیلی بور ہوتیں۔'' کیتھی نے اچانک کہا تو وہ چونکی پھر مصنوعی مسکراہٹ لئے بولی۔

''سو سو۔''

''ان ساری روایات کا منبع محبت ہے کیونکہ ہمارے مذہب کی بنیاد ہی محبت پر رکھی گئی ہے، خدا نے محبت کی تو ہمیں یسوع مسیح دیا، یسوع مسیح نے محبت کی تو اس نے ہمیں سب کچھ دیا حتیٰ کہ اپنی جان کی قربانی بھی دے دی، ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں، کرسمس کی جتنی روایات ہیں ان میں محبت ہی کا ہمیں پیغام ملتا ہے۔'' بشپ پر زور انداز میں کہہ رہا تھا اور ماریا جوزف کے تصور میں

مائیکل کا وجود ابھر رہا تھا اس کی زندگی ساری جزئیات کے ساتھ نگاہوں میں گھوم رہی تھی وہ مائیکل جس کا باپ عیسائیت کا مبلغ اور پادری تھا جس نے اپنی زندگی عیسائیت کی تبلیغ و فروغ کے لئے وقف کر رکھی تھی اور وہ سفید فام عیسائیوں کے ہاتھوں نسل پرستی کے جرم میں مارا گیا تھا، مائیکل پر اس کی والدہ پر زندگی تنگ کر دی تھی اگر محبت عیسائیت کا اہم جز تھی تو تفرقہ بازی برتتے وقت یہ محبت کہاں جا سوتی ہے؟ یہ روایات محبت و انسانیت پر مبنی ہیں تو اس کے باوجود عیسائی معاشرے میں مروت و رواداری کا اتنا فقدان کیوں ہے؟ سفید فام لوگوں کے گرجا گھروں میں سیاہ فام لوگ کیوں نہیں جا سکتے؟ اس کا دل چاہا وہ اٹھ کر اس عیسائی پادری کا گریبان پکڑ لے جو کہہ رہا تھا۔

''کرسمس کا مطلب ہے میل ملاپ، اخوت بھائی چارہ خدا کے ساتھ رشتہ اور انسانیت کے ساتھ رشتہ، خدا کے ساتھ ہمارا رشتہ اس وقت پھل دار بنتا ہے جب یہ رشتہ انسان کے ساتھ ہو۔''

''کون سی انسانیت جو صدام کو عین اس روز پھانسی دیتی ہے جس روز مسلمان عید منا رہے ہوں، وہ انسانیت جو عراق و افغان انسانوں کے جسموں کے چیتھڑے اڑا دیتی ہے بارود میں، وہ انسانیت جو صومالیہ، بوسنیا اور فلسطین، کشمیر کے کوچہ بازار میں سسکتی پھر رہی ہے کس انسانیت کا پرچار ہے یہ۔''

ماریا متضاد اور اضطراری کیفیات کا شکار ہو رہی تھی اس کے لب سختی سے بھینچے ہوئے تھے خود پر قابو پانے کی کوشش میں، جبکہ بشپ آخری الفاظ ادا کر رہا تھا۔

''اگر ہم کرسمس ٹری سجاتے ہیں چاہے وہ پروٹسٹنٹ فرقے والے ہیں یا رومن کیتھولک، سب کا نظریہ محبت ہے محبت ظلم برداشت نہیں کرتی اور چونکہ خدا نے محبت کی ہے وہ اپنی مخلوق کا خون ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔'' اور ماریا کے سامنے عیسائیت کے جو جو وہ ظلم و بربریت کا نقشہ گھوم رہا تھا جس نے ساری دنیا کو خونریز جنگلوں کے حوالے کیا ہوا تھا۔

☆☆☆

اس کی آنکھیں کھولی تو دن خاصا نکلا تھا اور شاید ہلکی دھوپ بھی نکلی ہوئی تھی کہ روشنی کی سنہری کرنیں کمرے کے دروازے اور کھڑکیوں کی درزوں سے جھانک رہی تھیں وہاج نے اریبہ کو دیکھا جو اس کے سینے پہ سر رکھے اپنا بازو اس کے گلے میں ڈالے بڑی بے خبری کی نیند سو رہی تھی، اس کی خرابی طبیعت اور نیند ڈسٹرب ہونے کے خیال سے شہریار نے اسی طرح لیٹے ہوئے دایاں بازو ذرا سا دراز کر کے موبائل پکڑا آن کر کے ٹائم دیکھا تو صبح کے تقریباً پونے دس ہو رہے تھے، اس نے موبائل واپس رکھتے ہوئے سعیہ کے رخسار کو دھیرے سے چھوا تو اس کا جسم اچھا خاصا تپ رہا تھا اور چہرہ بھی قدرے زرد ہوا تھا وہ متفکر انداز میں کچھ دیر اس کے چہرے کو دیکھتا رہا پھر گہری سانس بھرتے ہوئے آنکھیں بند کر کے سوچنے لگا اور تھوڑی دیر بعد ہی باہر کسی پرندے کی تیز آواز پر سعیہ کے حواس بیدار سے ہوئے تو اس نے قدرے کسلمندی سے ذرا سی پلکیں وا کر کے وقت کا اندازہ لگانا چاہا ذرا سا سیدھی ہوئی تو ہاتھ شہریار کے ہونٹوں سے ٹکرایا تھا، سعیہ نے سنبھلتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھا تو جیسے ذہن ماؤف سا ہوا تھا کیونکہ وہ پوری کی پوری اس وقت شہریار کے چوڑے وجود سے لپٹی اس کے سینے پہ چہرہ رکھے ہوئے تھی اس نے حیرت سے اس منظر دیکھا اور اسی وقت احساس

ہوا اس کا دل اکیلے نہیں دھڑک رہا تھا بلکہ کسی اور کی دھڑکنیں بھی اس میں مدغم تھیں، اس کا چہرہ شہریار کے سامنے تھا اور وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھے وہ کیسی خوابنا کی میں تھی یہ احساس ہی نہ تھا نیند میں ہے یا جاگ چکی ہے۔

اسی لئے وہ بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی شہریار نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور سنعیہ جس کی پلکیں ابھی نیند کی خمار میں بوجھل تھیں پھر سے اس کے سینے پر چہرہ رکھ کر آنکھیں بند کر گئی، شہریار کے وجود سے اٹھتی قیمتی کولون کی خوشبو اس کے حواسوں پر چھا رہی تھی، اس کی دھڑکنوں کی آواز وہ پوری توجہ سے سن رہی تھی۔

''سنعیہ اٹھ چکی ہو تو منہ ہاتھ دھو کے ناشتہ کرلو۔'' شہریار نے نرمی سے کہا تو وہ کچھ نہ بولی شہریار نے اسے آہستگی سے ہلایا تھا۔

''سنعیہ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔''

اور وہ جیسے پورے حواسوں کے ساتھ بیدار ہوگئی یکدم سے سر اٹھا کر شہریار کو دیکھا تو اپنی پوزیشن کا بھی احساس ہوا وہ لمحہ بڑی خجالت سے بھرا تھا سنعیہ ہوش میں آئی اور بہت تیزی سے اپنا ہاتھ شہریار کے ہاتھ سے کھینچتے ہوئے اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کے زیروبم پر قابو پاتی آہستگی سے پیچھے ہٹی تھی، نگاہیں چور ہو کر ایسی جھکی تھیں کہ پھر نظر ملانا تو دور کی بات وہ چہرہ اٹھا کر دوبارہ شہریار کو دیکھ تک نہ سکی۔

شنگرفی لبوں کی لرزش، گلابی ہو کر دہک اٹھنے والے رخسار اور خجالت وحیا سے بوجھل ہو کر جھکی پلکیں اس کی انا خود ساختہ اکڑ جانے کہاں جا سوئی تھی وہ تو بے اختیاری کے عجب لمحوں کی چوری پر خائف کتنی شرمندہ تھی کہ معذرت کا کوئی پہلو، تلافی کا کوئی لمحہ یا وضاحت کا کوئی لفظ کچھ بھی تو نہ سوجھ رہا تھا، جبکہ شہریار ابھی تک اسے بہ غور دیکھ رہا تھا جو صندل کی طرح دہک اور مہک کر مشرقی حسن کا بڑا دلآویز نمونہ لگ رہی تھی اور اپنے سامنے بیٹھے وجیہہ شخص کی تمام تر توجہ کا مرکز تھی۔

''کیسا محسوس کر رہی ہو اب خود کو۔'' شہریار نے اس کے بازو کو پکڑتے ہوئے پوچھا تو وہ کرنٹ کھا کر اٹھی اور چلتی ہوئی سامنے پڑی کرسی کی طرف بڑھی شہریار نے اس کی گریز زدہ کیفیت کو محسوس کیا تھا اور اس کی سوئی انا یکدم انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی مگر کمزوری بخار کی وجہ سے وہ زیادہ چل نہیں پائی اور کراہ کر چند قدم کے بعد ہی رک گئی اس کی ٹانگوں کمر اور بازوؤں میں شدید درد اٹھا تھا آنکھوں میں آنسو آگئے تو وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

''انسان اتنے زعم میں اچھا لگتا ہے جتنا سہہ سکے جتنی بہادری تم دکھا چکی ہو وہی کافی ہے۔'' شہریار نے سرعت سے آگے بڑھ کر اس کو تھامتے ہوئے ناگواری سے کہا تو وہ یکدم ہی نظریں پھیر گئی، شہریار نے سہارا دے کر اسے واش روم تک لے جانا چاہا مگر اس کا مزید احسان اسے ہرگز گوارہ نہ تھا جو حرکت بے اختیاری اس سے بے احتیاطی میں ہو چکی تھی وہ اسی کو لے کر اتنی خائف تھی کہ شہریار سے نظر تک نہ ملا پا رہی تھی روم کی جانب جانے لگی تو بیمار بدن کا جوڑ جوڑ ایسے درد سے کراہا تھا کہ توازن برقرار نہ رہ سکا اور وہ لڑکھڑا کر گرنے لگی اور شہریار نے بے حد جارحانہ انداز میں اسے سہارا دیتے ہوئے کھڑا کیا تھا اور اسی طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

''اگر تم سمجھتی ہو کہ اس طرح کے بہانے کر کے مجھے مزید زچ کرو گی تو مائی فٹ۔''

''یعنی، کیا مطلب ہے آپ کا کہ میں اتنے سیریس بہانے، آپ کی توجہ حاصل کرنے کو کر رہی تھی۔'' مارے دکھ کے سنعیہ کی آواز بھرا گئی تو وہ لب بھینچ کر اپنے سامنے کھڑے اس بے حس سنگدل شخص کو دیکھنے لگی جو وجاہت کا شاندار پیکر تھا اتنا خوبصورت اور مکمل ہوتے ہوئے کتنا نامکمل تھا۔

''منہ ہاتھ دھو کے آرام سے ناشتہ کرلو پھر تمہیں ڈاکٹر کو دکھاتا ہوں۔''

کہنی کے اوپر سے اس کا بازو پکڑے وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا تو وہ اس کے پرتپش چہرے کی سمت دیکھ کر رہ گئی، پھر منہ دھوتے ہوئے کتنے گرم گرم آنسو پانی کے ساتھ بہتے گئے، بمشکل خود کو کمپوز کر کے وہ باہر آئی اپنے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کرتے ہوئے دیکھا تو وہ ناشتے کے لوازمات لئے منتظر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے ناشتہ نہیں کرنا بہتر ہوگا آپ مجھے گھر بھجوا دیں۔'' وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بیڈ کے کنارے ٹکتے ہوئے بولی تو شہریار نے گھورتے ہوئے بگڑے تیوروں کے ساتھ دیکھا تھا پھر سنجیدہ اور دوٹوک انداز میں کہا۔

''تم کہیں نہیں جاؤ گی آرام سے بیٹھو ناشتہ کرو، میں ڈاکٹر کو بلواتا ہوں اور کل والی بات دہرانے کی کوشش مت کرنا ضروری نہیں کہ تم اپنی احمقانہ بہادری کے زعم میں اپنے ساتھ میری زندگی کو امتحان بنانے کی کوشش کرو انڈر اسٹینڈ۔'' اسے باور کراتے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے اٹھا تھا اور مضبوط قدموں سے چلتا باہر نکل گیا سنعیہ بس اس جگہ کو دیکھتی رہ گئی یہاں سے وہ اٹھ کر گیا تھا، کیا تیور تھے کیا انداز تھا کتنے رنگ تھے اس شخص کے اجنبیت، بیگانگی، انجانا پن، ناپسندیدگی اور کبھی بے تحاشا ہمدرد، پرخلوص، بامروت، نرم خو، مگر اب یہ رویہ و انداز تو سب سے جدا اور درد دینے والے تھے لمحہ بھر میں سب تہس نہس کر دینے والے تیور، کیا وہ ایسا کبھی لگتا تھا جیسا ہو رہا تھا جیسا ہو گیا تھا کہ اپنے سے وابستہ نازک سی لڑکی کے معصوم جذبات تک کا خیال نہ تھا، سنعیہ کی آنکھوں جل کر لو دینے لگیں اور کتنے آنسو بے اختیار رخساروں کو بھگوتے چلے گئے۔

ہجر کو ماہتاب سن!
ہم بھی ہیں تیرے ہمسفر
ہم سے بھی کوئی بات کر
ہم تو تیرے رفیق ہیں
ہم سے نہ اجتناب کر
دشت فراق یار میں
ازلوں کے ہم رکاب سن
کبھی ہمارے ساتھ چل
ہم سے بھی حساب سن

نجانے یہ محبت اتنی خوش گماں کیوں ہوتی ہے وہ دیکھنے نہیں دیتی جو دکھائی دیتا ہے وہ سوچنے

نہیں دیتی جو سنائی دیتا ہے۔

اور اتنی خوش گمانی کے جلو میں پلتی بڑھتی یہ محبت یکسر بدگماں کیوں ہو جاتی ہے، وہ بھی اتنی کہ جھیلنی دشوار لگے، اس کی زرد زرد الجھی پریشان شکل دیکھ کر جویریہ کو تاسف ہونے لگا۔

''کیا ہوا، بات نہیں ہو پا رہی؟''

''وہ بات کرنا ہی نہیں چاہتا۔'' کتنے روہانسے انداز میں بولی تھی وہ۔

''ہو سکتا ہے کام میں بزی ہوں آپ کچھ دیر ٹھہر کے ٹرائی کر لیں۔''

''جویریہ وہ کتنا بزی ہو، کہیں مصروف ہو مگر ایسا کبھی نہیں کرتا، بہت دفعہ ناراض بھی ہوئی تب بھی وہاج مجھے اگنور نہیں کرتا تھا پھر اب، کیا ہماری محبت کی فصیل اتنی ہی کمزور بنیادوں پر قائم تھی جو ذرا سا دھچکا نہیں سہہ سکی۔'' اس کی بہت کوشش و برداشت کے باوجود آواز بھرا گئی۔

''آپ حوصلہ کریں، آخر ہرٹ ہوئے ہیں کچھ تو اخذ کیا ہوگا آپ کے رویہ سے تو ذرا سی اکڑ دکھائیں گے مرد ہیں انا کا مسئلہ بنا لیا ہوگا آپ کے انکار کو۔''

''محبت میں انا کب ہوتی ہے محبت تو ہر انا سے بالاتر ہوتی ہے، پھر وہ کچھ سنے تو کہے تو وہ تو بنا سنے کچھ کہے کال ریجیکٹ کر دیتا ہے۔''

''اگر نہیں ریسیو کر رہے تو خود کو ریلیکس کریں انہیں بھی ریلیکس کرنے دیں ایک دو دن بعد موڈ ٹھیک ہوگا تو آرام سے اپنے انکار کی وجہ سمجھایئے گا۔'' جویریہ رسان سے کہتی اٹھی تو کچھ دیر وہ یونہی خالی نگاہوں سے خلا میں گھورتی رہی پھر اپنے کمرے میں جا کر دوبارہ سے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنے لگی اور وہاج حسن نے کسی آفیشل کال کے لئے اپنا موبائل آن کیا ہی تھا اور انجانے میں ہی اس نے لیس ہوا تھا جب اریبہ کی کال مل گئی۔

''وہاج پلیز بند مت کرنا۔'' وہ ملتجی انداز میں بولی۔

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ خشک لہجہ میں بولا۔

''ایک بار وہاج پلیز ایک بار سن تو لو میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔'' وہ کرب سے بولی۔

''کیا اب بھی کچھ کہنے کی ضرورت ہے اریبہ اشفاق میرے خیال میں یہ ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں کوئی تعلق یا ربط ہو اور ہم میں ایسا کچھ نہیں ہے اور ویسے بھی یہ میں جان چکا ہوں اپنی زندگی کے دکھ سکھ کہنے کے لئے تمہیں میری ضرورت قطعی نہیں ہے، تم نے مجھے اس قابل سمجھا ہی نہیں کہ اپنے دکھ بانٹ سکو۔'' کتنا سخت اور سرد لہجہ تھا اریبہ کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔

''وہاج پلیز تم مجھے صفائی کا موقعہ تو دو۔''

''No more excuse areeba۔'' وہ اسے مزید کچھ کہنے سے باز رکھتے ہوئے بولا۔

''ہمارا ایک رشتہ ہے، ایک تعلق ہے، محبت ہے ہم میں کیا میں کسی حوالہ سے بھی تمہارے لئے اس قابل نہیں ٹھہرتی کہ تم مجھ سے وجہ تو سن سکو۔''

''وجہ، ہنہ۔'' وہ استہزائیہ بولا ''میرا خیال ہے تم یہ سارے ریزن ریفیوز کر چکی ہو۔'' وہ بے تاثر لہجہ میں بولا اریبہ کو یہ اندازہ جھیلنا دشوار لگا۔

''وہاج تم خوامخواہ جذباتی ہو رہے ہو بنا سوچے سمجھے تم کیا بول رہے ہو احساس ہے تمہیں، تمہارا یہ انداز یہ لہجہ کتنا دکھ دے رہا ہے مجھے تمہیں بالکل احساس نہیں۔''

''اور تم بہت سوچ سمجھ کر بولی تھیں، تم نے بہت سکھ دیا تھا مجھے۔''

''تم پھر اموشنل ہو رہے ہو۔''

''تمہیں میرے اموشنل ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے اور دوبارہ مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا انڈراسٹینڈ۔'' وہاج نے تلخ اور سخت لہجے میں باور کراتے ہوئے رابطہ منقطع کیا۔

اریبہ کو بے تحاشا سبکی محسوس ہوئی احساس توہین سے چہرہ سرخ ہو گیا، شکایت یا خفگی نہیں عجب طرح کی کاٹ تھی اس کے لہجے میں، وہ تو بڑا متوازن انسان تھا، اریبہ کی موڈی و کچھ تلخ ترش طبیعت کے باوجود ہمیشہ اس کے ساتھ مثبت رویہ رکھتا تھا، وہ کچھ کہتی کچھ کرتی اس کی ہر بے نیازی و لاپروائی کو ہنس کر سہہ جانے والا تھا اپنے حالات کے باعث وہ روکھا پھیکا رویہ بھی اپناتی تو وہ برداشت کر جاتا بلکہ جواباً ہمیشہ اچھے سلوک سے پیش آتا اور وہ اس کے اسی رویہ کی عادی تھی، وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کبھی یہ نرم رویہ تکلیف دہ بھی ہوگا سبک رو بہتا لہجہ تلخ ہوگا اور اسے ہر پل توجہ، اہمیت اور ڈھیروں مان سے نوازنے والا اتنا پیارا شخص ایسے بری طرح خفا ہوگا کہ اس کی بات سننا تو ایک طرف لہجہ بھی گوارہ نہ کرے گا، وہ تو بس جہاں بیٹھی تھی بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی، پتھر کا بت سا ساکت بے حس و حرکت۔

''کیا بس اتنا ہی ظرف تھا تمہارا وہاج حسن اک ذرا سی ناں کو تم نے انا کا مسئلہ بنا کر ہمارے آپسی تعلق کو ریفیوز قرار دے دیا کیا محبت اتنی آسانی سے ریفیوز ہو جانے والی شے ہے، کیا بدگمانی ایک لمحے میں ہی بدل جاتی ہے سب کچھ؟ وہ جذبے، محبتیں، خواہشیں کیا ہوئیں؟'' یکدم دل میں درد سا اٹھا، اس کی آنکھیں بھر بھر آنے لگیں۔

میں تمہیں ایسے ہمسفر کے روپ میں دیکھا کرتی تھی جو میرے تمام دکھ، تمام ذمہ داریوں کو اپنے اندر سمیٹ لے، اس کے علاوہ وہ سارے بوجھ جو میرے کندھوں پر تھے انہیں سنبھالتے، اپنے گھر اپنے بھائی بہنوں کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتی تھی تمہارے ساتھ مل کر، مجھے تم واحد ہمدرد لگتے ہو میرے ساتھ ایسی سنگدلی اور بددلی سے مت پیش آؤ، میرے بے بس ہونے کے احساس کو شدید مت کرو، تم سے مل کر تو میرے اندر کی تشنگی مٹنے لگتی ہے، تم سے باتیں کر کے میرے ذہن پر رکھا بوجھ ہٹنے لگتا ہے اب تم یہ ذہن بوجھل کیوں کر رہے ہو۔

بہت ڈپریسڈ ہو گئی تھی وہ چہرہ غم کی تمازت سے تمتما اٹھا تھا اور آنکھوں میں نمی چھلکنے لگی۔

اس دنیا میں، اتنے سارے لوگوں کے بیچ احساس، محبت کا اور درد و اپنائیت کا ہر رشتہ وہاج سے وابستہ کیا ہوا تھا اس نے اور وہاج، اس سے ناراض تھا شدید بدگمان تھا یہ بالکل اچھا نہ تھا۔

نارسائی کا کرب بہت برا ہوتا ہے، وہ خواب جو آنکھوں میں سج کر تعبیر پانے سے پہلے ہی ٹوٹ جائیں ان کا عذاب جھیلنا کتنا دشوار ہوتا ہے اسے محبت کھونے سے بڑا ڈر لگتا تھا، وہ محبت کے لئے جینے سب دان کرنے والی لڑکی تھی پھر محبت کو ریفیوز کر کے کیسے جی پاتی، جس نے سانسوں کی

مالا میں ہر پل محبت پروئی ہو وہ محبت کی بیگانگی کیسے سہہ پاتی۔

وہاج کی زبان سے نکلے وہ الفاظ، وہ لمحہ وہ منظر جیسے یاداشت کے صفحہ اولیں پہ چسپاں ہو گئے تھے، کہ جن کی زد میں آیا اس کا معصوم سا تفاخر بری طرح ٹوٹا تھا اسے یوں لگا تھا مصلحت کوشی کے پردے میں لپٹا آدھا ادھورا رشتہ جیسے رو رہا ہو۔

اس کے سینے میں دھڑکتا ننھا سا دل میما تھا، وہاج کے رویے کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے اس کا وجود مٹی میں بھینچا جا رہا تھا، کتنی محبت کس قدر اعتبار کا دعویٰ کرتا تھا وہ اور کتنے اجنبی، کتنے کھردرے انداز میں مخاطب ہوا تھا کہ احساس توہین سے سانس لینا دشوار محسوس ہو رہا تھا، اس کے جذبات کو ٹھیس سی پہنچی تھی، کتنی شدت سے اپنی بے مائیگی کا احساس ہوا تھا۔

''تم میں اور مجھ میں یہی فرق ہے وہاج کہ وہ بات جسے سوچنے میں زمانے لگ جائیں تم پل میں کہہ جاتے ہو۔'' اس نے یاسیت سے سوچا تھا۔

اک تمہارے روٹھ جانے سے
کسی کو کچھ نہیں ہوتا
پھول بھی مہکتے ہیں
رنگ بھی دمکتے ہیں
سورج بھی نکلتا ہے
تارے بھی چمکتے ہیں
لیکن اتنا ضرور ہوتا ہے
اک تیرے روٹھ جانے سے
کوئی ہنسنا بھول جاتا ہے

☆☆☆

کرسمس کا تہوار مناتے ہوئے اس نے فرسٹریشن کے ایک شدید فیز کو خود پہ جھیلا تھا، وہ تمام جھوٹے دعوے جو عیسائیت کی تبلیغی و تعلیمی روایات کا اہم جز ہوتے تھے، غیر یقینی صداقت پر مبنی قصے کہانیاں جنہیں عقل مانتی تھی نہ شعور گردانتا تھا، اخوت و معاشرتی اخلاص کی باتیں جن کے متضاد خود عیسائیوں کا اپنا رویہ تھا یہ کیسا مذہب تھا جس کا پرچار کیا جا رہا تھا، یہ تو اپنے دل کی تسلی اپنے ذہن کو بہلاوے دینے کا اک بچکانہ طریقہ تھا اور ماریا جوزف دلیل مضبوط دلائل اور ٹھوس حقیقت سے قائل ہونے والی لڑکی تھی اور مغربی لباس، طور اطوار سے لے کر مذہبی رجحان پر تنقیدی نگاہ ڈالتی تو احساس ہوتا کہ تمام تر آزادی سے لطف اندوز ہونے کے باوجود مغربیت خوش نہیں، اداس اور زخمی روحیں لے کر پھرنے والے لوگ جنہیں ذرائع و ابلاغ نے بیوقوف بنا کر ڈالر دیوتا کی قوت خرید کی پوجا کرنے پر مجبور کر رکھا ہے، ہزاروں ڈالر نسوانی جسم کو دلکش بنانے پر صرف کیے جاتے ہیں خواہ اس میں ان کا شرف انسانیت ہی کیوں نہ چھن جائے اور جو عورتیں ٹپ ٹاپ کے سانچے میں فٹ نہیں بیٹھتیں (موٹی یا زیادہ دبلی ہونے کے باعث) وہ زندگی کے عذاب سے دو چار ہو کر مریض بن جاتی ہیں۔

اور یہ یقیناً زندگی نہ تھی وہ ایسی زندگی ابھی شب و روز سے بیزار بھاگی پھر رہی تھی، سترہ سال کی عمر سے عیسائیت کو قانونی طور پر خیر باد کہہ کر پچھلے پانچ سال سے مختلف مذاہب کو پرکھتی اس کی حالت اس اجنبی کی سی تھی جو کسی انجانے شہر میں آ پہنچا ہو اور ٹھکانے کی تلاش میں کبھی ایک چوک پر رکتا ہو کبھی دوسرے میں۔

اسے یوں حق کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے کبھی منزل قریب لگتی اور کبھی دور بے حد دور، مگر پھر بھی وہ اس عزم سے سرشار تھی کہ آخر کار میں راستہ پالوں گی، یہی عزم تھا جو اسے اک نئے سفر پہ لئے جا رہا تھا۔

چین جو ترقی و کامیابی کے باعث اس کے ذہن میں اچھا تاثر چھوڑتا رہا تھا آج وہ اسی ملک کی سرزمین پر قدم رکھ رہی تھی جس کے لوگ اپنی انسان دوستی کے باعث پوری دنیا میں پہچانے جاتے ہیں وہ چینی دارالحکومت پے چنگ (چینی دارالحکومت کا اصل نام پے چنگ ہے جو انگریزی تلفظ کی پیچیدگی کی وجہ سے بگڑ کر بیجنگ بن گیا ہے) کے انٹرنیشنل ہوائی اڈے پر تھی، چینی ہوائی عملہ کی اعلیٰ سفری سہولیات، عمدہ کھانا اور بہترین اخلاق نے دوران سفر ان کے وفد کے سبھی ارکان کو متاثر کیا تھا، ایک اچھے اور خوشگوار سفر کے اختتام پر اور ایک نئے امید افزا سفر کے آغاز پر اس کا چہرہ بڑی خوبصورت اور تازہ مسکراہٹ سے سجا ان کے وفد کو Received کرنے کے لئے ارکان سے خیر مقدمی کلمات کا تبادلہ کرتی وہ آنے والے لوگوں کو دیکھتی اک اچھے احساس کا تاثر پا رہی تھے، کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد اپنے لئے مختص کردہ آرام گاہوں میں وہ سب لیٹ گئے، خوب نیند لینے کے بعد اک تازہ شاور لیا اور ماریا، کیتھرین کے ساتھ باتیں کرتی ہوٹل کی لابی میں چلی آئی۔

''مجھے دیوار چین دیکھنے کا بڑا شوق ہے کیا ہم صبح اسے دیکھنے جا سکتے ہیں۔'' ماریا نے اشتیاق آمیز لہجہ میں استفسار کیا تھا۔

''ہمارے شیڈول میں چین کے تمام ہسٹوریکل اور اہم مقامات کا سیاحتی وزٹ شامل ہے اور یقیناً ہم ٹائم نکال کے یہ شوق پورا کریں گے مگر کل نہیں۔''

''اوہ، خیر کوئی بات نہیں اب ظاہر ہے یہاں کچھ عرصہ رہنا ہے تو پورا چین دیکھ کر ہی جائیں گے۔''

''ویسے یہاں قدم رکھتے ہی مجھے ایک بات کا شدت سے احساس ہوا ہے کہ دوسرے ممالک کی نسبت یہاں کے لوگوں میں ترقی کا مارجن آگے بڑھنے کا جذبہ بہت زیادہ ہے ہر کوئی اپنے کام میں پورے دل اور جذبے سے مگن ہے۔''

''امیزنگ تمہارا اندازہ واقعی درست ہے اور جانتی ہو عوام میں یہ کام سے لگن ترقی سے محبت کی مین وجہ کیا ہے؟'' کیتھی نے پوچھا۔

''I don,t know کیونکہ میں چائنا کے لوگوں کو سوشل ہسٹری و کیمسٹری سے ناواقف ہوں۔'' ماریا نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کاندھے اچکائے۔

یہاں کے منتخب صدر اور وزیر اعظم اپنے عوام کی مشکلات و روزمرہ ضروریات کا بہتر طور پر

اندازہ کرنے کے لئے سال میں ایک ہفتہ عام انسان کے طور پر گزراتے ہیں مثلاً کسی سڑک پہ اخبار بیچتے ہوئے کہیں کسی موڑ پر بوٹ پالش کرتے ہوئے، کبھی پھٹے پرانے کپڑوں میں مزدوروں کے ساتھ بوجھ اٹھاتے اور کہیں دفتر میں ایک عام ورکر کے حلیے میں فائلوں کا ڈھیر لئے اپنے آفیسر سے تنخواہ بڑھانے کی درخواست کرتے بے ضرر، عام بندے کو معمولی لباس میں دیکھ کر ہمارے جیسے اندازہ بھی نہیں کر پاتے کہ یہ شخص ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے والا فرد واحد ہے اور یہاں ترقی کی اصل وجہ یہی احساس ذمہ داری ہے کہ سب کے ساتھ باہمی سلوک باہمی مروت اور باہمی اپنائیت کا رویہ روا رکھا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ دوسرے ممالک کی نسبت چین میں آپ کو نہ تو سماجی تنگ نظری ملے گی نہ معاشرتی تفاوت اور یہی چیز ترقی وکامیابی کی اولین شرط ہے۔"

چین کے متعلق انہیں معلومات دینے والی یہ ایک چینی لڑکی تھی جو انہیں چین کے متعلق گفتگو کرتے دیکھ کر ان کے قریب آ بیٹھی تھی، اس کا انگلش لہجہ کافی بہتر تھا۔

"How really بہت حیران کن اور دلچسپ بات ہے آج کے زمانے میں ایسی سنسئیر نیس وہ بھی حکمران طبقہ کے افراد میں اپنے ملک وعوام کے لئے Very amaziong۔" ماریا کے ساتھ کیتھی نے بھی اظہار حیرت کیا۔

"پھر تو ہمیں سب سے پہلے اس ملک کے صدر اور وزیراعظم سے ملنا چاہیے۔"

"نہ صرف ملنا چاہیے بلکہ کچھ سیکھنا چاہیے تاکہ اپنے ہاں جا کر اپنے لوگوں کو بھی اچھے ویوز دے سکیں۔" وہ آپس میں بولیں، پھر ماریا نے اپنے قریب بیٹھی اپنی ہم عمر لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"Please your good name۔"

"تاشی کاؤ اور اس کا مطلب ہے بہار کا موسم۔"

"میں ماریا ہوں اور یہ میری بہت اچھی دوست کیتھرین ہمارا تعلق ویلنگٹن سے ہے۔"

"اچھا لگا آپ سے ملنا میرا تعلق اگرچہ چین سے ہے مگر میں نسلاً ملائیشین ہوں، میری والدہ نے شادی چینی شخص سے کی تھی جو بعد میں فوت ہو گیا تو انہوں نے چین کو چھوڑا نہیں بلکہ یہیں مستقل رہنے لگیں آج کل وہ کچھ بیمار رہتی ہیں جوڑوں کے درد کی وجہ سے لہٰذا میں کالج سے واپسی پہ اسی ہوٹل سے وابستہ ہیلتھ فوڈ سپر مارکیٹ میں کام کرتی ہوں اچھی پے منٹ مل جاتی ہے گزارہ ہو رہا ہے۔" لڑکی کافی باتونی تھی بنا رکے اپنے بارے میں سب بتاتی چلی گئی۔

"اوہ سیڈ، دکھایا نہیں اپنی والدہ کو کہیں۔" کیتھرین نے کچھ ہمدردی سے کہا۔

"دکھاتی رہتی ہوں اور میڈیسن بھی پراپر ملتی ہے کیونکہ یہاں عوام کے لئے علاج ومعالجہ کی سہولیات بالکل فری ہیں مگر میری والدہ دواؤں سے چڑتی ہیں اور بالکل بھی میڈیسن کھانے پر رضا مند نہیں ہوتیں، اب چھوٹا بچہ ہو تو ہم ڈانٹ ڈپٹ کر کے پیار پچکار سے یا زبردستی کھلا دیتے ہیں انہیں کیسے سمجھائیں کہ نا سمجھ تو نہیں میں بہت سمجھاتی ہوں انہیں کہ صحت پر کوئی کمپرومائز نہیں ہوتا مگر نتیجہ ندارد۔" تاشی کچھ افسردگی سے بولی۔

"یہ تو واقعی پرابلم ہے اس طرح تو وہ مرض کو پال لیں گی پھر شفا آنا محال ہو گا تم ایسا کرو اپنی

والدہ کو یہاں لانا میں انہیں سمجھاؤں گی کہ زندگی کتنی بڑی نعمت ہے اور اس کی قدر کرتے ہیں اسے یوں ضائع نہیں کرتے۔" کیتھرین کا جذبہ خدمت خلق اُمڈ آیا، جس نے تاشی کو متاثر کیا تھا۔

"میرا خیال ہے ہم اچھی دوست بن سکتی ہیں اور اسی جذبہ دوستی کی شروعات کے طور پر میں اس Week end پہ آپ کو عشائیے پہ مدعو کرتی ہوں۔" تاشی نے خلوص سے کہا تو وہ حقیقتاً اس کے جذبہ دوستی اور مہمان نواز رویئے سے متاثر ہو گئیں اور مسکراہٹ کے ساتھ اس دعوت کو قبولیت بخش دی۔

"اب Week and پہ مجھے آپ دونوں کا شدت سے انتظار رہے گا۔" وہ الوداعی مصافحہ کر کے مڑی تو ماریا اور کیتھرین مسکراتی نگاہوں سے اسے جاتی دیکھتی رہیں۔

☆☆☆

اسے کبھی نہیں لگا تھا کہ وہ کم ہمت یا کمزور ہے مگر شہریار اپنے سلوک سے بار بار یہ باور کرانے کی کوشش کر چکا تھا کہ وہ صحیح معنوں میں خود کو بہت بے بس اور کمزور محسوس کرنے لگی تھی۔

کیا کہا تھا اس نے اور کہتے ہوئے کتنا فاتحانہ انداز اپنایا تھا کہ سعیہ خان کا وہ معصوم سا تفاخر منوں مٹی تلے جا پڑا تھا، کیا وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا اور اس کا وہ پہلے والا روپ، وہ نرمی، وہ دوستانہ پن کچھ دیر پہلے نظر آنے والا دھیان واقعی دھوکہ تھا۔

"تو سعیہ علی خان تم واقعی ٹریپ ہو گئیں وہ بھی اتنی آسانی سے، شہریار کا اصل شاید یہی ہے جواب دکھائی دے رہا ہے، وہ شہریار شاید کوئی اور تھا جس سے تم واقف تھیں جو تمہیں چاہتا ہے یہ وہ شخص نہیں کہ چاہتیں تو رسوا نہیں کرتیں۔"

"تمہیں کیا لگتا تھا ساری دنیا صرف مرضی سے چلتی ہے نہیں سعیہ علی خان کچھ ہے تمہارے اختیار سے پرے یہاں میرے اختیار کی حدیں شروع ہوتی ہیں وہ موڑ تم اب دیکھو گی۔" اس کی بھیگی آنکھوں پہ اٹکے موتیوں کو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کی پوروں پہ لیتے ہوئے وہ بھرپور حظ اٹھاتا مسکرایا تھا۔

کھڑکیوں کے شیشے پر
رینگتے ہوئے قطرے
یوں پھسلتے ہیں جیسے
میرے اور بادل کے درمیاں کوئی ہے
جو میرے اور بادل کے راز کو سمجھتا ہے
جب گھٹائیں چھائیں تو
صرف وہ نہیں روتیں
آنکھیں بھی برستی ہیں۔
کھڑکیاں بھی روتی ہیں

ایک اور شام وہ اس کے رحم وکرم پر گزارنے والی تھی یہ سوچ کر جانے بادلوں کی دھند تھی کہ آنکھوں میں اترتے آنسوؤں کا غبار جو نگاہوں کے آگے تن گیا اس کا دل چاہا تھا شہریار خان کا

گریبان جھنجھوڑتے ہوئے پوچھے۔

"میری زندگی کو کڑا امتحان تو بنا چکے ہو تم اور کس امتحان کی بات کر رہے۔" مگر برا ہو ان آنسوؤں کا جو ہمیشہ بنا رکے بنا پوچھے شرمندہ کر دیتے تھے۔

کھانے کی ٹرے اس کے سامنے پڑی تھی اس نے کسی چیز کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا جبکہ وہ ایک بار پھر اس کے مقابل آ بیٹھا تھا بریڈ جیم، انڈا اور چائے اس کے سامنے رکھتے ہوئے ایک اچھے میزبان کے فرائض نبھاتا سنعیہ نے اسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا تھا جو اب باقاعدہ بریڈ پر جیم لگا کر اسے دے رہا تھا، سنعیہ نے پکڑ کر نیچے پلیٹ میں رکھتے ہوئے قدرے مصالحانہ لہجہ میں کہا تھا۔

"آپ پلیز مجھے گھر چھوڑ دیں ڈاکٹر کو مما خود دکھا دیں گی۔"

"Its not possible۔" وہ آرام سے بولا۔

"مگر کیوں۔"

"مجھے یہاں ایک دو کام ہیں پھر ایک موقع ہے میرے پاس اکنامی گلی بھی اموشنل بھی آخر شوہر ہوں تمہارا اور تمہیں ایک وفا شعار بیوی کے فرائض نبھاتے ہوئے یہاں ٹھہرنا ہوگا، لہٰذا فی الحال ناشتہ کریں۔"

بہت کچھ باور کراتا لہجہ سنعیہ بخار فلو اور سر درد سے نڈھال بہت کمزوری اور نقاہت محسوس کر رہی تھی اس میں جھگڑے کی ہمت تھی نہ بحث کی بس خاموشی سے اس بے درد کو دیکھتی رہ گئی، یہاں تک کہ اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں اور اس نے آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا، شہریار چند ثانیے غور سے اسے دیکھتا رہا تھا، پھر اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا گہری نگاہوں سے اس کے صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو کھانے سے نہیں، کھانا جینے کے لئے بہت ضروری ہے۔" سنعیہ نے لب بھینچ کر اس کی سمت ایک نگاہ کی تھی پھر چہرہ موڑ لیا۔

"زندگی کی ضرورت ہے مجھے نہ جینے کی۔" آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"اور تم سے وابستہ لوگوں کو تمہاری زندگی کی ضرورت ہے زندگی ہوگی تو مجھ سے مقابلہ کرو گی۔" اس نے تھوڑا ہنستے ہوئے کہا پھر یکایک سنجیدہ ہو کے بولا۔

"اینی ویز تم ناشتہ کر لو پھر چاہو تو گھر بات کر سکتی ہو موبائل چارجنگ پہ لگا ہوا ہے۔" اس نے بہت بے یقینی سے شہریار کو دیکھا تھا، جو اب چائے پینے لگا تھا، پھر نہ چاہتے ہوئے بھی سنعیہ نے ناشتہ کیا اور چائے کا آخری گھونٹ لے رہی تھی جب سیل فون بجنے لگا۔

"مما کا فون ہے۔" شہریار نے کہتے ہوئے سیل کان سے لگایا۔

"السلام علیکم مما صبح بخیر۔" وہ خوشدلی سے بولا۔

"وعلیکم السلام بیٹا کیسے ہو اور سنعیہ اٹھی کہ نہیں۔" شائستہ کا بیقرار لہجہ ابھرا۔

"فائن مما، اٹھ چکی ہے سنعیہ لیں بات کریں۔" شہریار نے اسے موبائل دیا۔

"السلام علیکم مما!"

"وعلیکم السلام کیسی ہو سونو، شہریار بتا رہا تھا تمہیں بخار اور فلو ہو رہا ہے اتنی پریشان ہوں میں یہ دوسری بار فون کیا ہے پہلے تم سو رہی تھیں۔" مخصوص ماؤں والی تشویش و ممتا سے پر مشفق آواز جیسے سنتے ہوئے اس کا دل بھر آیا۔

"ٹھیک ہوں مما بس موسمی ٹھنڈ کا اثر تھا ذرا اب تو بہت بہتر ہوں میڈیسن لی ہے۔" اپنے نم ہوتے لہجے پہ قابو پاتے وہ بولی۔

"پھر بھی بیٹا اپنا خیال رکھنا اور میں تمہارے پپا کے ساتھ آفیشل کام کے سلسلہ میں دو دن کے لئے اسلام آباد جا رہی ہوں، رات سے موسم خراب تھا سگنل نہ آنے کے باعث تم سے بات نہیں ہو پائی ہم جاتے ہوئے تم سے مل کر جائیں گے بلکہ تمہیں ساتھ لے جا کر ڈاکٹر سے چیک اپ کروا دیں گے۔" مما فکر سے بولیں۔

"مما آپ مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔" بھیگی پلکیں ملتجی لہجہ شہریار لب بھینچ گیا دیکھ کر۔

"بیٹی اب تو ہم تیار ہیں بس نکل رہے ہیں پھر آفس کا کام کئی کمپنیوں کا ساتھ ہے شہریار اکیلا کیسے مینج کرے گا۔" شائستہ رسان سے بولیں۔

"مما میں بھی تو یہاں اکیلی ہوں گی۔" وہ رونے والی ہو گئی تو شہریار نے اس کے ہاتھ سے موبائل پکڑتے ہوئے خود بات کی۔

"مما آپ فکر مت کریں یہ خوامخواہ اموشنل ہو رہی ہے۔"

"شہریار تم ہو تو مجھے پوری تسلی ہے بیٹا اس کا خیال رکھنا اور ڈاکٹر کو دکھا دینا۔"

"آپ بے فکر ہو جائیں مما، میں بس اسے ڈاکٹر کو دکھانے جا رہا ہوں، گاڑی میں نے منگوالی ہے اور پپا کو سلام کہیے گا۔" وہ آگے سے اب شائستہ کی بات سن رہا تھا، سنعیہ نے چونک کر دیکھا تھا اس کے انداز گفتگو کو۔

"جی ہم دوپہر تک گھر پہنچ جائیں گے آپ فکر نہ کریں سنعیہ کا پورا خیال رکھوں گا او کے اللہ حافظ۔" وہ جلدی سے الوداعی کلمات ادا کرتا ہوا سیل آف کر گیا، اس کی گفتگو سے سنعیہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ مما پپا یہاں آنے کی بجائے سیدھا اسلام آباد جا رہے ہیں، لہٰذا وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"چلیں گھر۔"

"پہلے ڈاکٹر کے پاس۔" شہریار نرمی سے بولا تھا اور اپنے فیملی ڈاکٹر سے اس کا چیک اپ کروا کے وہ واپس ہوئے تو گاڑی انہی راستوں پہ تھی جن سے آئے تھے۔

"یہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔" سنعیہ نے آنکھوں کو اس کی سمت خفیف سی جنبش دیتے ہوئے پوچھا۔

"وہیں جہاں سے آئے ہیں۔" وہ آرام سے بولا تو چہرے کی تروتازگی کے لہجہ بھی ہشاش بشاش تھا اور مزاج بھی توانا۔

"کیا مطلب پھر دھوکہ کر رہے ہیں آپ میرے ساتھ۔" آنکھوں میں غصہ، بے یقینی ناگواری کے رنگ لئے وہ چیخ کر بولی۔

"سوئیٹ تم سے کہا تھا ناں میں نے تم سے ایک قانونی و شرعی رشتہ ہے منکوحہ ہو تم میری، مجھے

کچھ ٹائم گزارنا ہے تمہارے ساتھ اور تمہیں ایک سعادت مند بیوی کی طرح اپنا فرض نبھانا ہے میرا حکم مان کر۔'' خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے غصے سے تمتماتے چہرے کو دیکھتے وہ رسان سے بولا تو سنعیہ ساکت سی اسے دیکھے گئی احتجاج کے تمام الفاظ جیسے گلے میں پھندا بن کر اٹک چکے تھے وہ کئی لمحوں تک قوت گویائی کھو بیٹھی تھی جیسے۔

''یہ فریب اتنا دوغلا پن نقاب زدہ چہرہ میں تمہارا اصل روپ سب کو دکھاؤنگی، شہریار تم کیا سمجھتے ہو اس کمینی حرکت سے مجھے زیر کرلو گے۔'' وہ غم و غصے کے حصار میں گھرتے ہوئے بولی۔

''یہ ٹیپکل بیویوں والا انداز اچھی لگ ہو، یونہی تو طبیعت آج کل تم پہ مائل نہیں ہو رہی۔'' اس کے رخسار پہ جھولتی شریر لٹ کو چھوتے ہوئے بہ غور دیکھتے ہوئے وہ بولا تو سنعیہ کو ٹوٹ کر رونا آیا مگر رونے کا مطلب تھا اپنی کمزوری دکھانا اور وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی، جانتی تھی کہ جتنا لچک دکھائے گی وہ اسی قدر حاوی ہونے کی کوشش کرے گا۔

''میں اپنے ساتھ تمہیں یہ چیٹنگ نہیں کرنے دونگی، گاڑی روکو ورنہ میں شور مچا دوں گی۔'' اسٹیرنگ پہ رکھے شہریار کے ہاتھ پر سختی سے اپنا ہاتھ جماتے ہوئے وہ بولی تو شہریار مسکرا دیا تھا محظوظ ہوتے ہوئے، پھر سنعیہ نے لمحہ بھر ہی دیکھا تھا اسے اور اگلے پل وہ اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکلنے لگی چلتی گاڑی سے تو شہریار نے سرعت سے اپنے بازو کے شکنجے میں دبوچا تھا، گاڑی کو بریک لگا کر اس نے اسی تیزی سے ایک زناٹے دار تھپڑ سنعیہ کے رخسار پر دے مارا تھا۔

سنعیہ حیرتوں، دکھ سے بھری نگاہ لئے اسے دیکھ رہی تھی جو درشتی سے کہہ رہا تھا، ''اب ہلنے کی کوشش کی تو جان سے مار دوں گا نہ تو مجھے فضول میں تمہیں جھیلنے کا شوق ہے نہ ہارنا چاہتا ہوں مگر تم اس وقت میری پابند ضرور ہو آفٹر آل میں تمہارا شوہر ہوں، لہٰذا بیوقوفی کر کے صرف اپنا نقصان کرو گی انڈر اسٹینڈ۔'' مضبوط اور مدہم انداز میں کہتے ہوئے وہ ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہونے لگا اور سنعیہ کی آنکھوں میں مرچیں سی چبھنے لگیں لمحہ بھر میں منظر دھندلانے لگے وہ حد سے زیادہ بے یارو مددگار تھی اور اس کے بس میں بھی ایسے میں وہ کچھ بھی کر سکتا تھا اس کے ساتھ، یہ سوچتے ہوئے اس کی تحیر زدہ نگاہیں بھیگنے لگیں وہ ہارنا نہیں چاہتی تھی مگر حوصلے بھربھری ریت کی دیوار ثابت ہو رہے تھے اور چہرہ متواتر بھیگتا چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

وہ پیریڈ آف ہونے پر کلاس روم سے باہر نکلی اور یونیورسٹی کیمپس کے وسط میں بنی خوبصورت نہر کنارے آ کر بیٹھ گئی، ٹھنڈی پرسکون ہوا اور بہت ستھری فضا کے ساتھ کئی سوڈنٹس گروپ کی شکل میں ٹولیاں بنائے بیٹھے تھے، وہ پیپل کے پتوں کو نوچتی گاہے بہ گاہے ان سٹوڈنٹس کو بھی دیکھ رہی تھی جو بے فکرے خوش باش انداز میں بیٹھے مصروف گفتگو تھے، یہ نہیں تھا کہ اس کی کوئی دوست نہ تھی یا وہ کسی گروپ کا حصہ نہ تھی، بلکہ اپنی ذہانت اور غیر معمولی حسن و نزاکت کے باعث صرف اپنے ڈپارٹمنٹ میں نہیں بلکہ دوسرے ڈیپارٹمنٹس کے سٹوڈنٹس میں بھی ممتاز حیثیت رکھتی تھی، اس کے بنائے نوٹس پیپرز کی سٹوڈنٹس میں مانگ رہتی تھی پھر وہ کسی کے ساتھ انوالو نہ تھی، قدرے محتاط اور سنجیدہ طبیعت کے ساتھ سب کے ساتھ ایک جیسا بامروت رویہ اپنی ان منفرد عادات کی بناء پر اسے ہمیشہ عزت ملی تھی، کالج اور اب یونیورسٹی میں بھی خوبصورتی کے باعث ڈرامیٹک سوسائٹی کو جب بھی کسی شاہی خاتون یا ہیروئن کا مسئلہ ہوتا ان کی پہلی ترجیح اریبہ اشفاق ہوتی اور وہ یونیورسٹی لیول پہ ہونے والے سٹیج ڈراموں میں بڑے شوق سے حصہ لیتی محض اپنے اندر چھپے فن کے ٹیلنٹ کو حصہ دینے کے لئے۔

لیکن اب بار یونیورسٹی کے سالانہ کانووکیشن میں ہونے والے پروگراموں میں حصہ لینے سے اس نے صاف معذرت کر لی تھی وجہ اپنے معاشی و گھریلو حالات سے ہر وقت ذہنی پریشانی جواب اس کی زندگی کا حصہ بن کر رہ گئی تھی۔

''کیا چیز ہے یہ زندگی بھی دور سے کتنی خوبصورت اور خوشنما لگتی ہے کسی سات رنگی تتلی کے مانند اور پکڑنے کی چاہ لئے اس کے تعاقب میں پلکیں تو کیسی ستاتی ہے، کتنے دکھ دیتی ہے کتنی بے رنگ اور پھیکی نکلتی ہے۔'' اس نے متاسف سے انداز میں سوچا تھا پھر اٹھ کر نہر کنارے لگے درختوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگی، سفیدے کے بڑے بڑے پتوں والے لمبے لمبے درخت جو قطار در قطار جا رہے تھے اور ماحول میں عجب سا توازن پیدا کر رہے تھے۔

''کتنی عظیم ہے یہ درسگاہ، ہزاروں کو جلا بخشتی ہے جینا سکھاتی ہے، جینے کے سلیقے بتاتی ہے مگر لوازمات زندگی اور اسباب رزق کم ہو جائیں تو فاقوں، محروموں اور بیماری میں لپتا بے بس انسان کیا کرے، یہ نہیں بتاتی۔'' وہاج حسن اسی یونیورسٹی کا گولڈ میڈلسٹ تا اتنا بریلیئٹ اور جینئس جس کی ذہانت و کارکردگی سے پروفیسرز تک متاثر تھے، جس کے بنائے نوٹس کی سارے ڈیپارٹمنٹس میں دھوم تھی وہ جب سہانے خواب، پرجوش امنگیں اور امید بھرا دل لے کر اس ادارے سے نکلا تو جاب کی تلاش میں پورے تین سال رلتا رہا کتنے دھکے کھائے تھے اس نے در در، کتنی باتیں سنی تھیں کتنی اذیت جھیلی تھی اک جاب کی تلاش میں، اتنی ذلت و خواری، خواہشوں تک کو بدل ڈالا تھا اور وہ جو کسی بڑی کمپنی کا ایم ڈی یا برانچ آفیسر بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا اک معمولی کیفے پہ دس ہزار کی نوکری پہ لگ گیا تھا اور تب اسے کیسی تکلیف ہوئی تھی وہ اسے اپنے خوابوں سے دستبردار ہوتے نہ دیکھ سکی تھی، کتنے تیکھے تیوروں کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کی تھی۔

اور اب وہی خواری وہ اٹھا رہی تھی وہاج کے منع کرنے کے باوجود بالا ہی بالا اس نے کئی کاروباری کمپنیوں میں خالی ویکنسی کے لئے رجوع کیا تھا مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

بنا تجربہ، رشتوت، شفارش کوئی کمپنی اسے رکھنے پر تیار نہ تھی اور ان تینوں ترجیحات کے بغیر چوتھی ترجیح ''ترغیب ہوس'' تھی جو ہر اونچی کرسی پر بیٹھے بڑی توند والے ادھیڑ عمر باس سے لے کر عملہ کے معمولی جمعدار تک کی نگاہوں اور باتوں سے ٹپک رہی ہوتی اور وہ لاکھ مجبور و تنگدست سہی مگر اپنی عزت اپنا نسوانی وقار اور حیا، اسے ہر بے بس سے بڑھ کر عزیز تھے، روپے کے لالچ میں وہ اپنی غیرت کا سودا نہ کر سکتی تھی۔

اسے اب معلوم ہوا تھا عورت خاص کر خوبصورت جواں عورت کے لئے زندگی کتنی دشوار ہے معاشرے میں موجود ہر عمر ہر کلاس کا بندہ اسے تر نوالہ سمجھتے نگلنے کو تیار رہتا ہے۔

مداوا

ثمینہ شفقت

''وہاج ٹھیک کہتے تھے تم ایک عورت کا گھر سے باہر نکلنا وہ بھی ملازمت کی تلاش میں اتنا آسان نہیں بہت مشکل ہے اور ایسے حالات میں جب پریشانی بھی ہر طرف سے راستہ روکے کھڑی ہو خود کو خوش امید رکھنا کتنا مشکل ہے۔'' تھکن، شکستگی اور پریشانی ایک ساتھ اس پہ وارد ہوئے تھے وہ غائب الدماغی کی کیفیت میں چلتی سائنس لیب کی سیڑھیوں تک آ پہنچی تھی بہت تھکے ہوئے انداز میں سیڑھیوں پہ بیٹھتی پیشانی مسلنے لگی۔

سیڑھیوں کے بالکل اوپر کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ کے چند سٹوڈنٹس کھڑے تھے آپس میں کسی بحث میں مصروف کچھ دیر بعد وہ چلے گئے تو اس سے کچھ ہی فاصلے پر اردو ڈیپارٹمنٹ کی کچھ لڑکیاں آ بیٹھی بلند آواز میں ہنستی ایک دوسری پہ فقرے اچھالتی، اریبہ نے بہت حسرت سے ان شوخ لڑکیوں کو دیکھا تھا کچھ عرصہ پہلے وہ بھی ایسی زندہ دل ہوا کرتی تھی، آتے جاتے لوگوں پہ ہونگ بات سے بات نکالنا اور بے وجہ ہنسے جانا کتنی خوشگوار زندگی تھی کتنے بھلے دن تھے اور پھر سب کچھ کتنی تیزی سے بدلا تھا، زندگی ویسی نہیں رہی جیسی گزارنا چاہتی تھی بلکہ خوابوں، خواہشوں اور حقیقت کے برعکس بن گئی تھی بے حد تلخ اور دشوار اور بہت کوشش کے باوجود حالات بس میں نہ ہو رہے تھے، اس نے اک سرد آہ بھری۔

''آہ، کتنا بے بس ہو جاتے ہیں ہم حالات کے سامنے تقدیر کی تلخیوں کو موڑنا، روکنا یا غم کو پرے کرنا کچھ بھی ٹھیک سے نہیں ہو پاتا اگر یہی سب کچھ ہمارے ساتھ تقدیر، زندگی یا خدا کے بجائے کوئی انسان کرے تو ہم کتنا چیخیں چلائیں، دھمکیاں دیں، گریبان پکڑلیں کہ تم ہوتے کون ہو ہمارے ساتھ یہ سب کرنے والے، کیا حق پہنچتا ہے تمہیں ہمیں دکھ دینے یا نقصان پہنچانے کا مگر یہ سب رونے تو قسمت کے تھے اور قسمت کے ساتھ کون لڑے قسمت کے آنکھیں بدلنے پر تو سوائے رونے کڑھنے یا انگشت بدنداں ہونے کے کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔''

''زندگی کی حقیقتوں میں شاید مقدر ہی سب سے بڑی حقیقت ہے، جسے بھول جاتے ہیں اور زندگی کے بارے میں مختلف تجزیے کرتے رہتے ہیں یہ جانے بغیر کہ درحقیقت زندگی ہمارا تجزیہ کر رہی ہوتی ہے اور دنیا کا کوئی دروازہ بھی نہیں ہوتا جسے کھول کر ہم باہر نکل جائیں تا کہ ان غموں سے ہماری جان چھوٹ جائے کہیں ٹوٹ کر بکھریں تو دل آپ ہی اپنی کرچیاں چننے کا تماشہ دیکھتا ہے ایک خوشی کے لئے کتنا ترستا ہے کتنے پاپڑ بیلتا ہے، مشقتوں میں تھکا ہارا وجود تنگدستی و فقر و فاقہ کی کہانی سناتی آنکھیں، کوئی دیکھے تو یقین ہی نہ کر پائے کہ کبھی یہ وجود بھی نرم و نازک سانچے میں ڈھلا خوابوں، رنگوں اور مسکراہٹوں کا مجموعہ خوشیوں کے نغمے اس کے شیریں لبوں کو چھو کر ابھرتے تھے اور آج یہی جیتا جاگتا، ارمانوں، خواہشوں سے بھرا وجود راستے کا پتھر بنا آتے جاتے غموں کو ٹھوکریں سہہ رہا ہے۔''

اریبہ نے سر گھٹنوں پہ دھر لیا تھا اس کی سماعتوں میں کسی کی آواز اتر رہی تھی، وہ شاید اردو ڈیپارٹمنٹ کی ہی طالبہ تھی جو شاعری سنا رہی تھی اور الفاظ اسے اپنے درد کا بیاں لگ رہے تھے وہ بھیگی پلکوں سے لمحہ بھر اس لڑکی کو دیکھ کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپاتی شدتوں سے ٹوٹ کر رو دی بنا جگہ اور ماحول کا خیال کے۔

(جاری ہے)

خواب دیکھنے، ہنسنے اور سج سجا کے آئینے میں خود کو سراہنے کی ہی عمر تھی مگر وہ ان تمام جذبوں سے نا آشنا ہی رہی، باپ کے اچانک حادثے میں جاں بحق ہو جانے کے بعد جہاں تمام رشتہ داروں نے نگاہیں بدلیں وہاں ماں کو بھی اپنی اکلوتی، جوان اور خوبصورت بیٹی کے لئے جانے کیسے وہموں نے گھیر لیا، یوں بھی رشتہ دار تھے ہی کون سے ابا کے دو تین دور دراز کے رشتہ دار اور اماں کا اکلوتا غریب بھائی جو کبھی کبھار اپنی حیثیت کے مطابق اپنے ماں جائے ہونے کا ثبوت دینے آ پہنچتا۔

ابا شروع سے ہی محنت مزدوری کرتے تھے جدھر کام ملا وہیں کر لیا اور اس طرح وہ اناج کے دانے جن پر ان کا نام لکھا تھا کسی نہ کسی طرح ان تک آ پہنچتے، نہ وہ سکول گئی اور نہ ہی گڑیا کے ساتھ کھیلی کہ اس کے غریب ماں باپ نے شاید اس کو گڑیا اسی لئے نہ لے کر دی تھی کہ اسی گڑیا گڈے کے کھیل سے خواب جنم لیتے ہیں۔

اماں دو تین گھروں میں صفائی کا کام کرتی تھی، باہر سے تالہ لگا کر جاتی صبح نو بجے کی گئی شام کو چار بجے لوٹتی، بیچاری کی ہڈیاں تک چیخ رہی ہوتیں، ساری عمر کی غریبی کے بعد ان ہڈیوں میں مدافعت اور طاقت کہاں رہی تھی، وہ ماں کو کھانا دے کر چائے بناتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ کاش اماں مجھے سلائی کڑھائی ہی سکھا دیتی تو آج ماں کو اس قدر در بدر نہ ہونا پڑتا مگر ماں جانے کیا سوچے ہوئے تھی۔

چائے پی کر اماں لیٹی تو وہ آہستہ آہستہ انہیں دبانے لگی اور وہ تھکی ہاری سو گئی یہ تھے ان کے روز کے دن اور رات، کوئی تبدیلی کوئی آس یا خواب کی ماں نے راہ ہی نہ دکھائی تھی کہ جانے آنے والا وقت کیسا ہو اور وہ جانتی تھی جب خواب ٹوٹیں یا تمنائیں بکھر جائیں تو کتنی اذیت ہوتی ہے۔

وہ روز ماں کا چہرہ دیکھ کر پوچھتی۔

"کہ ماں تم کتنا تھک جاتی ہو؟"

اور وہ ہمیشہ دھیرے سے ہنس دیتی مگر آج اس کے پوچھنے پر اس نے اپنی تھکاوٹ اعتراف کر ہی لیا۔

"کہ ہاں بیٹی اس غربت نے مجھے تھکا دیا ہے ورنہ میری عمر کی عورتیں بھی اچھی خاصی صحت مند ہوتی ہیں۔"

"دعا کرتی ہوں خدا تیرے نصیب اچھے کرے مگر ہم غریبوں کی کٹیا جہاں کوئی برسوں حال احوال پوچھنے نہیں آتا وہاں رشتہ کون لے آئے گا۔"

☆☆☆

ماں کی دعاؤں کا اثر تھا کہ قدرت کو اس کی تنہائی پر رحم آ گیا تھا، کہ اماں کی خالہ زاد بہن جو لاہور میں رہتی تھی، کئی سالوں بعد ماں سے ملنے آ گئی، دونوں گھنٹوں پچھلے دنوں کی یادیں تازہ کرتی رہیں، رات کو خالہ نے ماں سے کہا۔

"دیکھ نصیبن تجھ سے جو بات کرنے جا رہی ہوں ماننی پڑے گی ہاں!"

"تو، تو جانتی ہے کہ میرا ایک ہی بیٹا ہے ماشاءاللہ پڑھ لکھ کر سرکاری کلرک لگا ہوا ہے چھوٹا سا اپنا گھر ہے تو ایسے کر اپنی بیٹی میری جھولی میں ڈال دے بہت سکھی رہے گی تیری بیٹی۔"

ماں کی تو جیسے مراد بھر آئی۔

"مگر بہن میرے پاس دینے کے لئے کچھ بھی نہیں بڑی مشکل سے عزت کی زندگی گزاری ہے اور اس عزت اور دعاؤں کے علاوہ میرا دامن خالی ہے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہے نصیبن مجھے بس بیٹی چاہیے باقی سب کچھ خدا نصیب سے دے دے گا۔"

اور یوں چند دنوں میں دلہن بن کر وہ اسلم کے ہاں پہنچ گئی اور اپنی زندگی پر نازاں اور خدا کی شکر گزار ہو گئی، چھوٹا سا گھر خیال رکھنے والا ساتھی اور اس کے لئے اسلم کی معمولی تنخواہ بھی خزانے سے کم نہ تھی۔

خدا نے جلد ہی ان کو ایک بیٹا اور ایک بیٹی سے نواز دیا اماں تو اس کی شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی چل بسی تھی، یہ گھر ہی اس کی کائنات تھی اور وہ خوش اور مطمئن تھی۔

ان کی خوشیوں کو شاید اپنی ہی نظر لگ گئی کہ ایک روز دفتر سے واپسی پر اسلم کا شدید ایکسیڈنٹ ہو گیا ڈاکٹروں کو فوراً اس کا دایاں بازو کاٹنا پڑا ورنہ اس کی زندگی خطرے میں تھی اور یوں وہ ایک بار پھر اسی دوراہے پر کھڑی ہو گئی جہاں شادی سے پہلے تھی، دفتر سے معمولی رقم کے بدلے نوکری بھی گئی اور وہ پیسے علاج معالجے پر لگ گئے مگر پھر بھی وہ مکمل ٹھیک نہ تھا اندر ہی اندر کوئی درد تھا جو اسے بے حال کیے ہوئے تھا مگر وہ برداشت ہی کیے جا رہا تھا یوں لگتا تھا کہ اب جینے کے دن تھوڑے ہیں وہ بیوی سے ذکر کر کے اس کو پریشان نہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ تو پہلے ہی بہت پریشان تھی، دو بچوں معذور شوہر اور بوڑھی ساس ساتھ تھا اور وہ بھی اپنی ماں کی طرح کام جت گئی تھی، اسلم بیچارہ بے بسی سے بستر پر آنسو بہاتا رہتا کہ اس حادثے کے بعد وہ سنبھلا نہ تھا، وہ دن رات سوچتا رہتا کہ الٰہی مجھے کوئی راہ دکھا کہ میں اپنی محرومی کا مداوا کر سکوں مجھے کوئی راہ دکھا۔

اور یوں اک روز وہ بڑے عزم سے گھر سے نکلا اور اپنے دوست کو ساتھ لیکر ایک ہسپتال پہنچا، اس نے ڈاکٹر سے التجا کی وہ اپنا ایک گردہ بیچنا چاہتا ہے ڈاکٹر نے پہلے تو اس منع کیا اور سمجھانا چاہا مگر اس نے کہا کہ میں معذور تو ہو چکا ہوں کیوں نا میرے ایک گردے سے کسی حاجت مند کو اک نئی زندگی مل جائے اور مجھے اس کے بدلے اپنے علاج کے لئے رقم کہ ایک گردے سے بھی تو انسان زندہ رہ سکتا ہے۔

اور وہ گھر والوں سے دوسرے شہر کسی کام کا کہہ کر ہسپتال داخل ہو گیا اور جب نارمل ہو کر گھر پہنچا تو بہت سرشار تھا اور اگلے دن ہی اس نے اپنے چھوٹے سے گھر کے اوپر ایک کمرہ اور چھوٹا سا کچن باتھ روم بنوانا شروع کر دیا کہ اسے ہسپتال سے کافی پیسے ملے تھے، گھر والے حیران ہوئے تو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ دفتر کی طرف سے پیسے ملے ہیں وہ یہ کام جلد از جلد نبٹانا چاہتا تھا، کیونکہ اسے شدید تھکان اور درد کے ساتھ چکر بھی آنے لگے تھے اور جب اس نے اپنے بیوی بچوں کو اوپر والی منزل پہ شفٹ کروا کر نیچے کی منزل پانچ ہزار کرائے پہ دی تو گویا اس کی روح میں اطمینان سا اتر گیا، اس کو یقین تھا کہ اس کی صابر اور عقلمند بیوی بڑے مناسب طریقے سے ان پانچ ہزار کو ہر ماہ خرچ کیا کرے گی اتنے دنوں کی ان تھک بھاگ دوڑ اور بیماری نے اس کو تھکا دیا تھا رات کو وہ سونے کے لئے لیٹا تو پھر اٹھ نہ سکا کہ اسے ایک لمبے سکون اور آرام کی ضرورت تھی مگر ان آخری لمحوں میں اس کے چہرے پر اک عجیب سی خوشی اور سرشاری تھی جیسے کوئی بڑا کام کر لینے کے بعد ہوتی ہے وہ اپنے بچوں کی محرومی کا کچھ تو ازالہ کر کے جا رہا تھا۔

☆☆☆

تیسری اور آخری قسط

قراةالعین

''ٹھہرو، تمہیں جرأت کیسے ہوئی میری بہو کا ہاتھ پکڑ کر یوں لے جانے کی۔'' چوہدری رب نواز کے منہ سے نکلے الفاظ نے گویا ہر کسی کو اپنی جگہ پر ساکت کر دیا تھا احسن ذائرہ کا ہاتھ پکڑے بے یقینی سے اپنی جگہ تھم گیا تھا سسکیاں لیتی ذائرہ رونا بھول گئی، بے بسی اور غصے کے آثر لئے سکندر کے چہرے پر باپ کے منہ سے ادا کیے گئے جملے پر بے پناہ حیران کن تاثرات ابھرے تھے اور جاتا ہوا چوہدری دلاور بھی پلٹ کر بے یقین سا کھڑا رہ گیا تھا چوہدری رب نواز کے الفاظ گویا ایسی گونج تھے جس کے بعد ہر طرف سناٹا چھا گیا تھا۔

''میں نے تمہاری بکواس اتنی دیر سے اس لئے برداشت کی تاکہ میں تمہارے کرتوتوں کو تمہارے ہی منہ سے سن سکوں، یہ تمہاری بھی منگ تھی حالانکہ جانتے تھے تم یہ بھی جھوٹ بول رہے ہو پر اب یہ میری بہو ہے اور یہی سچ ہے۔'' چوہدری رب نواز نے تیزی سے آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے احسن کے ہاتھ سے ذائرہ کا ہاتھ چھڑاتے ہوئے نہایت سخت لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''سکندر اپنی بیوی کو گاڑی میں لے کر بیٹھو۔'' چوہدری رب نواز نے حیرت سے ساکت کھڑے سکندر کو متوجہ کیا اور ذائرہ کو سکندر کی جانب بڑھایا، سکندر تیزی سے آگے بڑھا ذائرہ کے تو گویا حواس ہی کام کرنا چھوڑ گئے تھے۔

"جھوٹ بول رہے ہو تم، اکلوتے بیٹے کی شادی اور اتنی چاپ چاپ کسی کو کانوں کان خبر نہیں اور یہ یہاں کیا کر رہی ہے اس مرکز میں تمہاری بہو کو تو حویلی ہونا چاہیے ناں یا پھر چوہدیوں کی غیرت......" احسن نے تلملاتے ہوئے آگے بڑھ کر ذائریہ اور سکندر کے راستے میں کھڑے ہوتے چوہدری رب نواز سے کہا اس کا لہجہ اور انداز نہایت گستاخانہ تھے چوہدری دلاور جو ابھی تک خاموش کھڑا تھا صورت حال کے بگڑ جانے کے خیال سے تیزی سے آگے آیا احسن کو سمجھانے سکندر عقاب کی مانند احسن پر جھپٹا تھا اور اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے غرایا۔

"تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟ میرے بابا سے اس لہجے میں بات کرنے کی، میں تو تمہارا حشر......"

"چھوڑ دو، سکندر میں نے کہا چھوڑو اسے۔" چوہدری رب نواز نے تحکمانہ لہجے میں بپھرے سکندر سے کہا۔

"تم ذائریہ بیٹی کو لے کر گاڑی میں بیٹھو میں آ رہا ہوں ان کی ایک بھی غلط حرکت انہیں یہیں پر گولیوں سے چھلنی کر دے گی اتنے بے وقوف تو نہیں یہ کہ میرے اردگرد پھیلے مسلح گارڈ کی موجودگی میں کوئی حماقت کریں میں ان سے دو ٹوک بات کر کے آ رہا ہوں۔" چوہدری رب نواز نے سکندر کے غصے کی بناء پر اسے منظر سے غائب کرنا چاہا، باپ کے انداز پر مجبوراً سکندر نے آگے بڑھ کر بے جان ذائریہ کا ہاتھ تھاما اور باہر کی جانب کھڑی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

"ان گیدڑ بھبکیوں سے کسی اور کو ڈرانا، میں اپنی عزت، اپنی غیرت ایسے تم لوگوں کے حوالے نہیں کر سکتا نکاح نامہ کہاں ہے ان دونوں کا پہلے وہ دکھاؤ۔" احسن جو جیت کے نشے میں چور تھا یوں پانسہ پلٹ جانے پر ششدر رہ گیا تھا ذائریہ اور ذائریہ سے وابستہ جائیداد کے متعلق جو رزیل خواب اس نے دیکھے تھے یکدم چکنا چور ہو گئے تھے فتح مندی کا احساس منہ کے بل زمین پر گرا تھا اتنی آسانی سے وہ ہاتھ آیا شکار کیسے چوہدیوں کے حوالے کر دیتا اس احساس نے اسے ہر احساس سے عاری کر ڈالا تھا غصے نے اس کو سوچنے سمجھنے کی گویا صلاحیت ہی چھین لی تھی

"ہوش کر ملک احسن، صورت حال کی نزاکت کو سمجھ شام پنچائیت میں ہر چیز کا فیصلہ ہو جائے گا تو چل ابھی یہاں سے۔" ملک دلاور نے احسن کے کندھے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے اسے اصل صورت حال کا ادراک کرانا چاہا۔

"اوہ ایسے کیسے چلا جاؤں، اگر اس دوران انہوں نے ذائریہ کو غائب کرا دیا یا کچھ اور کر ڈالا پھر یا پھر نکاح نامہ ہی جعلی ہوا تو فیصلہ ہو گا ابھی ہو گا، نکاح نامہ دکھائے مجھے اس کا اور ذائریہ کو بھی بلائے وہ میرے سامنے اقرار کرے کہ اس کا نکاح تیرے بیٹے سے ہوا ہے۔"

"ملک دلاور لے جا اسے اب شام پنچائیت میں ہی ہر بات ہو گی اور تو اچھی طرح سے جانتا ہے چوہدری رب نواز زبان کا کتنا پکا ہے نکاح نامہ اصلی ہے، ذائریہ بھی پنچائیت میں آ کر اقرار کرے گی میں ہر کام قانون اور اپنے اصولوں کے دائرے میں رہ کر کرنے کا عادی ہوں اس سے پہلے کہ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور تجھے اپنے دوست کو چار کندھوں پر لے کر جانا پڑے دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" چوہدری رب نواز نے دلاور کی جانب رخ پھیرتے سخت لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے چوہدری دیکھ لیں گے پنچائیت میں احسن ان کا جھوٹ وہیں کھلے گا، چل یار چل۔" دلاور نے زبردستی احسن کو باہر کی جانب دھکیلتے ہوئے کہا، ملک دلاور ایک شاطر زمین کا مالک عیار انسان تھا اور عیار انسان کبھی بھی نڈر نہیں ہوتا جان کو خطرہ ہو تو وہ دشمن کے قدموں میں گر کر بھی اپنی جان بچانے کو ہتک نہیں گردانتا اس لئے اس نے ابھی کی صورت حال سے نکل کر صورت حال کا از سر نو سے جائزہ لینے کا سوچا اور احسن کو زبردستی اپنے ساتھ باہر لے کر آیا باہر پراڈو میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے سکندر اور ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ذائریہ کو دیکھ کر احسن کے تن بدن میں آگ لگ گئی سکندر اور احسن نے کھا جانے والی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا روتی ہوئی ذائریہ احسن کو دیکھ کر پھر سے خوفزدہ ہو گئی اور اپنی جگہ مزید سکڑ گئی دلاور احسن کو پیچھے کھڑی جیپ میں بیٹھا کر جیپ کو اپنے گاؤں کے راستے کی جانب موڑ دیا۔

"چلو بیٹا جلدی حویلی پہنچو ہمارے پاس وقت بہت کم ہے ساری باتیں وہیں پر جا کر ہوں گی۔" چوہدری رب نواز نے پیچھے بیٹھتے ہوئے جلدی سے سکندر کو مخاطب کیا اور ساتھ ہی اسے ہر سوال پوچھنے سے خاموش رہنے کا اشارہ بھی۔

پراڈو غرا کر اسٹارٹ ہوئی اور حویلی کی جانب جاتی سڑک پر تیزی سے گامزن ہو گئی اس کے پیچھے بس دھول اڑتی رہ گئی۔

☆☆☆

ذائریہ کے پاس ماسوائے نکاح نامے پر دستخط کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا رو رو کر اس کی حالت غیر ہو چکی تھی اعصاب شل ہو چکے تھے وہ بالکل بے حس اور بے جان سی ہو رہی تھی تقدیر آخر اسے ہی اتنا بے بس اور کمزور کرنے پر کیوں تلی ہوئی تھی آخر کیوں؟

چوہدری رب نواز نے حویلی آتے ہی عجیب سی افراتفری مچا دی تھی اپنے کمرے کی جانب بڑھتے انہوں نے زلیخا، سکندر اور ذائریہ کو بھی اسے کمرے میں میں بلایا تھا اور ساری صورت حال ان کے سامنے رکھ دی تھی ذائریہ کی عزت اور جان بچانے کے لئے یہ بے حد ضروری تھا کہ ان کا ذائریہ سے کوئی قانونی تعلق ہو مضبوط اور ٹھوس تعلق جسے نہ پنچائیت جھٹلا سکے اور نہ کوئی عدالت، بصورت دیگر احسن ذائریہ کا کزن اور منگیتر ثابت ہونے کی بناء پر ذائریہ کو اپنے ساتھ لے جانے پر حق بجانب ثابت ہوتا اور چوہدری رب نواز کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا اور اس کی توڑ یہی تھا کہ فوری طور پر ذائریہ کا نکاح سکندر سے کر دیا جائے ساری صورت حال واضح کر کے انہوں نے حیران، بے یقین کھڑے کمرے میں موجود ان تین لوگوں کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا بیگم زلیخا آگے بڑھی اور انہوں نے چوہدری رب نواز کے فیصلے کی تائید کی گو اکلوتے بیٹے کی شادی کے کئی ارمان ان کے دل میں تھے لیکن یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں تھا چوہدری رب نواز نے اس اور امید بھری نظروں سے بیٹے کی جانب دیکھا جو صوفے پر خاموش بیٹھا ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن ذائریہ سے اس کی مرضی پوچھ لیں۔" اتنا کہہ کر چوہدری سکندر کمرے سے نکل گیا تھا۔

"اوہ جی اوئے شیر، زلیخا تم ذائریہ سے پوچھ کر ہمیں باہر بتاؤ تا کہ مولوی اور نکاح کا انتظام جلد از جلد ہو سکے ہمارے پاس وقت ہرگز نہیں لیکن دھیان رہے ذائریہ پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں جو وہ چاہ گی ہو گا وہی۔" چوہدری رب

نواز نے اپنی بیوی کو ہدایت دیتے ہوئے کہا اور جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

ذائرہ کی مرضی نا مرضی کی کیا ہونا تھا وہ تو تقدیر کے ہاتھوں بے بس ہو چکی تھی تو چلو تقدیر کا یہ وار بھی چپ چاپ سہہ جاتی ہوں کم از کم اس درندے صفت انسان سے تو نجات حاصل ہو گی چاہے سکندر نام کا پھندا ہی گلے میں کیوں نہ ڈالنا پڑے اتنا سوچ کر ذائرہ نے رضا مندی میں سر جھکا دیا اور زلیخا جلدی سے کمرے سے باہر نکل کر چوہدری رب نواز کو ذائرہ کی ہاں کے بارے میں بتایا چوہدری رب نواز نے اپنے منشی کو نکاح خواں کی جانب دوڑایا اور سبھی انتظام آناً فاناً کر لئے گئے۔

نکاح کی تقریب میں چوہدری رب نواز کے نہایت وفادار ملازموں کے علاوہ کوئی نہ تھا جو گواہان کی صورت میں موجود تھے نکاح کی تقریب کو بے حد راز میں رکھا گیا تھا گھر کی عام ملازموں کو بھی اس کی خبر نہیں ہونے دی گئی چھٹی کرا دی گئی تھی ذائرہ نے سن ہوتے دماغ کے ساتھ نکاح نامے پر دستخط کر دیئے اس کے علاوہ ہر چہرے پر خوشی چھائی ہوئی تھی نکاح ہونے کے فوراً بعد چوہدری رب نواز اور سکندر کسی اہم کام کے لئے حویلی سے نکلتے گئے تھے زلیخا آنٹی ذائرہ کو اپنے کمرے میں لٹا کر آرام کی تلقین کر گئی تھیں کچھ دیر بعد ڈاکٹر ابراہیم کا بھی فون آ گیا چوہدری رب نواز نے انہیں فون پر تفصیل سمجھا دی تھی وہ ذائرہ کا سکندر سے نکاح پر کافی خوش اور مطمئن محسوس ہو رہے تھے انہوں نے ذائرہ کو بھی ڈھیر ساری تسلیاں دیں اور حوصلہ دلایا کہ پنچائیت میں اسے کمزور نہیں پڑنا، ان کا کہنا تھا کہ اس سے اچھا اور بہترین رشتہ ذائرہ کے لئے ہو ہی نہیں سکتا اب اس دشمن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے،

تھوڑی دیر میں ہی انکل رب نواز کمرے میں دستک دے کر داخل ہوئے زلیخا آنٹی بھی ان کے پیچھے آئی تھیں انہوں نے بتایا کہ ابھی وہ پنچائیت کے ایک دو ممبرز سے مل کر آ رہے ہیں اور ان کے کہنے پر ملک دلاور کے گھر چند بندے پنچائیت کی جانب سے پہرے کے لئے بھجوا دیئے گئے ہیں تا کہ ملک احسن فرار نہ ہو سکے وہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس فساد کو ختم کر دینا چاہتے تھے پنچائیت کے وہ خود بھی ممبر تھے مگر اس وقت وہ ایک مدعی کے طور پر خود کو پنچائیت میں پیش کر رہے تھے ذائرہ سے انہوں نے کہا تھا کہ وہ تمام واقعات کھول کر پنچائیت کے سامنے بلا جھجک بیان کر دے دادا کی وصیت اور جائیداد کے کاغذات بھی ان کے سامنے رکھ دے اور جب پنچائیت میں یہ سوال اٹھایا جائے کہ یوں اچانک خفیہ نکاح کی کیا ضرورت پیش آئی تو وہ کہہ دے کہ تین دن قبل اس نے چوہدری رب نواز کی حویلی جاتے ہوئے راستے میں ملک احسن کو گاڑی میں دیکھا تھا وہ بے حد خوفزدہ ہو گئی تھی اور جب ساری بات چوہدری رب نواز کو بتائی تو انہوں نے اسی وقت نکاح خواں بلا کر اپنے بیٹے سے نکاح پڑھوا دیا تا کہ قانونی طور پر وہ اس کے وارث قرار پائے اور ان درندوں سے بچا سکے نکاح نامے پر تین دن قبل کی تاریخ ڈلوائی گئی تھی مولوی صاحب کو تمام صورت حال بتا کر آج کے بارے میں خاموش رہنے اور تین دن قبل نکاح پڑھوانے کا سمجھا دیا گیا تھا کسی کی جان بچانے کے لئے بولے جانے والا جھوٹ واجب اور جائز ہوتا ہے مولوی صاحب کو اس کا با خوبی ادراک تھا انہوں نے گواہی میں تین دن قبل نکاح پڑھانے کے بارے میں بتانے کا یقین دلایا تھا اس کے علاوہ چوہدری رب نواز نے اپنا ایک خاص بندہ ذائرہ

کے گاؤں یعنی تایا عالم کو بلوانے کے لئے بھی بھجوا دیا تھا گو سفر زیادہ تھا مگر شام تک وہ پنچائیت میں پہنچ ہی جاتے ساتھ ہی انہوں نے اپنے دور پرے کے رشتے میں بھانجے ڈی ایس پی کو بھی بلا بھیجا تھا تا کہ قانونی کارروائی پوری طرح سے مکمل ہو سکے اتنے قلیل عرصے میں چوہدری رب نواز نے مکمل بندوبست کر لیا تھا ان کی پھرتی اور منصوبہ قابل رشک اور قابل قدر تھا پھر وہ وقت بھی آ گیا جب ذائرہ کو پراڈو میں بیٹھا کر پنچائیت کے سامنے لے جایا گیا وہ اندر سے بے حد نروس ہو رہی تھی آنٹی زلیخا نے گھر سے نکلتے وقت بہت سی آیات پڑھ کر پھونکیں تھی اس پر اور بے حد حوصلہ دلایا تھا جتنی بہادری سے وہ اب تک نامساعد حالات کا سامنا کرتی آئی ہے اب وہ وقت آ گیا ہے جب اپنے حوصلے اور مضبوط رویے سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ملک احسن سے نجات حاصل کر سکتی تھی بس اسی احساس نے اس کو اپنے قدموں پر کھڑا کر رکھا تھا چوہدری رب نواز پہلے سے ہی پنچائیت میں موجود تھے تمام واقعات کی تفصیل بیان کی جا چکی تھی گواہوں کی گواہی بھی ہو چکی تھی چوہدری سکندر خود ذائرہ کو لینے آیا تھا سارا راستہ خاموشی اور بے ربط سوچوں سے الجھتے گزرا تھا پنچائیت میں آ کر اس نے وہ سب کچھ کہہ ڈالا تھا جو چوہدری رب نواز نے اسے سمجھایا تھا بڑی سی چادر میں اپنے وجود کو چھپائے جس کا سرا قدرے چہرے پر بھی سرکایا گیا تھا وہ من و عن وہ سب کچھ بولتی چلی گئی جو اس کے ساتھ پرسوں رات سے بیتا تھا چوہدری صاحب کے سمجھانے پر اپنی زندگی کے پہلے دلخراش واقعات قصداً اس نے چھپا لئے تھے کیونکہ بہت زیادہ تفصیل بات کو الجھا دے گی اور احسن اس موقع کا فائدہ اٹھا کر کیس کمزور کرنے کی کوشش کرے گا چونکہ ملک احسن نے دیہی مرکز صحت میں آ کر بذات خود غرور اور طاقت کے زعم میں اقرار کیا تھا کہ رات کو ذائرہ کو اٹھانے کے لئے انہوں نے ہی بندے بھجوائے تھے اس بات کی گواہی کے طور پر چوہدری رب نواز اور سکندر موجود تھے ملک احسن کا بے جا غرور اسے لے ڈوبا تھا اس کا خیال تھا کہ بازی وہ جیت چکا ہے اور اب اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تایا عالم اسے کہیں نظر نہیں آئے تھے شاید ان میں اپنی شکست کا سامنے کرنے کا حوصلہ نہیں تھا انہوں نے یہاں آنے سے انکار کر دیا ہو گا۔

ملک دلاور اور ملک احسن مجرموں کی طرح پنچائیت میں سر جھکائے موجود تھے یقیناً اندر سے وہ بے حد تلملا رہے ہوں گے مگر اب بے بس بیٹھے تھے ذائرہ کی گواہی کے بعد پنچائیت کے ممبرز نے آپس میں صلاح مشورہ قدرے فاصلے پر جا کر کیا اور پھر ایک ممبر نے آ کر فیصلہ ذائرہ کے حق میں آ کر سنا دیا چونکہ اب ذائرہ سکندر کی بیوی تھی لہٰذا ملک احسن کا اس پر کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں تھا اور اس کا ذائرہ کو اپنی منگ بتانا بھی ثابت نہیں ہوا تھا یہ ساری پلاننگ ہی ذائرہ کی جائیداد کے لئے کی گئی تھی یہ بات واضح ہو گئی تھی اور اب ذائرہ اس زمین کا کیا کرتی ہے یہ اس کی مرضی اور رات کو ذائرہ کو اغواء کرانے کا منصوبہ اور فضلو پر گولی کا مقدمہ ڈی ایس پی کے حوالے کر دیا گیا تھا ڈی ایس پی نے اکڑتے ملک احسن اور ملک دلاور کو جیپ میں بٹھایا اور پولیس گارڈ کے ساتھ شہر روانہ ہو گیا تھا، تھانے میں ان کے خلاف پرچہ کٹوا دیا گیا تھا چوہدری رب نواز کی طرف سے کرسی پر سر جھکائے بیٹھی ذائرہ کو آگے بڑھ کر چوہدری سکندر نے باپ کے اشارے پر ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور ہاتھ پکڑے ہی گاڑی میں جا

بٹھایا تھا شام گہری ہو چکی چوہدری رب نواز سب
سے مل کر خود بھی گاڑی میں آ بیٹھے اور گاڑی حویلی
کی جانب بڑھ گئی۔
حویلی پہنچتے ہی زلیخا آنٹی، ذائریہ کو جلدی
سے اپنے کمرے میں لے آئیں اور نیم گرم دودھ
پینے کو دیا تاکہ وہ کچھ تو توانائی محسوس کر سکے کیسے
لٹھے کی مانند چہرے کی رنگت ہو رہی تھی سارا خون
نچڑ کر رہ گیا تھا بچی کا انہوں نے ہمدردی سے سوچا
اور بے حد اصرار پر ذائریہ بمشکل دودھ کا گلاس پی
سکی آنٹی زلیخا نے دودھ میں نیند کی گولی ملائی
ہوئی تھیں کہ ذائریہ ایک بھرپور پرسکون نیند لے
سکے تاکہ سب کے تناؤ کا شکار اس کے اعصاب پر
سکون ہو جائے ورنہ دل و دماغ کا بوجھ اسے بیمار
ہی نہ کر ڈالے اور واقعی کچھ دیر بعد ذائریہ گہری
نیند میں ڈوب گئی تھی آنٹی زلیخا اس کے ماتھے پر
نرمی سے بوسہ دے کر کمرے کی لائٹس وغیرہ بجھا
کر اس پر چادر اوڑھا کر خاموشی سے باہر نکل آئی
تھیں جہاں لاؤنج میں دیہاتی حصے میں چوہدری
رب نواز چارپائی پر حقہ پینے میں مشغول تھے،
ساتھ پاس ہی کرسی پر سکندر بھی چپ چاپ بیٹھا
تھا آنٹی زلیخا نے ذائریہ کے سونے کا بتایا اور ان
دونوں کے چہروں پر اطمینان کے آثار نمودار
ہوئے سکندر بھی اپنے کمرے میں آرام کرنے کی
نیت سے اٹھ کھڑا ہوا کل سے مسلسل وہ بھاگ
دوڑ میں تھا ہسپتال سے دوپہر کو فون آیا تھا کہ فضلو
اب خطرے سے باہر ہے یاد آنے پر وہ واپس پلٹا
اور ماں باپ کو یہ خبر پہنچائی جس پر انہوں نے
رب کا شکر ادا کیا۔
''تو جا پتر آرام کر تیرے زخم ابھی کچے ہیں
تجھے آرام کی ضرورت ہے اللہ سب اچھا ہی
کرے گا۔'' زلیخا نے آگے بڑھ کر سکندر کے
کندھے پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور
چہرہ موڑ کر آنکھوں میں آئی نمی کو چھپانے کی
کوشش کی کتنے ارمان تھے ان کے اپنے گھبرو
جوان بیٹے کی شادی کے پر حالات نے کوئی بھی
ارمان پورا ہونے کا موقع نہ دیا۔
سکندر ابھی چال کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتا
اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا اور نیچے کھڑی زلیخا
اور بیٹھے چوہدری رب نواز کے ذہن میں آنے
والا وقت نہ جانے کس کروٹ بیٹھے کی سوچ در آئی
تھی اور وہ دونوں بس خاموش سی نظریں ایک
دوسرے سے چار کر کے رہ گئے۔

☆☆☆

اور وقت یہ کروٹ لے گا یہ تو ان دونوں
نے سوچا ہی نہ تھا اگلی رات کو جب چوہدری سکندر
ذائریہ کا ہاتھ تھامے غصے سے ان کے کمرے میں
آیا اور جو کچھ دلہن بنی ذائریہ نے کچھ لمحے پیشتر
اس سے کہا تھا من و عن سنایا تو جہاں زلیخا اور
چوہدری رب نواز اپنے جگہ چپ بیٹھے رہ گئے
وہاں ذائریہ بھی اپنی جگہ شرمندہ کھڑی رہ گئی اسے
سکندر پر بے تحاشہ غصہ آیا جس نے اسے یوں
انکل آنٹی کے سامنے شرمسار کر ڈالا تھا احساس
توہین سے اس کے گال دہک اٹھے اور اپنی بے
بسی پر اسے پھر سے رونا آنے لگا۔
''تو ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے وہ یہ تو اس کی
سعادت مندی ہے جو اس نے میری خواہش کا
احترام کیا اور تو بغیر سوچے سمجھے غصہ نہ کرنے لگا کر
گھر بار والا ہو گیا ہے اپنے غصے پر قابو پا۔'' آنٹی
زلیخا نے ذائریہ کو پیار سے کندھوں سے تھام کر
اپنے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بات کا آغاز کیا اور مڑ
کر پھر سے سکندر کو بھی لتاڑا۔
''کل آپ نے مرضی نہیں تھی پوچھی ان
سے ان کی بات کا مطلب تو یہی ہے ناں کہ یہ
ایک مجبوری کا رشتہ ہے اور سکندر نے کبھی کسی کی

مجبوری کا فائدہ اٹھایا ہے اور نہ مجبور رشتہ قائم کیا
ہے۔'' سکندر نے تلخ روئی اختیار کی۔
ذائریہ کا سر مزید اس کی بات سن کر جھک
گیا، ''اور وہ جو شانی کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جا
رہا تھا ابھی تمہارے ماں باپ کے سامنے
تمہارے کرتوت کھول دوں تو ساری اکڑ نکل
جائے پر بیٹے کے سامنے مجھ بے بس کو کون مانے
گا یہی سمجھے گے کہ خود کو بچانے کے لئے ان کے
بیٹے پر الزام لگا رہی ہوں۔'' غصے اور بے بسی کے
ملے جلے احساسات نے خاموش بیٹھی ذائریہ کو
گھیر رکھا تھا۔
''بس بیٹا بس، حوصلہ، میرے خیال میں تو
ذائریہ نے کوئی غلط یا انہونی بات نہیں کی وہ جن
حالات میں تمہاری بیوی بنائی گئی ہے اس سے تم
اچھی طرح واقف ہو اگر نئے رشتے کو قبول کرنے
اور سمجھنے میں اسے مشکل پیش آ رہی ہے تو کیا تمہارا
یوں غصہ کرنا اس کی مشکل میں اضافہ نہیں کر رہا
مجھے اپنے ذہن، سمجھدار بیٹے سے ایسی بے وقوفی
کی امید تو نہیں تھی۔'' چوہدری رب نواز نے
سکندر کو سمجھاتے اور اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی
کوشش کرتے ہوئے کہا۔
''تو پھر آپ دونوں ہی سنبھالئے اپنی بہو
صاحبہ کو اور جب ان کا دل و دماغ اس نئے رشتے
کو قبول کرے جس کو استوار کرنے کے لئے
انہوں نے بقائمی ہوش و حواس نکاح نامے پر دستخط
کیے ہیں تو مجھ الو کے کاٹھ کو اطلاع دے دیجئے
گا۔'' اتنا کہہ کر سکندر غصے سے کمرہ سے نکل گیا
دونوں اپنی جگہ پر چور سے بن گئے تھے وہ سکندر
کے ماں باپ تھے اس کے احساسات کو سمجھ رہے
تھے پہلی ہی سہاگ رات مرد کو ٹھکرایا جانا اس کی انا
پر کاری ضرب تھی وہ جتنا ردعمل دیتا کم تھا پر شاید
ذائریہ کو یہ بات نظر آئی تھی اور نہ سمجھ بیوی بن کر
وہ اس کے حقوق ادا کرنے سے انکاری تھی لیکن
وہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ اس وقت ذائریہ
کو سمجھانا گویا اپنی طرف سے بدگمان کرنا ہے وہ
خود کو اس جگہ پر ہمیشہ اجنبی اور تنہا سمجھے گی اس
لئے دونوں میاں بیوی نے اس مسئلے پر خاموش
رہنے کا نظروں ہی نظروں میں اشارہ کیا اس کا
ساتھ دینا ہی اس کا یقین جیتنا تھا۔
''میں دیکھتا ہوں اس گدھے کو۔'' چوہدری
رب نواز اتنا کہہ کر اپنے کمرے سے نکل گئے اور
انکل نواز کے سامنے ایسی بات کے عیاں ہونے
کے خیال سے ذائریہ بے حد شرمسار ہو گئی اور بے
بسی سے رو پڑی۔
''آنٹی وہ...... وہ یوں انکل کے سامنے یہ
بات کرے گا میں نے سوچا بھی نہ تھا انکل کیا
سوچیں گے، میں تو ان کا سامنا ہی نہیں کر پاؤں
گی اور آپ کیا سوچیں گیں میرے بارے میں،
اسے...... اسے یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا، میں
کبھی معاف نہیں کروں گی، سب کے سامنے
ذلیل کر کے رکھ دیا۔'' روتی ہوئی ذائریہ کے بسور
کے کہنے پر زلیخا کو بے تحاشہ اس پر پیار آیا تھا
سادہ سی بنی دلہن کے روپ میں اس کا سوگوار حسن
بے حد نمایاں ہو رہا تھا۔
''کوئی کچھ نہیں سوچے گا بلکہ ہم دونوں
تمہارے ساتھ ہیں، میں تمہارے احساسات کو
سمجھ سکتی ہوں ہاں اگر تم یہ بات مجھے دلہن بننے
سے پہلے کہہ دیتی تو یوں اسے ہنگامے مچانے کا
موقع نہ ملتا میں آرام سے اسے تمہارے تمام
جذبات سمجھا دیتی، بس بیٹا یہ رات ہر مرد کی زندگی
کی اہم اور خاص رات ہوتی ہے اور بیوی اسے
یوں ٹھکرائے تو غم و غصے سے وہ پاگل ہو اٹھتا ہے
ہر بات فراموش کر جاتا ہے بس اپنی مردانہ انا پر
پڑنے والی ضرب کی شدت سے غصے سے بلبلا

اٹھتا ہے اور یہی حال سکندر کا ہے دھیرے دھیرے اس کا غصہ اتر جائے گا، ساری رات اس کی سمجھ میں آ جائے گی، تم فکر مت کرو، کوئی بھی بات تمہاری مرضی یا مزاج کے خلاف نہیں ہوگی، ابھی تم آرام سے ادھر ہی سو جاؤ، میں ذرا اسے دیکھ لوں، باقی باتیں صبح ہوگیں انشا اللہ ہر فکر ہر سوچ کو جھٹک کر بس آرام سے سو جاؤں تم میری بیٹی کی طرح نہیں بلکہ بیٹی ہو، بہو بعد میں ٹھیک ہے، شاباش میری دھی، آرام سے سونے کی کوشش کرو، اللہ سب ٹھیک کرے گا انشا اللہ۔" بے حد سبھاؤ سے بات سمجھا کر اور پیار کر کے آنٹی زلیخا کمرے کی لائٹ آف کر کے زیرو پاور کا بلب جگا کر کمرے کا دروازہ آرام سے بند کر کے باہر چلی گئیں۔

"یقیناً ان کا رخ سکندر کے کمرے کی طرف ہی ہوگا نہ جانے وہ لوگ آپس میں میرے متعلق کیا باتیں کریں گے وہ جاہل گوار انسان اتنی سی بات چھپا نہیں سکتا تھا الٹا مجھے انکل آنٹی کے سامنے سرمندہ کر ڈالا اور میں نے اسے کہا ہی کیا تھا۔" بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے ذائریہ نے سوچا اور پھر چند لمحے قبل اسی کمرے کا منظر اس کی بند آنکھوں کے پیچھے جاگا جہاں پر اس کے منہ سے نکلی بات سن کر سکندر آتش فشاں بن بیٹھا تھا۔

☆☆☆

وہ تو بس ہر احساس سے عاری ہو کر رہ گئی اگلی شام کب کس نے اسے سجایا اور سکندر کے پھولوں سے آراستہ کمرے لا بٹھایا اسے جیسے کچھ ہوش ہی نہ تھا وہ تو بے جان کٹھ پتلی بن کر رہ گئی تھی جو کوئی جدھر دوڑی ہلا رہا تھا ادھر سے ہل رہی تھی۔

ہوش تو اسے سکندر کے کمرے میں لگے قد آدم آئینے میں اپنا سجا سنورا روپ دیکھ کر آیا تھا فریش گرین بوٹل کے اوپر گولڈن دبکے کے کام والا سوٹ زیب تن کیے اور قدرے سنورا سا روپ اسے یکدم ہوش کی دنیا میں لے آیا تھا یکدم اس کے اندر ابال اٹھنے لگا تھا اسے لگا جیسے چوہدری سکندر کے روپ میں ملک احسن نے اسے فتح کر لیا اور اب اپنی فتح کا جشن منانے کے لئے وہ کمرے میں آنے ہی والا ہے وہ اسے کبھی فتح کا جشن نہیں منانے دے گی اپنے منتشر ہوتے خیالات کو بدقت سنبھالتے اس نے مصمم ارادہ کیا تبھی سکندر کمرے میں داخل ہوا تو ہر قسم کے ڈر اور شرم کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دو ٹوک انداز میں اپنا ارادہ ظاہر کر دیا اور سکندر اتنا سن کر بپھرا ہوا سا اس کے سر پر آن پہنچا تھا۔

"کیا کہا تم نے؟" اس کے لہجے سے غصہ اور حیرت دونوں ہی نمایاں تھیں۔

"میں نے کہا چوہدری سکندر، مجھے یہ تعلق قبول نہیں، حالات سے مجبور ہو کر میں نے نکاح نامے پر دستخط تو کر دیئے مگر تمہیں اپنا شوہر ہرگز قبول نہیں کیا، دنیا کی نظر میں ہم میاں بیوی رہیں گے مگر اس کمرے میں دو اجنبی اور بس...... اور اگر تم نے زبردستی اپنا حق مجھ سے لینا چاہا تو میرے جسم تک تو رسائی حاصل کر لو گے مگر دل تک کبھی نہیں...... اور ویسے بھی میں تمہیں اپنا شوہر ہی تسلیم نہیں کرتی تو میاں بیوی کے رشتے کا کیا سوال اور اگر پھر بھی تم نے میرے ساتھ زبردستی کی تو میں سمجھوں گی کہ میں ایک ہوس پرست انسان کے ہاتھ اپنی عزت......"

"بس......!" سکندر دھاڑا تھا۔

"ذائریہ بی بی میں منافقانہ زندگی گزارنے کا عادی نہیں اور جن خیالات کا اظہار تم میرے سامنے کر چکی ہو اس کے بعد تمہیں چھونا تو در کنا اس حوالے سے نظر ڈالنا بھی میں اپنی توہین سمجھتا ہوں اب جب تک تم اس رشتے کو دل و جان سے قبول نہیں کرتی تب تک میرے کمرے میں مت آنا۔" اتنا کہہ کر سکندر نے ذائریہ کا بازو دبوچا اور اسے غصے میں اپنے ساتھ لئے اپنے والدین کے کمرے میں لا کھڑا کیا اور ذائریہ کے خیالات ان تک پہنچا دیئے اور پھر اسی غصے میں تن فن کرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

ذائریہ نیند سے بیدار ہو چکی تھی، سر بے حد بوجھل اور طبیعت پر کسلمندی چھائی ہوئی تھی کام والے ریشمی سوٹ نے الگ اسے بیزار کیا ہوا تھا عجیب سی وحشت ہو رہی تھی اسے ہر چیز سے، اول روز کی بیزاریت اور اکتاہٹ پھر اس کی طبیعت پر حاوی ہونے لگی تھی جبھی آنٹی زلیخا چھوٹی سی ٹرے تھامے کمرے میں داخل ہوئیں، ٹرے میں جیم لگے دو عدد توس اور فریش پائین ایپل جوس تھا۔

"اٹھ گئی میری دھی رانی! لو پہلے اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ باقی باتیں بعد میں، یہ ساتھ ہی اٹیچڈ باتھ ہے تمہاری طبیعت کے بوجھل پن کی وجہ سے میں بالکل ہلکا پھلکا ناشتہ لائی ہوں، یہ ناشتہ کر کے تم بہتر محسوس کرو گی۔" زلیخا آنٹی نے مستقل بولتے ہوئے ٹرے کو سائیڈ ٹیبل پر دھرتے ہوئے ذائریہ سے کہا اور ذائریہ ان کی محبت پر شرمندہ ہو کر رہ گئی۔

"آنٹی آپ نے کیوں تکلیف کی میں......"

"اوں ہوں جاؤ پہلے منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کرو پھر باقی باتیں۔" آنٹی زلیخا نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے نرمی سے ٹوکتے ہوئے کہا اور ذائریہ چار و ناچار ان کے کہے پر عمل کرنے پر مجبور ہو گئی۔

"اب پہلے تو تم اپنا کمرہ اوپر پسند کر تو تو پھر میں ملازمہ سے کہہ کر اسے سیٹ کروا دوں کافی وقت لگ جائے گا اس میں اس دوران تم یہاں پر آرام کرنا چاہتی ہو تو کرو یا پھر باہر لان میں چلی جاؤ جیسے تمہارا جی چاہے۔" چھوٹے چھوٹے جوس کے سیپ بھرتی ذائریہ کو پیار سے دیکھتے آنٹی زلیخا نے کہا۔

"آنٹی آپ بالکل میری ماما جیسی ہیں انہوں کو بھی معلوم ہو جاتا تھا کہ رات میں ٹسٹ کی تیاری میں بہت مصروف اور ٹینس رہی ہوں اس روز وہ ہمیشہ میرے لئے پائن ایپل جوس، بریڈ وغیرہ کا ناشتہ لاتی تھیں تا کہ میری بوجھل طبیعت ایک دم فریش ہو جائے اور میں ناشتہ نہ کرنے کا کوئی بہانہ بھی تلاش نہ کر سکوں اور پھر اسی پیار کے ساتھ میرے سامنے بیٹھ کر مجھے ناشتہ کروایا کرتی تھیں۔" اتنا کہہ کر ذائریہ کی آواز بھرا گئی اور آنسو اس کی پلکوں کی باڑ توڑ کر باہر نکل آئے۔

"میں صدقے میری بچی میں بھی تو تمہاری ماں ہی کی طرح ہوں اور سب مائیں ایک ہی جذبے سے تخلیق پاتی ہیں ممتا کے بھرپور جذبے سے اس لئے سبھی مائیں ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں، میں تمہارے دکھ کو سمجھ سکتی ہوں مگر اس طرح رو کر تم ان کی روحوں کو بے چین مت کرو جب بھی دل ان کی یاد سے بے تاب ہو پہلا کلمہ اور درود ابراہیمی پڑھا کرو اللہ دل کو ڈھارس اور صبر دے گا تمہیں بس اب رونا بند مجھے تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں چلو شاباش رونا نہیں اب۔" آنٹی زلیخا نے ذائریہ کو گلے لگاتے، اس کی ڈھارس بندھاتے اس کے آنسو اپنے ہاتھ سے پونچھے اور توجہ بٹانے کے لئے بات کرنے کی ٹھانی ورنہ وہ اس موضوع کو ابھی چھیڑنا نہیں چاہتی تھیں۔

"آنٹی میں بے حد ندامت محسوس کر رہی ہوں اتنے مشکل وقت میں آپ لوگوں نے میرا ساتھ دیا، آپ نے اتنی بڑی قربانی دی میری خاطر، اس ایک دو دن کی ملاقات میں ہی میرے

دل میں آپ اور انکل کے لئے بے حد عقیدت اور محبت کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں، میں احسان فراموش بھی نہیں ہوں، آپ کے حکم پر میں اپنی جان بھی دے سکتی ہوں، مما بابا کے بعد آپ وہ ہستیاں ہیں جن کی موجودگی میں مجھے تحفظ کا احساس ہوتا ہے لیکن آنٹی میرا دل و دماغ اس نئے تعلق کو قبول نہیں کر پایا میں اس معاملے میں خود کو بے بس محسوس کر رہی ہوں، آپ لوگوں نے میرے لئے اتنا کچھ کیا ان ظالموں سے نجات کا بہترین حل تلاش کیا اور اب یہی حل مجھے الجھا رہا ہے، میں...... میں کیسے آپ کو بتاؤں کہ......''

''تمہیں کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں، تمہاری اچھی تربیت تمہاری خراج روشن پیشانی پر واضح نظر آتی ہے، تمہیں تو پہلی نظر میں ہی میرے دل نے بہو کے طور پر پسند کر لیا تھا اور تمہارا سکندر کا رشتہ یوں تقدیر میں ہونا لکھا تھا سو ہو گیا اور یہ صرف تمہاری تقدیر میں تو ہی نہیں لکھتا یہ تو سکندر کی بھی تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا، اس میں تم اپنی تقدیر کو دوش نہیں ٹھہرا سکتی یہ تو وہ تقدیروں کا ملاپ ہے۔'' آنٹی زلیخا نے ذائریہ کی بات کاٹتے ہوئے اسے سمجھانے کا آغاز کیا اور ذائریہ ان کے فلسفے پر چونک کر حیران ہو کر ان کی جانب دیکھنے لگیں۔

''ایسا کیا میری طرف دیکھ رہی ہو؟'' آنٹی زلیخا نے اس کی حیرت کو پڑھتے ہوئے دھیمے سے ہنستے ہوئے کہا۔

''آنٹی آپ تو گاؤں کی، میرا مطلب ہے ایک دیہاتی ماحول......'' ذائریہ اپنی بات کے لئے مناسب الفاظ نہ ملنے پر چپ ہو گئی اور پہلی ملاقات سے لے کر اب تک جو کچھ ان کے بارے میں حیرت کا اظہار کرنا چاہتی تھی جھجک کر نہ کر پائی۔

''میں سمجھ گئی تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں ایک ان پڑھ، دیہاتی سی عورت اتنی گہری باتیں کیسے کر لیتی ہوں ہے ناں۔'' زلیخا نے مسکراتے ہوئے ذائریہ سے تصدیق چاہی۔

''جی وہ...... اور آپ کا لہجہ بھی دیہاتی نہیں آئی مین کافی صاف اردو ہے آپ کی۔'' ذائریہ کو ان سے پہلے دن کی ملاقات سے جو حیرت ہوئی تھی اس کا جھجکتے ہوئے اظہار کیا۔

''اس کی وجہ یہ ہے بیٹا جی کہ میں گاؤں کی پروردہ نہیں ہوں اصل میں...... میں چوہدری صاحب کے چچا کی اکلوتی بیٹی ہوں اور ابا شروع سے ہی شہر میں رہتے تھے ایک حکومتی ادارے میں بڑے اچھے عہدے پر فائز تھے، میری اماں اور میری خالہ جو بعد میں میری ساس بھی بنیں اسی گاؤں کی تھیں میرے ابا جی کی پھپھو کی بیٹیاں تھیں تب ذاب برادری میں ہی رشتے طے ہو جاتے تھے، میری اماں اور ساس ان پڑھ ضرور تھیں مگر جاہل ہرگز نہیں، میں نے بی اے تک تعلیم حاصل کی اپنے زمانے میں میرے تایا جی کو تعلیم سے بہت لگاؤ تھا پھر انہی کے بیٹے سے میری شادی ہو گئی یہ اپنے ماں باپ کے ایک ہی بیٹے ہیں اور ایک ان سے چھوٹی بہن جو بیاہ کر دوبئی چلی گئیں ان کا بہت بھرا پرا سسرال کافی عرصے سے وہی سیٹل ہے سویرا بھی انہی کی بہو ہے، میری ساس نے مجھے یہاں کے ماحول میں رچنے بسنے میں بہت مدد اور رہنمائی کی۔'' آنٹی زلیخا نے ذائریہ کی حیرت دور کرتے ہوئے اپنے خاندان کے بارے میں بتایا۔

''اوہ تبھی، لیکن آنٹی پلی بڑھی تو شہر میں ہی ناں، شہری آرام وہ زندگی چھوڑ کر یہاں گاؤں کے بالکل مختلف ماحول ان پڑھ، جاہل لوگوں کے درمیاں مشکل زندگی گزارنا بہت کٹھن نہیں تھا اور

پھر یہ لوگ تو دوسروں کی تعلیم کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔'' ذائریہ نے پوچھا۔

''ارے نہیں میں تو بچپن سے ہی یہاں پر آتی جاتی تھی شہر کی افراتفری والی زندگی کی نسبت شروع سے میرا دل گاؤں کے پرسکون اور سادہ مزاج لوگوں کے درمیان لگتا تھا، ہمارا دادا اپنے زمانے کے پڑھے لکھے انسان تھے انہوں نے اپنے بچوں کو بھی تعلیم حاصل کرنے کا شوق منتقل کیا انہوں نے انگلش میں ماسٹر کیا ہمارے بچوں نے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی سویرا نے سوشیالوجی میں ڈگری لی اور سکندر نے ولایت سے جا کر زراعت میں اعلیٰ ڈگری حاصل کی زمین داری اس کی رگوں میں دوڑتی ہے اور اپنے شعبے میں ترقی کرنے کے لئے اس نے یہ ڈگری حاصل کی آج وہ اپنی زمینوں پر کاشت کاری کو اپنی تعلیم کو استعمال کر کے کر رہا ہے اور فروغ دے رہا ہے۔'' ذائریہ آنٹی زلیخا کے انکشاف پر چونکی۔

''خیر یہ باتیں تو ہوتی ہی رہے گیں اصل بات جو مجھے تم سے کرنی ہے وہ یہ ہے کہ تم جن حالات سے دوچار ہوئی ہو ہم ان سے بخوبی واقف ہیں اور ایسے حالات میں اپنے اور سکندر کے رشتے کو قبول نہ کر پانا تمہارا ایک فطری ردعمل ہے تمہیں اس پر شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں آج سے تم اس گھر میں صرف سکندر کی منکوحہ بن کر ہی نہیں بلکہ ہماری بیٹی بن کر رہو گی اور مجھے امید ہے کہ بہت جلد اس ماحول سے مانوس ہو کر تمہارا دل اس نئے اور خوبصورت رشتے کو قبول کرے گا مجبوری کا بندھن زیادہ عرصہ چلتا نہیں ہمیں تمہاری صاف گوئی بے حد پسند آئی اور تمہارے دانشمندانہ عمل پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہاں جب تم اس نئے رشتے کو دل و جان سے قبول کر لو گی تو تب ہی ولیمے کی تقریب منعقد

کی جائے گی۔'' آنٹی زلیخا نے اتنا کہہ کر کچھ لمحے تامل کیا اور پھر بے حد سنجیدہ لہجے میں اپنی بات بڑھائی۔

''اور اگر تم اس بندھن سے ناخوش ہو تو تم پر کوئی جبر نہیں تم مجھے بلا جھجک بتا دو اگر اس تعلق کو ختم کرنا ہے تو بھی میں اسے سکندر کے نصیب کی بدنصیبی ہی سمجھوں گی مگر اس سلسلے میں تم پر کوئی جبر نہیں تمہارے انکل کا بھی یہی خیال ہے۔''

''نہیں آنٹی میں اتنی بھی احسان فراموش نہیں، کیا میں نہیں جانتی ایسا کرنے سے آپ کو کس مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر اس گھر میں میری مضبوط حیثیت کا تعین تو یہ تعلق ہی کرتا ہے ناں میں بس ابھی ذہنی طور پر خود کو اس قابل نہیں سمجھتی اور پھر آپ لوگوں کو چھوڑ کر میں جاؤں گی بھی کہاں اب بس کاغذی طور پر نام کے آگے ان کا نام لگا رہنے دے میرے لئے اتنا کافی ہے اور وہ چاہے تو دوسری شادی کرے مجھے کوئی اعتراض نہیں میں شاید ہی خود کو ان کی بیوی کے طور پر راضی کر پاؤں، آپ ان کی دھوم دھام سے دوسری شادی کر دیں مجھے کوئی اعتراض نہیں بے شک مجھ سے راضی نامے پر سائن کروا لے۔'' ذائریہ نے جلدی سے بات کو ایک انجام پر پہنچاتے ہوئے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''پگلی یہ کیا بات کی تم نے اللہ خیر رکھے تم ہی اس حویلی کی اکلوتی بہو بنوں گی بلکہ ہو بس وقت تم سے خود ہی اچھا فیصلہ کروا لے گا ہمیں اس کا یقین ہے اور آگے کی آگے دیکھی جائے گی تم یہ سب فکریں چھوڑ دو اور آرام سے اور حق سمجھ کر اس حویلی میں رہو سمجھی۔'' آنٹی زلیخا نے اس کی بات پر سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ ایسا تو کبھی ہو گا کہ میں اس جاہل گنوار کی بیوی بننا قبول کر لوں جس میں مجھے ملک

احسن کی جھلک نظر آتی ہے۔" ذائریہ نے دل میں نفرت سے سوچا اور چپ رہی۔

"چوہدرانی جی منشی صاحب آئے ہیں ولیمے کے انتظامات کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔" ملازمہ نے اندر آکر اطلاع دی۔

"وڈے چوہدری کیتھے نیں (بڑے چوہدری کہاں ہیں؟)۔" آنٹی زلیخا نے خالص پنجابی لہجے میں نوکرانی سے استفسار کیا اور ذائریہ کو ذرا بھی نہ لگا کہ ابھی چند لمحے پیشتر آنٹی اتنی صاف اردو بول رہی تھیں اب ان کا لہجہ صاف پنجابی لہجہ تھا ذائریہ ان کے انداز پر مسکرا کر رہ گئی۔

"وہ تو جی پیچھے حویلی یا ڈیرے پر گئے ہیں اسی لئے منشی جی آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"ابھی ولیمہ تہیں کرنا سویرا دوبئ سے آ جائے تو پھر دیکھتے ہیں کہہ دے ان سے۔" زلیخا نے ملازمہ سے کہا۔

"اچھا سن میں خود ہی انہیں جا کر بتاتی اور سمجھاتی ہوں تو جا کر اوپر کے کمروں کی صفائی کر اور بہو رانی جس کمرے کو سیٹ کرنے کا کہیں اس کی اچھی سی صفائی کروا باقی کا کام میں خود آ کر دیکھتی ہوں، بیٹا اوپر جا کر کمرہ پسند کر کے اسے بتا دینا۔" آنٹی زلیخا نے ملازمہ کو روکتے اور دوسری ہدایت جاری کرتے ہوئے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی ذائریہ کو بھی تلقین کی اور اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے نکل گئیں۔

ذائریہ سینے سے لمبا سانس خارج کر کے رہ گئی اور پھر کچھ دیر بعد کمرہ اور اپنا سامان چیک کرنے باہر کی جانب بڑھ گئی وہ اس سوٹ سے جلد از جلد نجات حاصل کرنا چاہتی تھی سامان میں اپنا کوئی دوسرا سوٹ نکال کر ایک اچھا سا شاور لے کر وہ پرسکون ہونا چاہتی تھی لیکن سکون تو اب اس کے نصیب میں تھا ہی نہیں سکندر نامی تلوار تو اب تمام عمر اس کے سر پر جو لٹکی رہتی تھی وہ تلخی سے سوچ کر رہ گئی۔

☆☆☆

اوپری منزل پر اسے سکندر کے کمرے کے مقابل بالکل دوسرے کونے کا کمرہ پسند آیا تھا بڑا ہوادار اور کشادہ بالکل اس کے اپنے گھر کے کمرے جیسا کمرہ کی ایک کھڑکی باہر ڈریم گارڈن میں کھلتی تھی جس کے آگے چھوٹی سی بالکونی بھی تھی، تو دوسری اندرونی پرانی حویلی میں جسے دیوار کر کے بیرونی حویلی یا کوٹھی سے الگ کر لیا گیا تھا اور رابطے کے لئے ایک دروازہ موجود تھا بیرونی حویلی پکے فرش کی بنی ہوئی تھی خالص دیہاتی انداز کے دو کمرے اور پھر ذرا آگے جا کر جانوروں کا باڑہ پورا ڈیری فارم ہی تھا جس پر کشادہ صحن میں بیٹھے آرام سے نظر رکھی جا سکتی تھی بالکل دیہاتی کلچر کی عکاسی ہوتی تھی یہاں پر ہینڈ پمپ، ٹیوب ویل، چارہ کاٹنے والا ٹوکا اور پھر بڑا سا گیٹ باہر کی جانب کھلتا تھا جہاں سے دور تک پھیلے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا ٹریکٹر ٹرالی کا گیراج بھی یہی موجود تھا جیسے ہی دروازہ عبور کر کے اندر داخل ہوتے ایک صاف ستھرا پکا فرش جس کی ایک سائیڈ پر دو کمرے تھے جو شاید گودام وغیرہ کے لئے استعمال ہوتے ہوں گے آگے ان کے برآمدہ تھا جن میں بڑے بڑے بڑولے رکھے گئے تھے گندم کے دانے محفوظ رکھنے کے لئے پھر ایک چبوترہ تھا جس کے اردگرد سیمنٹ کی جالی نما چھوٹی سی دیوار تھی اس کے اندر سیمنٹ اور مٹی کے بنے دیہاتی طرز کے چولہے نصب کیے گئے تھے جن میں اپلے اور لکڑی وغیرہ جلا کر ہانڈی روٹی کی جاتی تھی، ذائریہ کمرے کا انتخاب کر کے چھمو ملازمہ کے ساتھ ہی پوری حویلی دیکھنے آئی

تھی بیرونی حویلی کو تو دیکھ ہی چکی تھی بالکل جدید طرز کی تعمیر شدہ کوٹھی تھی جس کے پورچ میں دو پراڈو کھڑی ہوئی تھیں اور بائیں جانب وسیع ڈریم گارڈن نظر آتا تھا اصل اشتیاق تو اسے اندرونی اور پرانی حویلی دیکھنے کا تھا جس کے بارے میں ابھی چھمو نے بتایا تھا آنٹی زلیخا دیہاتی طرز کے کھلے کچن میں ہی ایک پیڑھی پر بیٹھیں چولہے پر کچھ پکا رہی تھیں دھوپ نے حویلی کا ہر طرف سے گھیراؤ کر لیا تھا چبوترے پر بھی اچھی خاصی دھوپ اور گرمی پھیل چکی تھی آنٹی زلیخا اسے یوں اس جگہ پر آتا دیکھ کر خوش آمدید انداز میں اٹھیں تھیں اور بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

"آنٹی آپ یہاں کیا بنا رہی ہیں اور وہ بھی اتنی گرمی اور دھوپ میں؟" ذائریہ جو ابھی ابھی نہا کر نکلی تھی عام سے سادہ سوٹ اور نکھرے حسن کے ساتھ بھی آنکھوں میں کھب رہی تھی قدرے بڑھے ہوئے گیلے بالوں کو سلیقے سے دوپٹے میں چھپائے وہ شفاف کلی کی مانند نظر آ رہی تھی، ذائریہ نے یونہی برسبیل تذکرہ پوچھا۔

"ارے بیٹا زیادہ تر میں اس وقت یہی پر ہوتی ہوں گاؤں کے سارے کام یہی پر ہوتے ہیں دودھ، لسی، دہی وغیرہ بنانا اور آج تو میں کھیر پکا رہی ہوں سکندر پتر کو اس آگ پر پکی کھیر بڑی پسند ہے وہ کہتا ہے جلتی ہوئی لکڑی کے دھوئیں کی مہک جو کھانوں میں آ کر لذت بڑھاتی ہے وہ گیس پر پکے کھانوں میں نہیں آئی اس لئے زیادہ تر میں اسی چولہے پر ہانڈی روٹی کرتی ہوں اس کچن کے لئے تو خانساماں رکھا ہوا ہے، عورتوں میں وہی زیادہ تر پکاتا ہے۔" آنٹی زلیخا نے تفصیل سے ذائریہ کو جواب دیا۔

"تم گھومو پھرو میں ذرا کھیر کو دیکھ لوں چھمو جا دھی رانی کو آگے حویلی کی سیر کرا ڈیری فارم دکھا۔"

"نہیں نہیں آنٹی مجھے بھینسوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔" ذائریہ بدکی۔

"اوہ نہیں پتر وہ تو بندھی ہوئی ہیں بڑی نمانی اور معصوم ہوتی ہیں، وہاں پر گھوڑے وغیرہ بھی ہے سکندر کی ایک گھوڑی نے بڑا پیارا سا بیٹا پیدا کیا ہے اور ایک بکری کے دو میمنے بھی ہیں۔" آنٹی زلیخا نے اس کی تسلی کرنی چاہی۔

"گھوڑے کا بیٹا مطلب، گھوڑے کا بچہ۔" ذائریہ نے ہلکے سے شرارتی انداز میں کہا۔

"اللہ تجھے یونہی خوش رکھے دھی رانی یعنی وہ گھوڑی ہم سب کی بڑی پیاری ہے سکندر کی تو جان ہے اس میں اس لئے ہم اس کے بچے کو بیٹا ہی بولتے ہیں جا چھمو لے جا دھی رانی کو سیر کرا اچھی طرح ڈرنا مت سب جانور بندھے ہوئے ہیں۔" آنٹی زلیخا نے ذائریہ کے یوں کہنے پر نہال ہوتے ہوئے ملازمہ سے کہا اور خود چبوترے کی جانب بڑھ گئیں، ذائریہ قدرے اشتیاق سے چھمو کے ساتھ آگے بڑھی اسے بھی بڑا شوق تھا گاؤں کا اصل اور دیہاتی کلچر دیکھنے کا تایا عالم کے گھر تو یہ شوق پورا ہو ہی نہ سکا تھا اب وہ ہر فکر بھلائے آگے کی جانب بڑھی اسے واقعی گھوڑے کا بچہ دیکھنے کا شوق ہو رہا تھا صحن اور جانوروں کے باڑے کے درمیان ایک چھوٹی سی دیوار موجود تھی جس میں ایک سائیڈ سے آمدورفت کے لئے کھلی جگہ چھوڑی گئی تھی اور پھر مشرق کی جانب ایک بڑا سا ڈیری فارم موجود تھا۔

یہ ایک جدید طرز کا ڈیری فارم تھا بڑے سے برآمدے میں ایک سائیڈ پر اصطبل اور دوسری جانب آٹھ آٹھ فٹ کی دیواریں کھڑی کر کے بیچ گائے بھینسیں وغیرہ بندھی ہوئی تھی

درمیان میں چلنے کے لئے کشادہ راستہ موجود تھا یہاں پر بھی صفائی کا خیال رکھنے کی کوشش کی گئی تھی، ہر طرف ملازموں کی چہل پہل تھی جو اپنے روزمرہ کا کام سرانجام دے رہے تھے۔

ذائرہ ڈری ڈری اور جھجکی سی ملازمہ کے ہمراہ آگے بڑھ رہی تھی اسے لگ رہا تھا کہ بھینسیں اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اسے ہی گھور رہی تھیں جگالی کرتے ہوئے جب وہ اپنے بڑے بڑے سینگوں والے سر کو گھما کر جسم پر بیٹھی مکھیاں اڑاتیں تو ذائرہ اندر سے ڈر ہی جاتی کہ ان میں سے اگر کوئی کھل گئی تو اسے ہی آ کر ٹکر دے مارے گی اجنبی تو وہی تھی اس جگہ پر چھمو بڑے آرام اور بے فکری سے آگے بڑھ رہی تھی۔

''خواہ مخواہ ہی آ گئی ادھر۔'' ذائرہ دل میں پچھتائی۔

''اوہ چھمو یہ دودھ والی بالٹی اٹھا لے ادھر سے اور مجھے دوسری پکڑا۔'' اس آواز پر ذائرہ نے اپنے دائیں جانب دیکھا جہاں پر سکندر ایک بھینس کے پاس بیٹھا اس کا دودھ دھو رہا تھا اس وقت قمیض کے بازو فولڈ کیے وہ بالکل دیہاتی نوجوان لگ رہا تھا ذائرہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بھی حیرت نمودار ہوئی لیکن دوسرے ہی پل اسے اگنور کر کے سر جھک کر وہ اپنے سابقہ کام میں پھر مشغول ہو گیا، ذائرہ اسے خود دودھ دھوتا دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''بی بی جی میں ذرا یہ دودھ کی بالٹی چوہدرانی جی کو دے آؤں ایک منٹ ٹھہرے جی۔'' چھمو نے دودھ سے بھری بالٹی اٹھائی اور پیچھے کی جانب پلٹ گئی سکندر کو دوسری خالی بالٹی دینا وہ بھولی نہیں تھی سکندر اپنے کام میں مگن تھا ذائرہ کو بھینس کے تھنوں سے دودھ نکلتا دیکھ کر اپنے ہاتھوں میں عجیب سی گدگدی اور الجھن کا احساس جاگا۔

''یخ۔'' منہ میں بدبداتی وہ آگے بڑھی ویسے بھی فضول میں یہاں کھڑے ہونا اسے اچھا نہیں لگا تھا خواہ مخواہ موصوف کسی خوش فہمی کا شکار ہو گئے یہ سوچ کہ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور سامنے سے اپنی جانب آتے کھلے ہوئے قدرے بڑے کٹے کو دیکھ کر اس کی روح فنا ہو گئی یقیناً اس کی رسی کھل گئی تھی یا اس نے تڑوالی تھی اور اب وہ سیدھا اسے ٹکر مارنے اس کی جانب تیزی سے بھاگتا آ رہا تھا۔

ذائرہ بدحواس ہو کر تیزی سے پلٹ کر دوڑی چھبی اپنے دھیان میں بالٹی اٹھائے سکندر سے بری طرح ٹکرا گئی دھکا لگنے سے بالٹی گر گئی اور سارا دودھ بہہ گیا۔

''اوہ تیری۔'' سکندر بڑبڑایا۔

''ڈاکٹرنی جی آنکھیں کھولے وہ بے چارہ آپ کی غلط فہمی سے بے خبر سیدھا آگے اپنی ماں کی جانب بڑھ گیا ہے۔'' بدحواس سی ذائرہ کی اوٹ میں سختی سے فولڈ کی گئی قمیض سکندر کے بازو کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے آنکھیں میچیں تصور میں اپنی جانب کٹے کو آتا دیکھ کر گھبرائی کھڑی تھی سکندر کی آواز سن کر جھٹ آنکھیں کھولیں اور سامنے کٹے کو اپنی ماں کا دودھ پیتے دیکھ کر بری طرح شرمندہ ہو گئی۔

''ہاں ہائے یہ کیا ہوا؟'' چھمو نے قریب آتے بہے دودھ کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

''کچھ نہیں صاف کر دے اسے اور اب اپنی بی بی جی کو کلا (اکیلا) نہ چھوڑنا ورنہ آج فرش دودھ سے ہی دھلے گا۔'' سکندر نے ملازمہ سے کہا اور شرارتی انداز میں ذائرہ کی جانب دیکھا جس کا خفت سے چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

''ہائے۔'' سکندر نے اپنے بازو پر ہاتھ دھرتے کراہا۔

''کیا ہوا جی؟'' چھمو نے جھٹ پریشانی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں زخم دکھ گیا ہے۔'' سکندر نے سہلاتے ہوئے کہا اس کے لب شرارت سے مسکرا رہے تھے۔

''آپ کو کہا تھا وڈی چوہدرانی جی نے کہ دودھ نہ دھوئیں زخم کچا ہے ابھی۔'' چھمو نے کہا۔

''اوہ نہیں دودھ دھونے سے کیا ہوتا ہے یہی تو کسی نے بڑی زور سے دبایا ہے سن چھمو اس کٹے کو آج سارا دودھ پینے دینا بڑا اکرم ہوا ہے مجھ پر اس کی وجہ سے۔'' سکندر نے شرارتی نظروں سے ذائرہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر ذائرہ کے گال تمتما اٹھے غصے اور احساس شرمندگی سے دوچار وہ فوراً واپس جانے کے لئے مڑ گئی۔

''بدتمیز، جاہل گنوار کہیں سے بھی باہر کی یونیورسٹی کا پڑھا نہیں لگتا پینڈو گنوار۔'' ذائرہ نے دل میں بڑبڑاتے سکندر کے انداز پر اسے برے القابات سے نوازا اور اپنے پیچھے سکندر کا قہقہہ سن کر اس کے قدموں میں تیزی اور غصے میں اضافہ ہو گیا اور چھمو ناسمجھی کے عالم میں دونوں کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

کمرے کے دروازے پر دستک دے کر انکل رب نواز اندر داخل ہوئے تھے جنہیں دیکھ کر ذائرہ احتراماً اٹھ کھڑی ہوئی تھی ابھی اس کا قیام گیسٹ روم میں عارضی طور پر تھا کہ اس کے کمرے میں نیا فرنیچر ڈلوانے والا تھا۔

''بیٹھو بیٹھو بیٹا جی کیا حال ہے؟ معذرت بھئی وہ گندم کی کٹائی اختیام پر ہے آج کل ہم سب اسی میں مصروف ہیں اس لئے آپ سے باقاعدہ ملاقات نہیں ہو پا رہی آئی ہوپ میرا بیٹا اس کو مائینڈ نہیں کرے گا۔'' انکل نے صوفے پر بیٹھتے اور سامنے سنگل صوفے پر ذائرہ کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنے نرم لہجے میں کہا ان کی گریس فل شخصیت پر دیہاتی لباس کے ساتھ اتنے اچھی انداز گفتگو بہت جچتی اور پرلطف لگتی تھی۔

''نہیں انکل اٹس اوکے۔'' ذائرہ نے نرمی سے کہا۔

''ہوں ذائرہ بیٹا مجھے آپ سے چند بڑی ضروری باتیں کرنی ہیں۔'' انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا اور نہ جانے کیوں پرسوں رات سکندر کا اسے ان کے سامنے لا کر غصہ کا اظہار اور اس کی بات کا برملا تذکرہ کرنا یاد آ گیا جس کی بناء پر وہ انکل سے نظریں بھی نہیں ملا پا رہی تھی، ''کیا تھا اگر وہ یہ بات اپنے تک ہی محدود رکھتا۔'' نظریں جھکائے اس نے کتنی بار سوچی بات ایک بار پھر سوچی۔

''نہ جانے اس رات پھر ان تینوں کے درمیاں کیا بات ہوئی۔''

''آپ کے تایا جان کے متعلق ایک خبر ملی تھی پنچائیت والے روز میں نے اپنا ایک آدمی انہیں بلوانے کے لئے ان کے گاؤں بھیجا تھا وہیں خبر لے کر آیا تھا سچوئیشن ایسی تھی کہ میں تذکرہ نہیں کر پایا۔'' کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوئے اور پھر رکے ذائرہ نے سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

''میرے بندے کی خبر کے مطابق آپ کے تایا جان کو کچھ عرصہ قبل فالج کا شدید اٹیک ہوا تھا جس میں ان کا تما جسم مفلوج ہو گیا ہے حتیٰ کہ وہ اب بول بھی نہیں سکتے سوائے آنکھیں جھپکنے اور سننے کے اب وہ اور کچھ نہیں کر سکتے قدرت

نے ان سے ان کے مظالم کا حساب لیا ہے اور جو کہ بہت عبرت ناک ہے۔'' انکل رب نواز کی اطلاع پر ذائریہ اپنی جگہ پر ساکت بیٹھی رہ گئی تھی خبر ایسی تھی جس پر وہ خوش ہو سکی تھی نہ افسردہ اس وقت اسے خود اپنے احساسات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''آہ، خیر اللہ رحم کرے کل حسین، ملک حسین آیا تھا۔'' ذائریہ اس بات پر بری طرح سے چونکی اور گھبرا گئی تھی۔

''نہ بیٹا نہ گھبرانے والی یا ڈرنے والی کوئی بات نہیں تم اب چوہدریوں کی عزت ہو تمہیں نقصان دینے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے ایک خاص کام کے سلسلے میں آیا تھا وہ ایک تجویز لے کر آیا تھا اسی کا مشورہ کرنا ہے تم سے۔'' انکل رب نواز نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''کیسی تجویز؟'' ذائریہ نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کے دادا نے جو پچیس ایکڑ زمین وصیت میں آپ کے نام کی ہے اور نکاح کے بعد وہ قانونی طور پر آپ کے نام منتقل بھی ہو چکی ہے ان کا ارادہ ہے اسے خریدنے کا ہے اگر آپ اسے بیچنے پر تیار ہوں اس طرح سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس جھگڑے کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔''

''میں سمجھی نہیں انکل؟ خریدنے کا؟ آئی مین......'' ذائریہ نے الجھتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

''بیٹا وہ پچیس ایکٹر زرخیز زمین ہے جو کاشت کے لئے وہی استعمال کر رہے تھے اب ظاہر ہے آپ تو اسے کاشت نہیں کریں گیں وہاں جا کر اور یوں اتنی زرخیز زمین بنجر پڑی رہے گی اور اس کے بجائے کہ آپ اسے کسی اور کے ہاتھوں فروخت کریں وہ اسے خریدنے پر تیار ہیں اس زمین کی مالیت تقریباً ایک کروڑ سے زیادہ بنتی ہے مشترکہ طور پر وہ خاندان بھی اتم بانٹ کر اس کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں حسین کا کہنا تھا کہ باپ کی حالت دیکھ کر اسے نصیحت حاصل ہوئی ہے اور اس جھگڑ کو طول دینے کی بجائے ختم کرنا چاہتا ہے۔'' انکل رب نواز نے اسے تفصیل سے آگاہ کیا۔

ذائریہ دل میں اس تجویز پر رضامند تھی مگر وہ چپ ہی رہے اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''انکل آپ کیا کہتے ہیں؟''

''بیٹا میں اس سلسلے میں آپ کو کوئی مشورہ نہیں دوں گا اس میں قطعی آپ کی اپنی مرضی ہو گی کیونکہ وہ زمین آپ کی ہے اس کا کیا کرنا آپ کو خود سوچنا ہے، بیٹا شک اور بدگمانی انسانی رشتوں پر زنگ کا کام سرانجام دیتے ہیں ایسا زنگ جس کی وجہ سے مضبوط لوہا بھی آخر کار ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں، سکندر سے نکاح میں نے کسی جائیداد کا مالک بننے کے لئے آپ کا نہیں کروایا اس سے آپ باخوبی واقف ہیں اس لئے میری خواہش ہے کہ اس بات کا فیصلہ آپ خود کریں کہ اس زمین کا آپ کو کیا کرنا ہے۔'' انکل رب نواز نے واضح انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''آپ نے نہیں تو آپ کے بیٹے نے تو اسی زمین کے لالچ میں نکاح کیا ہے نا۔'' ذائریہ نے دل میں سوچا۔

''اوکے انکل مجھے کچھ سوچنے کا موقع دیں میں سوچ کر آپ کو بتاتی ہوں۔'' ذائریہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اوکے بیٹا لنچ پر ملاقات ہوتی ہے آج آپ کی آنٹی نے بھی مرغی اور کھیر بنانے کا اہتمام کیا خاص سکندر کی فرمائش پر اور وہ بہت لذیز کھانا پکاتی ہیں۔'' انکل رب نواز نے خوش دلی سے کہا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گئے۔

ذائریہ کو کیا فیصلہ کرنا تھا وہ باخوبی سوچ چکی تھی وہ اپنی آئندہ زندگی کا بھی فیصلہ کر چکی تھی ان دونوں فیصلوں سے آگاہ کرنے کا موقع سوچ لیا تھا اس نے جب سکندر بھی وہاں پر موجود ہو گا اسے یقین تھا کہ اس کے فیصلوں پر سکندر کو اعتراض ہو گا اور وہ بھڑک اٹھے گا زمین کا فیصلہ سن کر وہ کسی بھی صورت ہاتھ آئی جائیداد یوں ہاتھ سے گنوانے والا نہیں تھا ایک لالچی زمین دار کی فطرت سے وہ بے خوبی آگاہ ہو چکی تھی اور اس کا ایسے مشتعل ہونا ہی ذائریہ کے لئے سودمند ثابت ہو گا اس کے روی کو بنیاد بنا کر وہ اپنے دوسرے فیصلے کو آسانی سے منوا سکے گی یہ سوچ کر ذائریہ کے لبوں پر زہر خند سے مسکراہٹ نمودار ہو کر معدوم ہو گئی اور وہ اپنا فیصلہ سنانے اٹھ کر ڈائننگ ٹیبل کی جانب چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی بڑھ گئی۔

☆☆☆

''انکل میں نے سوچ لیا ہے کہ مجھے اس جائیداد کا کیا کرنا ہے جو میرے لئے کسی عذاب سے کم ثابت نہیں ہوئی۔'' کھانا کھاتے سکندر کی موجودگی میں ذائریہ نے بات کا آغاز کیا۔

''انکل آپ ان لوگوں سے اس زمین کو بیچنے کے معاملات طے کر لیں میں وہ زمین ان لوگوں کو بیچنے کو تیار ہوں۔'' انکل رب نواز کی سوالیہ نظروں کا جواب دیتے ہوئے اس نے اپنے تئیں ایک دھماکہ کیا مگر سکندر خاموشی سے کھانے میں مگن رہا اس کی طرف وہ ردعمل بالکل سامنے نہ آیا جس کا ذائریہ نے تصور کر رکھا تھا ذائریہ کو اس کی بیگانگی پر حیرت اور غصہ آیا۔

''میسنا اپنی اصلیت سب کے سامنے تو ظاہر نہیں ہونے دے گا۔''

''اور انکل اس زمین کو بیچ کر جو بھی رقم وصول ہو گی میں اسے بینک میں رکھوانا چاہوں گی اور اسی رقم سے اسپشلائزیشن کے لئے باہر کے ملک جانا چاہتی ہوں۔'' ذائریہ نے اپنی بات مکمل کی اس کی دوسری بات سن کر ایک پل کو وہ سب اپنی جگہ خاموش بیٹھے رہ گئے مگر کہا کسی نے کچھ نہیں۔

''اوکے بیٹا جی ایز یو وِش میں ان سے تمام معاملات طے کر لوں گا، رقم بینک میں ہی جمع کروائی جائے گی یو ڈونٹ نیڈ ٹو وری۔'' انکل نے گویا بات ہی ختم کر دی، سکندر اب بھی جلدی جلدی کھانا کھانے میں مصروف تھا۔

''پتر اتنی جلدی کس بات کی ہے آرام سے کھانا کھا۔'' آنٹی زلیخا نے ماحول میں چھائی خاموشی دور کرنے کے لئے ٹوکا جو کھانا جلدی ختم کر کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ماں جی شہر جانا ہے ڈاکٹر لانے کے لئے رانی کی طبیعت ٹھیک نہیں بخار تیز ہو گیا ہے اسے اس کا چیک اپ کروانا ہے اور پھر گندم کی کٹائی ہو رہی ہے تھریشر لگا ہوا ہے اس پر بھی چکر لگانا ہے بابا آپ کچھ دیر آرام کریں میں بھی سیدھا تھریشر کی طرف ہی جاؤں گا پھر شہر، کچھ دیر بعد آپ اپنی نگرانی میں جا کر کام دیکھ لیجئے گا۔'' سکندر نے کھڑے کھڑے دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا سفید کاٹن کے کلف زدہ کڑکڑاتے سوٹ میں اس مردانہ وجاہت بہت نمایاں ہو رہی تھی ذائریہ کے دل نے سرگوشی کی ذائریہ نے جلدی سے نظریں جھکائیں اپنے دل کی اچھی خاصی کمرے میں جا کر کلاس لینے کا ارادہ کیا تھا دل کی نہ سننے کی تو اس نے قسم کھا لی تھی زندگی کے بارے میں وہ ایک صاف اور واضح منزل کا انتخاب کر چکی تھی

اس کے لئے اپنے نام کے آگے سکندر کا نام بس خود کو کٹی پتنگ بننے سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی تھا اور اسے اس رشتے اس تعلق سے کچھ اور نہیں چاہیے تھا باہر کے ملک جا کر اسپیشلائزیشن مکمل کر کے وہیں پر تمام عمر کسی ہسپتال میں جاب کر کے زندگی گزارنے کا وہ فیصلہ کر چکی تھی سکندر دوسری تو کیا تیسری شادی بھی کرئے اسے اس سے کوئی سروکار نہ ہے اور نہ رہے گا وہ اپنی آئندہ زندگی کیسے گزارے گی اس کی وہ پلاننگ کر چکی تھی اٹل پلاننگ۔

”ارے ہاں بابا جی مجھے یاد آیا آج رات منصور کی مہندی ہے میں کام سے فارغ ہو کر ادھر ہی چلا جاؤں گا۔“ سکندر نے جاتے جاتے مڑ کر یاد آنے پر کہا۔

”خیری سلا پتر پر ذرا وقت پر واپس آ جانا ہلہ گلہ تو ساری رات چلے گا زیادہ دیر نہ لگانا۔“ آنٹی زلیخا نے ہاٹ پاٹ میں روٹی نکال کر چوہدری رب نواز کی پلیٹ میں رکھتے جلدی سے سکندر کو ہدایت کی اور ذائرہ کو تایا عالم کے گھر مہندی کا فنکشن یاد آ گیا۔

”یقیناً یہاں پر بھی شباب اور شراب کا اہتمام ہوگا جبھی مہندی کے فنکشن پر جانے کو بے تاب ہیں موصوف نشے میں دھت کمائی دولت کو ناچنے والیوں پر لٹاتے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے جاہل گنوار لوگ۔“

”ڈاکٹرنی جی میں شہر جا رہا ہوں اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتا دیں۔“ اپنی سوچوں میں غلطاں ذائرہ کو اچانک سکندر نے براہ راست مخاطب کیا تھا جس پر چونک کر وہ سٹپٹا کر رہ گئی تھی ہمیشہ کی طرح ڈاکٹرنی کہنے پر اس کے ماتھے پر ناگوار لکیریں ابھریں تھیں اور اس نے نفی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

”او کے اللہ حافظ۔“ اتنا کہہ کر سکندر باہر نکلتا چلا گیا تھا اور آنٹی زلیخا کی کچھ دیر تک دھیمی آواز میں اس کے لئے دعائیں جاری رہی تھیں۔

مرغی کو آسمان پر اڑتی چیل سے خطرہ محسوس ہوا تھا تبھی اپنی ایک مخصوص آواز نکال کر اِدھر اُدھر پھدکتے جیسے چوزوں کو اس نے اکٹھا کر کے اپنے پروں تلے چھپا لیا تھا۔

”ممتا کا احساس کمزور کو بھی طاقتور بنا دیتا ہے یہ مرغی اپنے سے طاقتور اور مضبوط پرندے سے لڑنے کو تیار ہے اپنے بچوں کو اپنے پروں تلے چھپا کر گویا اس نے انہیں ہر قسم کے خطرے سے محفوظ کر لیا ہے اور جن کی ماں نہ ہو ان کے لئے زندگی میں قدم قدم پر درپیش خطرات کا سامنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔“ کب سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی ذائرہ نے سوچا جو اگلے روز صبح سویرے سے ہی برآمدے میں ایک پیڑھی پر براجمان بوریت سے آنٹی زلیخا اور باقی لوگوں کو کام کرتا دیکھ رہی تھی اس کے کمرے کے لئے فرنیچر وغیرہ خرید کر لایا جا چکا تھا سکندر کل شہر گیا تھا شاید وہی لایا تھا اب چھمو اور ایک دو ملازم مل کر اسے اس کے منتخب کردہ کمرے میں سیٹ کر رہے تھے بور ہو کر وہ گھر کے پچھلے حصے میں چلی آئی جسے سب پرانی حویلی کہتے تھے آنٹی زلیخا کام کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ بھی چھوٹی چھوٹی اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اسے کمپنی دینے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”چوہدرانی جی مہمان خانے میں کچھ پرونے آئے ہیں جی، چوہدری سکندر نے لسی پانی کا انتظام کرنے کو کہا ہے جی۔“ ایک ملازم نے اس دروازے سے داخل ہوتے ہوئے زلیخا کو آ کر اطلاع دی جو نئے پورشن جسے سب نئی کوٹھی کہتے تھے میں کھلتا تھا۔

”لسی تیار ہے اندر سے شیشے کا جگ گلاس لے کر آ اور ڈال کر دے آ۔“ آنٹی زلیخا نے ملازمہ کو کہا اور خود چاٹی کی جانب بڑھ گئیں سکندر کا نام سن کر ذائرہ کو آدھی رات کا وہ حیرت ناک انکشاف یاد آ گیا جس پر وہ ابھی تک حیران اور اسی وجہ سے چپ چپ سی تھی گیسٹ روم میں سوئے ہوئے اچانک اس کی آنکھ بجتے گٹار کی دھیمی آواز پر کھلی تھی وہ خود بھی میوزک کی دلدادہ تھی بے حد حیران ہوئی کہ اس وقت یہاں کون گٹار بجا رہا ہے ساز اور موسیقی کے بارے میں اس کی معلومات بے حد اچھی تھیں اور کیوں نہ ہوتیں اس کے نانا جان کا تعلق بھی تو موسیقی سے تھا موسیقی سے پیار تو اسے ورثے میں ملا تھا گیسٹ روم بھی اوپری منزل پر تھا ذائرہ دوپٹہ اوڑھ کر تجسس کے ہاتھوں کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی آواز کا تعین ہوتے ہی وہ حیران رہ گئی گٹار پر چھیڑی گئی خوبصورت اور مدھر دھن کی آواز بلاشبہ سکندر کے کمرے سے آ رہی تھی اس کے کمرہ کا دروازہ بند تھا اور اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اس کے کمرے کی جانب جانے یا اندر جھانکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی کچھ دیر سناٹے میں گونجتی رسیلی دھن سے محظوظ ہو کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی اور بیڈ پر لیٹ کر الٹی سیدھی سوچوں کو سوچتے آخر کار سو گئی۔

”چہ میں بھی کتنی پاگل ہوں ضروری تو نہیں کہ گٹار سکندر ہی بجا رہا ہو ہو سکتا ہے اس نے گٹار کی دھن کی کوئی کیسٹ لگائی ہو اور مجھے کیا لگے وہ بجائے یا نہ بجائے، مجھے اس کے متعلق کچھ بھی جاننے یا سوچنے کی قطعی ضرورت نہیں۔“ ذائرہ نے ایک خیال کے آتے ہی چونک کر سوچا اور ساتھ ہی خود کو دل ہی دل میں سرزنش بھی کی۔

”ہاں بجائے یا نہ بجائے مگر ذوق تو بہت اعلیٰ ہے کتنی مدھر اور خوبصورت دھن بج رہی تھی رات کی تنہائی میں۔“ دل کی سرگوشی پر وہ بس اسے گھور کر ہی رہ گئی یہ دل آج کل اس کے ہاتھوں سے نکلنے کے چکر میں تھا جو ذائرہ کو مر کر بھی گوارا نہ تھا، لیکن وہ جانتی نہیں تھی نکاح کا پاکیزہ بندھن دو دلوں میں محبت خود پیدا کر دیتا ہے۔

”ذائرہ پتر ان کاغذات پر دستخط کر دو۔“ اپنی سوچوں میں مستغرق ذائرہ کو آنٹی زلیخا نے کچھ کاغذات اس کی جانب بڑھاتے متوجہ کیا تھا۔

”یہ کیا ہے آنٹی؟“ ذائرہ نے کاغذات کی فائل اور قلم ان کے ہاتھ سے لیتے حیرت سے پوچھا۔

”یہ زمین فروخت کے کاغذات ہیں اندر مہمان خانے میں تمہارے تایا زاد بھائی حسین اور کچھ لوگ آئے بیٹھے ہیں تم دستخط کر دو تو یہ کاغذات لے کر وہ چلے جائیں رقم وہ اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں تمہارے انکل نے کہا ہ کہ ان پر سائن کر دو اور ہاں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جلدی سے تیار ہو جاؤ ابھی شہر بینک میں جا کر اپنا اکاؤنٹ کھلوا کر رقم کو وہاں جمع کروا آؤ۔“ آنٹی زلیخا نے اسے تفصیلاً بتایا اور ذائرہ نے کاغذات پڑھ کر ان پر دستخط کر دیئے اور چینج کرنے کے لئے چپ چاپ گیسٹ روم کی جانب بڑھ گئی چادر اوڑھ کر جب وہ آنٹی زلیخا کی سنگت میں پورچ میں آئی تو ڈرائیونگ سیٹ پر سکندر کو بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

”سکندر پتر! ذائرہ بیٹا کا اے ٹی ایم کارڈ بھی بنوا لینا تا کہ انہیں رقم نکلوانے میں سہولت رہے اور اپنی مرضی سے جب چاہے نکلوا سکیں تمہارے بابا جی نے خاص طور پر یہ ہدایت کی ہے۔“ آنٹی زلیخا نے آگے بڑھ کر سکندر کو بتایا

جس پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''آنٹی! انکل کہاں ہیں وہ ساتھ نہیں جائیں گے؟'' ذائریہ نے پوچھا۔
''نہیں بیٹا وہ اندر مہمان خانے میں ان لوگوں کے پاس ہی بیٹھے ہیں رقم خیر خیریت سے بینک میں جمع ہو جائے اور تم لوگوں کی واپسی تک وہ لوگ یہیں پر موجود رہیں گے احتیاط کا یہی تقاضہ ہے اس لئے۔'' آنٹی زلیخا نے ذائریہ کو سمجھایا۔
''ماں جی جلدی کریں مجھے ان کا ڈرائیور بننے کے علاوہ اور بھی بہت سے کام ہیں۔'' سکندر نے اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے سے گریز کرتی کھڑی ذائریہ کی جانب دیکھتے اکھڑ لہجے میں کہا، اسے ذائریہ کا گریز تپا گیا تھا۔
''اچھا اچھا ہر وقت مٹی کا تیل نہ بنا رہا کر تھوڑی سی چنگاری سے ہی بھڑک اٹھتا ہے جا پتر رب راکھا تم لوگوں کے پیچھے گارڈ کی بھی گاڑی رہے گی یہ کام نبٹ جائے تو سکون کا سانس آئے جا شاباش۔'' آنٹی زلیخا نے سکندر کو ڈپٹتے اور ذائریہ کو جانے کے لئے کہا جو سکندر کی بات پر اندر ہی اندر تلملا کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی سکندر نے ایک جھٹکے سے گاڑی سٹارٹ کی اور شہر کی جانب جاتی سڑک پر تیز رفتاری سے گاڑی بڑھا دی ٹوٹی پھوٹی سڑک کے وجہ سے گاڑی اچھے خاصے ہچکولے رہی تھی اور بار بار چھوٹے موٹے گڑھوں سے گزرتی اچھل رہی تھی ذائریہ کو بھی اچھے خاصے ہچکولے آ رہے تھے تبھی اس کی نظر ہچکولوں کی وجہ سے پچھلی سیٹ کے اندر رکھی لڑھک کر باہر آنے والی بوتل پر پڑی اور ذائریہ کا غصہ تنفر میں بدل گیا، یقیناً رات مہندی کے فنکشن میں موصوف اس بوتل میں موجود مشروب سے دھت رہے ہوں گے، ایسی کئی بوتلیں وہ تایا عالم کے گھر ایک کمرے میں رکھیں دیکھ چکی تھیں اور مریم نے ہی بتایا تھا کہ یہ انگور کے رس سے بھری بوتلیں ہیں جو رات مہندی کے فنکشن میں باہر مردان خانے میں محفل کا لطف اٹھانے کے لئے پی جائیں گیں۔
''نہ جانے ابھی بھی نشے میں ہرن ہوا ہے کہ نہیں اس حالت میں ڈرائیونگ بھی کتنی ریش کر رہا ہے اپنے ساتھ ساتھ میری جان کے در پر بھی ہوا ہوا ہے اور بھلا کوئی اس کے ظاہری حلیے کو دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ اتنے قرینے سے کی گئی ڈریسنگ والا یہ شخص اندر سے بالکل اجڈ ہے۔'' ذائریہ نے کنکھیوں سے گھنے بالوں جو سلیقے سے سنوارے گئے تھے کہ سر پر نظر ڈالتے اس پر اچھلتی نظر ڈالی سکندر نے آج بلو جینز کے ساتھ وائٹ شرٹ پہن رکھی تھی جو اس کے دراز سراپے پہ بے حد بھلی لگ رہی تھی ڈارک براؤن گلاسز اس کے چہرے پر بے حد سوٹ کر رہے تھے خاموشی اور سنجیدگی سے ڈرائیونگ کرتے شخص سے اس کا کیا رشتہ ہے یہ سوچ کر ذائریہ کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی اور اس نے جلدی سے گاڑی کے شیشے سے باہر تیزی سے گزرتے کھیتوں پر اپنی نگاہیں مرکوز کر لی تھیں بور اور طویل سفر سے اکتا کر وہ بہت جلد نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی اور جاگتے اونگھتے باقی کا سفر کٹا تھا بینک کے آگے گاڑی روک کر سکندر نے ذائریہ کے لئے پچھلا دروازہ کھولا جہاں وہ ابھی تک اونگھ رہی تھی وہ ہمیشہ گاڑی میں سو جایا کرتی تھی گاڑی میں لمبا سفر کرتے اسے ہمیشہ بڑی گہری نیند آ جایا کرتی تھی مما بابا اور فرینڈز اس کی اس عادت کا بہت مذاق اڑایا کرتے تھے، بیک سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے ایک جانب ڈھلکے سر اور چہرے پر آئیں لٹوں سے بے خبر نیم وا گلابی ہونٹوں کے ساتھ وہ

سوئی پڑی تھی اس کی چھوٹی سی ناک سوئی ہوئی بھی تنی سکندر ایک پل کو بے خبر سوئے حسن کو دیکھتا محو کھڑا رہ گیا تھا گاڑی کے ہارن پر چونکا۔
یہ بے تحاشہ حسن اس کے نام کیا جا چکا تھا پر اس کی دسترس سے اب بھی بے حد دور تھا سینے سے ہلکی لمبی سانس خارج کرتے اس نے سوچا اور ذائریہ کو آواز دے کر جگایا۔
سکندر کی آواز پر ذائریہ بے ساختہ چونک کر نیند سے بیدار ہوئی تھی گھنی پلکیں نیند سے جڑی مڑیں شفاف آنکھوں میں نیند کے گلابی ڈورے اور بادامی آنکھوں میں نیند کا خمار کیا کسی آنکھیں ایک ہی وقت میں اتنے حسین رنگ اکھٹے لیے ہو سکتیں ہیں کبھی یہ بے حد پاکیزہ اور معلوم نظر آتی ہیں، کبھی ان میں ڈر اور خوف اس طرح سے سماتا ہے کہ خود بخود اپنی پناہوں میں چھپانے کو دل چاہتا ہے، اکثر یہ بے حد غصے اور نفرت سے مجھے گھورتی ہیں اور دل اور زیادہ انہیں غصے دلانا کو چاہتا ہے سکندر نے ذائریہ کے ساتھ بینک کی عمارت میں داخل ہوتے ہوئے سوچا اس کے ساتھ ہاتھ میں رقم سے بھرا بیگ تھا بینک کے کام میں انہیں تقریباً دو گھنٹے سے اوپر کا وقت لگ گیا تھا واپسی پر جب ذائریہ نے پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کے لئے قدم بڑھائے تو سکندر نے فرنٹ سیٹ کا اس کی جانب کا دروازہ کھولتے نہایت سنجیدہ اور شستہ انگریزی زبان میں ذائریہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:۔
''میں آپ کا ڈرائیور نہیں محترمہ اگلی سیٹ پر تشریف رکھیں اور اگر آپ اپنی بے جا ضد پر قائم رہیں تو میں آپ کو اپنی بانہوں میں بھر کر اگلی سیٹ پر رکھ دوں گا۔'' انگریزی لہجے میں دی گئی دھمکی پر ذائریہ اندر سے جز بز ہوتی اگلی سیٹ پر جلدی سے بیٹھ گئی اس جاہل سے کوئی بعید نہیں بھرے ہجوم میں وہ اپنی بات پر عمل کر ڈالے ذائریہ کی پھرتی پر فرنٹ ڈور بند کرتے سکندر کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ جاگی جو اس نے سنجیدہ تاثرات میں جلدی سے چھپالی گارڈز کو گاڑی میں وہیں ان کا انتظار کرنے کی ہدایت دے کر سکندر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور گاڑی کو بازار کی جانب موڑا بینک کی عمارت بھی گنجان آباد بازار کے ایک سرے پر واقع تھی ذائریہ نے سکندر کی حرکت پر بے چینی سے پہلو بدلا اور خود کو مزید دروازے کے ساتھ لگا لیا۔
''بے فکر رہیے ڈاکٹرنی جی میں آپ کو اغواء کر کے نہیں لے جا رہا مجھے اس کی ضرورت بھی کیا ہے آپ کے ساتھ کچھ شاپنگ کرنی ہے آخر پہلی دفعہ آپ میرے ساتھ آئی ہیں اور سوتے وے محو سفر تھیں اگر آپ بغیر حیل و حجت اور بلاوجہ کے غصے اور گریز کی بجائے آرام سے شاپنگ کا مرحلہ نمٹا لیں گیں تو زیادہ اچھا آپ کے لئے ہو گا ورنہ تکرار میں تو وقت اور زیادہ ہم دونوں کے بیچ ٹھہرا رہے گا جو آپ کو قطعی منظور نہیں ہو گا لہٰذا آیئے شاپنگ کرتے ہیں۔'' سکندر نے گاڑی چلاتے اور ایک بڑی سی بوتیک کے سامنے گاڑی روکتے ذائریہ سے آخری بات کہی ذائریہ نے کسی بھی قسم کا تماشہ بنانے سے بہتر دل میں بلا چون چرا سکندر کی بات ماننے کی ٹھانی وہ اس وقت اندرونی طور پر ویسے بھی رقم کے اپنے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہونے پر اپ سیٹ اور خاموش سی تھی اسی جائیداد کی وجہ سے اس کے ماں باپ اس سے چھین لئے گئے اور اسی جائیداد کو اس نے ہتھیانے کے لئے اسے کیسے کیسے حالات سے دو چار ہونا پڑا بینک میں ایک بار تو اس کا دل چاہا تھا کہ وہ ان پیسوں کو آگ لگا کر ہوا میں اڑا دے مگر زندگی جذباتیت سے کہا گزرتی ہے اس کا ادراک

ذائریہ کو بہت اچھی طرح سے ہو چکا تھا، شاپنگ اور وہ بھی ایک ناپسندیدہ ہستی کی موجودگی میں سے بھلا اس عمل میں کیا دلچسپی ہو سکتی تھی سکندر نے جو چیزیں اور کپڑے پسند کیے وہ بس اثبات میں سر ہلاتی رہی البتہ بڑی سی تھری ان ون بوتیک میں چلتے ایک نہایت ہی خوبصورت دیدہ زیب سفید کلیوں والے فراک پر اس کی نظر پڑی اور جب اس نے اس پر بیس ہزار کی لگی چٹ پڑی تو بے دلی سے آگے بڑھ گئی یہ جانے بغیر کے سکندر نے سیلز مین کو فوراً ہی سوٹ پیک کرنے کا اشارہ کر دیا ہے شاپنگ کے بعد واپسی کا طویل اور تھکا دینے والا سفر پھر سے شروع ہوا حویلی تک آتے آتے انہیں سہ پہر ہو چکی تھی سکندر نے شاپنگ بیگز جب پچھلی نشست پر رکھنے چاہے تو اس کی نظر بھی اس بوتل پر پڑی تھی جسے ذائریہ دیکھ چکی تھی ہاتھ بڑھا کر خاموشی اور جلدی سے اس نے بوتل پچھلی نشست کے نیچے لڑھکا دی تھی ذائریہ نے بیک دیو مرر میں اس کی حرکت دیکھ لی تھی گاڑی چلاتے ہوئے سکندر نے ٹیپ کا بٹن آن کیا تو نصیبولال کی آواز میں نہایت ہی ولگر گانا اپنی پوری بے شرمی کے ساتھ گونج اٹھا جسے سکندر نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر بند کیا۔

''رات کی خاموشی میں گٹار پر مدھر دھن سننے والا شخص دن کے اجالے میں اتنا گھٹیا اور واہیات گانا سنتا ہے؟ نہ جانے اس شخص کا اصل روپ کیا ہے۔'' ذائریہ یہ سوچ کر رہ گئی اور کچھ ہی دیر بعد اونگھنے لگی اور اب یہ کوئی سکندر سے پوچھتا کہ سوئے ہوئے معصوم حسن کو اپنی بانہوں میں بھرنے کی خواہش دبائے چھوٹی ٹوٹی پھوٹی سڑک پر ڈرائیونگ کرنا اتنا محال کیوں ہو رہا تھا۔

☆☆☆

گاڑی جیسے ہی حویلی میں آ کر رکی سکندر ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر فوراً باہر آیا اور باہر کی جانب جاتے ایک ملازم کو نہایت غصے سے آواز دے کر اپنی جانب آنے کا اشارہ کیا اس دوران ذائریہ بھی گاڑی سے اتر کر اندر جانے کی نیت سے قدم اٹھایا۔

''اوئے اخترے رات جب میں منصور کی مہندی میں گیا ہوا تھا تو پیچھے تو اس گاڑی میں بیٹھا تھا؟'' سکندر نے سخت لہجے میں پاس آتے ملازم سے استفسار کیا۔

''وہ...... وہ جی...... وہ چوہدری جی......'' ملازم ہکلا کر رہ گیا۔

''میں نے پوچھا رات میری گاڑی میں تو تھا؟'' سکندر نے مزید سخت لہجے میں پوچھا اس وقت اس پر جلال حاوی ہو چکا تھا یوں اچانک سکندر کے مزاج بدلنے پر ذائریہ حیران سی کھڑی رہ گئی۔

''جی۔'' نوکر نے گویا اپنا جرم قبول اس کا اتنا کہنا کہ سکندر نے آگے بڑھ کر اسے پیٹنا شروع کر دیا۔

''تیری جرأت کیسے ہوئی، بول بول کیسے ہوئی تیری جرأت؟'' سکندر نے نوکر کو مارتے ہوئے نہایت غصے سے کہا۔

''معاف کر دے دی، غلطی ہو گئی جی۔'' مار کھاتا اور ہاتھ جوڑتا نوکر، ذائریہ کو اس کی حالت پر بے تحاشہ ترس آیا اور سکندر کے رویے پر ایک بار پھر بے تحاشہ غصہ اور نفرت محسوس ہوئی، وہ متوحش زدہ سے اندر کی جانب بھاگی باقی ملازم بھی بے چارے نوکر پٹتا دیکھ رہے تھے۔

''آنٹی! آنٹی! انکل!'' ذائریہ نے اندر آتے ہی تیز آواز میں پکارنا شروع کیا، ایک نوکر کا اپنے مالک کی گاڑی میں بیٹھنا اتنا بڑا جرم ہے ذائریہ کو سکندر کی مالکانہ ذہنیت پر شدید تاؤ آ رہا تھا۔

''یا اللہ خیر کیا ہوا پتر؟'' آنٹی زلیخا جلدی سے دائیں جانب سے نمودار ہوئیں اور متوحش زدہ حالت میں یوں ان کو پکارتا سن کر گھبرائی اس کی جانب بڑھیں۔

''وہ...... وہ اسے مار رہا ہے نوکر کو پلیز اسے بچائیے ناں۔'' ذائریہ نے بے رابطہ انداز میں کہا اور زلیخا تیزی سے باہر کی جانب بڑھی ذائریہ وہیں ایک صوفے پر ٹک گئی اس صورت حال پر وہ پریشان ہو گئی تھی۔

''اچھا چل دفعہ کر اسے اپنی غلطی کی سزا مل گئی ہے غصہ تھوک دے چل جا اپنے کمرے میں چل جا میرا پتر۔'' آنٹی زلیخا کچھ ہی دیر میں سکندر کو بازو سے پکڑے اندر آئیں اور اسے اپنے کمرے کی جانب بھیج دیا۔

''کتنی بار کہا ہے ایک دم غصے میں آپے سے باہر نہ ہو جایا کر نہ جانے یہ غصے میں کس پر چلا گیا ہے۔'' آنٹی زلیخا نے بڑبڑاتے ہوئے جدی کچن کی جانب قدم بڑھایا جبھی ان کی نظر پریشان بیٹھی ذائریہ پر پڑی۔

''ارے پتر تو کیوں پریشان بیٹھی ہے اس نے حرکت ہی ایسی کی تھی کہ سکندر کو اس پر غصہ آنا ہی تھا خیر اتنے لمبے سفر سے آئے ہو تم دونوں جاؤ جا کر آرام کر لو۔'' آنٹی نے گول مول سی بات کرتے اسے تسلی بھرے انداز میں کہا اور ذائریہ خاموشی سی گیسٹ روم کی جانب بڑھ گئی تفصیل جان کر وہ سکندر کے متعلق اپنی کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار آنٹی زلیخا کے سامنے نہیں کرنا چاہتی تھی۔

عجیب ہے یہ شخص بظاہر کتنا پڑھا لکھا، کتنی اچھی صاف زبان میں انگریزی بولنے ولا اور اندر سے ایک ظالم، حاکمانہ طبیعت رکھنے والا زمین دار ذائریہ سکندر کی دہری شخصیت سے الجھ کر رہ گئی تھی، خیر مجھے کیا لگے بہت جلد میں اس شخص اور یہاں کے ماحول سے چھٹکارا حاصل کر لوں گی اور اس جگہ سے ہی نہیں اس ملک سے بھی ہمیشہ کے لئے چلی جاؤں گی اس نے اپنے اندر کیا فیصلہ ایک بار پھر دہرایا اور تھکاوٹ کے باعث جو اسے جسمانی اور ذہنی طور پر محسوس ہو رہی تھی بیڈ پر آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گئی۔

☆☆☆

کیا واقعی یہ کل والا ہی سکندر ہے جو ایک ملازم کو بری طرح زدوکوب کر رہا تھا محض اس وجہ سے کہ وہ اس کی گاڑی میں بلا اجازت بیٹھ گیا اگلے روز پرانی حویلی میں آنٹی زلیخا کے پاس بیٹھی ذائریہ نے سامنے ٹرالی پر کھڑے سکندر پر ڈالتے حیرانگی سے سوچا اس وقت وہ بالکل ایک دیہاتی نوجوان کی طرح خود سے بے خبر نوکروں کے ساتھ گندم کے دانوں سے بھری بوریاں ٹرالی میں رکھوانے میں مدد کر رہا تھا بلکہ خود ان کے ساتھ مل کر اٹھوا رہا تھا اتنی بھاری بوری اتنے آرام سے اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر رہا تھا کالی قمیض کے بازو حسب حال اس نے فولڈ کر رکھے تھے بوری اٹھاتے اس کے بازوں کے مسلز بہت نمایاں ہو رہے تھے۔

''آنٹی آپ تو شہر کی رہنے والی تھیں پھر تمام عمر گاؤں میں رہنے کا فیصلہ آپ کے لئے مشکل نہیں تھا؟ یا پھر آپ کے والدین نے آپ کی مرضی نہیں پوچھی؟'' ذائریہ نے اپنی توجہ بٹانے کے لئے پاس بیٹھی آنٹی زلیخا سے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا وہ انہیں دیہاتی اور مشکل کام اتنی مہارت اور آرام سے کرتے حیران تھی۔

''ارے نہیں بیٹا، شہر میں تو ہم لوگ ضرور رہتے تھے مگر گاؤں آنا جانا لگا رہتا مجھے گاؤں کا صاف پاکیزہ پرسکون ماحول زیادہ پسند تھا شروع

میں یہاں کے کاموں کو کرنے میں مشکل ہوئی پر میری ساس بہت ملنسار اور محبت کرنے والی خاتون تھیں بڑے پیار سے انہوں نے مجھے اپنے گھر کی حکمرانی سونپی اور یہاں کے کام سیکھنے میں بھرپور تعاون کیا تھا میرے سسر بھی مزاج کے اچھے تھے بس غصیلے ذرا زیادہ تھے یہ سکندر غصے میں اپنے دادا پر ہی پڑا ہے اور میری والدہ نے گاؤں کے سارے حالات بتا کر میری مرضی پوچھی تھی مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا وہ دونوں یہ جان کر بے حد خوش ہوئے تھے اور ویسے بھی یہاں کے ماحول اور ہمارے گھر کے ماحول میں کوئی نمایاں فرق بھی نہ تھا جو مجھے یہاں ایڈجسٹ ہونے میں دقت ہوتی چوہدری صاحب بھی بڑا خیال رکھتے ہیں شادی کے وقت ان کے خیالات جان کر میں نے ہامی بھری تھی اس شادی پر۔'' آنٹی زلیخا نے آخری بات قدرے شرمائے ہوئے ذائریہ کو جواب دیا۔

''کیسے خیالات؟'' ذائریہ نے دلچسپی سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کزن ہونے کے ناطے ہمارا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا باتوں ہی باتوں میں، میں ان کے خیالات سے کافی متاثر ہوئی تھی یہ اپنے گاؤں کی جہالت سے نکال کر ایک خوشحال گاؤں بنانے کے خواہش مند تھے اپنی تعلیم کا فائدہ یہ اپنے گاؤں کو دینا چاہ رہے تھے اور انہوں نے جو کہا وہ کر دکھایا گاؤں کی سڑکیں پکی کروائیں ڈسپنسری بنوائی ایک پرائمری سکول گرلز اور بوائز کا مڈل سکول بنوایا سب حکومت کی مدد کے ساتھ سکندر بھی اب ان کے کاموں میں آگے بڑھا رہا ہے زراعت میں ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ زرعی کاموں میں جدید اور نت نئے تجربے کرتا رہتا ہے ابھی کچھ دن پہلے اس نے مچھلی فارم بنوایا ہے ایک غیر موسمی سبزیوں کا کھیت بھی آباد ہے یہاں کے غریب لوگوں کو اپنے ہی گاؤں میں انہیں وہ کام زیادہ سے زیادہ مل سکے جنہیں وہ برسوں سے جانتے ہیں یہ ان کے لئے زیادہ بہتر ہے نا کہ شہر جا کر شہر کا بوجھ بڑھا کر مزدوری میں مر کھپ جائیں، ہم یہاں کے نوجوان کی تعلیم کے خلاف نہیں حاصل کرے مگر اپنے پرکھوں کی چھوڑی زمین چاہیے تھوڑی ہی سہی اس پر اپنی تعلیم کا استعمال کریں زراعت کی ترقی کے بارے میں پڑھے جانے اور اس پر عمل کر کے اپنے کھیتوں کو آباد کرے نا کہ نوکری کا خواب دیکھتے شہروں میں کہیں رل کھل کر رہ جائیں تمہیں پتہ ہے میں نے کتنے سالوں سے یہاں اپنے گھر سلائی کڑھائی کا ایک طرح سے سکول کھول رکھا ہے گو یہ ایک غیر رسمی ادارہ ہے مگر گاؤں کی لڑکیاں بہت سلیقہ مند اور سگھڑ بنتی ہیں اور پھر سلائی کڑھائی کے ساتھ ساتھ میں نہیں دیتی باتیں زندگی صفائی سے اور اچھے طریقے سے گزارنے کے طریقے بھی بتاتی رہتی ہوں ان سے ان کو بڑا فائدہ ہوتا ہے اگر ان میں سے کوئی اسے سمجھ جائے اور اس پر عمل کرے۔'' آنٹی زلیخا نے ذائریہ کو بتایا جو ان کی باتیں چپ چاپ سنتی رہ گئی تھی کیا واقعی بڑے زمین دار بھی ایسے خیالات کے حامل ہوتے ہیں بابا سے بھی اس نے ہمیشہ زمین داروں کے تنگ نظری اور اپنوں سے کمتر انسانوں کو ہر طرح سے دبا کر اپنا غلام بنائے رکھنے کے لئے ظالمانہ ہتھکنڈے کرتے ہی سنا تھا وہ ہمیشہ بہت بیزرایت سے گاؤں والوں کا ذکر کرتے تھے اور اس گھٹے ماحول سے تبھی تو نکل کر وہ شہر آن بسے تھے پھر میڈیا اور ٹی وی ڈراموں میں بھی اس نے یہی کچھ دیکھا تھا حقیقت کیا ہے وہ جواب وہ دیکھ رہی تھی یا وہ جس سے وہ بنا دیکھے واقف تھی۔

''اور اسی وجہ سے تو ہمارے اردگرد مخالفین زیادہ بن گئے خاص طور پر یہ ساتھ والے گاؤں کا ملک دلاور اور اس کے گاؤں کے لوگ یہاں آ کر کام کرتے ہیں ان کے بچے ہمارے گاؤں میں آ کر پڑھتے ہیں جو اسے گوارا نہیں اسی وجہ سے سکندر کے ساتھ اس کی لگی رہتی ہے پچھلے دنوں اپنی ملازمہ کو جبس بے جا میں رکھنے پر سکندر نے پنچائیت بلا کر اچھا خاصا ہنگامہ کھڑا کروا دیا تھا یہی کوڑ کم بخت نے دل میں رکھی ہوئی تھی بھری پنچائیت اپنے خلاف فیصلہ سن کر کم بخت نے دل ہی دل میں بدلے لینے کی ٹھانی تبھی تو اپنے ایک اشتہاری کامے سے سکندر پر گولی چلوا دی پر شکر ہے میرے بچے کی جان بچ گئی۔'' آنٹی زلیخا نے کچھ توقف سے سوچتی ذائریہ کو مزید معلومات فراہم کیں۔

''بی بی جی آپ کا کمرہ سیٹ ہو گیا ہے چھوٹے چوہدری نے کہا ہے کہ آ کر دیکھ لیں وہ کسی چیز کی کمی یا ضرورت محسوس کریں تو بتا دیں وہ شہر جا رہے ہیں لیتے آئیں گے جی ساتھ۔'' چھمو نے ذائریہ کے قریب آ کر اطلاع دی۔

''ہاں پتر جا دیکھ لو وہ اصل میں گندم لے کر شہر آڑھت پر جا رہے ہیں اس لئے سکندر نے کہا ہو گا۔'' زلیخا نے ذائریہ سے کہا اور ذائریہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی نئی کوٹھی میں بالائی منزل پر موجود اپنے کمرے کی جانب بڑھ آئی چھمو اس کے ساتھ پیچھے ہی کھڑی تھی جب ذائریہ نے کمرے کا دروازہ بے دلی سے کھولا اور کمرے کو دیکھ کر وہ ایک خوش گوار حیرت میں مبتلا ہو گئی۔

کمرہ جدید انداز میں پنک اور فون کلر کے امتزاج کے ساتھ سجایا گیا تھا پنک کلر کا ڈیکو پینٹ کیا فرنیچر جس کے کنارے ہلکے گولڈن کلر میں رنگے گئے تھے بہت اچھا لگ رہا تھا، بلیک کلر کا کمپیوٹر، میوزک سسٹم ایک بک ریک چھوٹا سا گلابی ریشمی کور کا صوفہ گلابی پردے، فون کلر کا قالین اور اسی رنگ کی دیواریں سنگل نرم بیڈ کونے میں بڑے سے فرشی گلدان میں سجے پرپل اور پنک پھول بالکونی میں کھلتی کھڑکی پر ڈبل ریشمی پنک پردے اور حویلی کی جانب کھلتی کھڑکی پر ڈبل پردے تین پاٹوں والی الماری۔

''کمرہ پسند آیا جی؟'' چھمو نے خوش گوار تاثرات کے ساتھ جائزہ لیتی ذائریہ سے پوچھا۔

''ہاں بہت یہ کس نے ڈیکوریٹ میرا مطلب سجایا ہے تم تو بہت اچھا کمرہ سجاتی ہو۔'' ذائریہ نے ستائشانہ لہجے میں چھمو سے کہا۔

''نئیں جی میں بھلا جاہل گنوار کیا جانوں کمرے کو سجانا یہ تو جی چھوٹے چوہدری نے خود سامان لا کر اپنی موجودگی میں سیٹ کروایا تھا کل شہر جانے سے پہلے باقی جو کام رہ گیا تھا وہ صبح کروایا ہے انہوں نے، کہا کہوں جی انہیں آپ کو ان کا سیٹ کیا کمرہ بہت پسند آیا ہے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔'' چھمو نے جلدی سے ذائریہ کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے کہا۔

''آں...... ہاں بس اتنا کہہ دینا کسی چیز کی ضرورت نہیں۔'' ذائریہ نے جلدی سے چھمو سے کہا۔

''اور سنو میرا گیسٹ روم میں سے سامان وغیرہ لا کر الماری میں سیٹ کر دیا، میں آنٹی کے پاس جا رہی ہوں۔'' ذائریہ اتنا کہہ کر جلدی سے کمرے سے نکل گئی اور اپنے ہی دھیان میں سیڑھیاں اترتی ذائریہ اوپر چڑھتے سکندر سے بمشکل ٹکرانے سے خود کو بچاتی پہلو تہی کر کے اس نے نکل جانا چاہا جب سکندر آگے بڑھ کر اس کے راستے کو مسدود کیا اور ذائریہ کو چھیڑنے والے

انداز میں مخاطب کیا۔
''ویسے ڈاکٹرنی جی شہری لوگ سوری، تھینک یو جیسی باتوں کے دلداہ ہوتے ہیں ایسا نہ کرکے تو آپ خود کو مجھ جیسے پینڈو کے ساتھ ملا رہی ہیں میرا مطلب ہے کمرے کو اتنی محنت سے سیٹ کروانے پر یہ بندہ آپ کے منہ سے ایک عدد شکریے کے ادا ہونے کی امید رکھتا تھا۔''
''تھینک یو!'' ذائریہ لٹھ مار انداز میں کہہ کر جانا چاہا جب سکندر نے پھر روکا۔
''بس!''
''بہت بہت نوازش، شکریہ آپ نے واقعی بہت اچھا کمرہ سیٹ کروایا ہے میں آپ کی بہت مشکور ہوں۔'' ذائریہ نے طنزیہ اور قدرے غصیلے لہجے میں کہا اسے سکندر کا یوں روکنا اب کھلنے لگا تھا۔
''Mention not ویسے میرا کمرہ اس سے بھی زیادہ خوبصورت سیٹ ہوا ہے اگر آپ......'' ذائریہ تیزی سے جھک کر سکندر کی سائیڈ سے ہو کر سیڑھیاں اترتی چلی گئی اور سکندر ہلکا سا قہقہہ لگا کر رہ گیا۔

☆☆☆

لنچ کے بعد جب ذائریہ یونہی موروں کے پنجرے کے پاس جا کھڑی ہوئی اور دلچسپی سے سفید مورنی کو دیکھ رہی تھی تو آنٹی زلیخا نے برآمدے میں آکر اسے آواز دی۔
''جی آنٹی!'' وہ تیزی سے لان عبور کرکے ان تک پہنچی۔
''دھی رانی اتنی گرمی میں وہاں کھڑی کیا کر رہی ہو اتنی نازک سی ہو، وہ سکندر پتر کا فون آیا تھا فضلو کو ہسپتال سے فارغ کروا کر یہاں اس کے گھر لے آئے ہیں وہ لوگ سکندر تو واپس شہر آڑھت پر چلا گیا ہے گندم تولوانی ہے ہم تھوڑی دوپہر ڈھلے تو جائے گے اس کے گھر خیر خیریت معلوم کرنے۔'' آنٹی زلیخا نے اسے اطلاع دی۔
''جی!'' ذائریہ نے مختصر سا جواب دیا۔
''چھمو تمہیں تیار ہونے میں مدد کروائے گی میرا مطلب ہے کپڑے کون سے پہن کر جانے ہیں اس میں تمہاری مدد کروائے گی چوہدریوں کی نو پورے گاؤں کی نو ہے تمہاری اس کے گھر آمد پر کئی عورتیں تمہیں دیکھنے اور ملنے کے لئے آ جائیں گی اس وجہ سے بظاہر بیٹا یہ بہت عام سی باتیں ہیں لیکن بہت خاص ہوتی ہیں۔'' زلیخا آنٹی نے ذائریہ کو سمجھایا اور وہ خاموش سے اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی وہ سکندر کے حوالے سے پہچانی جائے یہ اسے گوارا تو نہیں تھا مگر ان لوگوں کے حسن سلوک پر وہ اول روز سے کہہ چکی تھی کہ جتنے دن یہاں رہنا ان دو ہستیوں کی حتیٰ الامکان دل آزاری کرنے سے خود کو روکے رکھنا ہے انہوں نے ذائریہ کی ہر بات مانی تھی یوں علیحدہ کمرے میں رہنے پر ہلکی سی بھی شکن کسی کے ماتھے پر نہ آئی تھی نہ جانے انہوں نے سکندر کو بھی کس طرح سمجھایا تھا کہ اس نے بھی پہلی رات غصے کرنے کے بعد اپنی منکوحہ ہونے اسے دوبارہ جتایا نہیں تھا البتہ سب کے سامنے آتے جاتے وہ بڑے عام طریقے سے اسے مخاطب کر لیتا تھا جیسے ان کے درمیان بہت خوشگوار تعلق قائم ہوا اور آتے جاتے اپنی ذومعنی نظروں اور باتوں سے اسے نروس بھی کر ڈالتا تھا جسے وہ ماحول میں کسی قسم کی بدمزگی جنم نہ لے کی وجہ سے سہہ رہی تھی، لیکن اس پیشتر کہ وہ اس کی قائم کردہ حد سے بڑھتا وہ یہاں سے چلی جانا چاہتی تھی ڈاکٹر ابراہیم سے بھی اس سلسلے میں بات ہو چکی تھی اس کے باہر اسپیشلائزیشن جانے کے سلسلے میں انہوں نے کافی اس کی حوصلہ افزائی کی تھی قطع نظر اندرونی باتوں سے باخبر ہوئے انکل نواز کو بھی وہ پاسپورٹ وغیرہ بنوانے کا کہہ چکی تھی ایک پل کو تو وہ خاموش رہے تھے جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں مگر پھر انہوں نے رضامندی میں سر ہلا دیا تھا اس لئے اب وہ باقی کا وقت ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بتانے کا فیصلہ کر چکی تھی سکندر اس سلسلے میں خاموش ہی تھ نہ جانے کیوں، یہ سب سوچتے ہوئے ذائریہ نے ہلکا پھلکا میک اپ کیا کانوں میں سونے کے چھوٹے سے ٹاپس اور دو خوبصورت گولڈن چوڑیاں کلائی میں سجائی تھیں سوٹ بھی اس نے بے حد نفیس چائنا سلک کا پنک رنگ کا زیب تن کیا تھا جس پر سفید مومی موتیوں کا ہلکا سا کام کیا گیا تھا اس روز سکندر نے ہی اسے شاپنگ میں یہ خرید کر دیا تھا چھمو اس کی مدد کے لئے کمرے میں ہی موجود رہی تھی۔
''بس بیٹا اب یہاں سے آگے پیدل ہی جانا ہوگا، کافی تنگ گلیاں ہیں آ جاؤ شاباش۔'' گاڑی گاؤں کے کچے پکے بل کھاتے گلیوں سے گزر کر قدرے کشادہ جگہ پر رک گئی تھی آنٹی زلیخا نے گاڑی سے اترتے ہوئے ذائریہ سے کہا اور ان کی سنگت میں وہ بھی گاؤں سے اتر آئی چھمو اور گلو پھل فروٹ کے ٹوکرے، دیسی تین عدد مرغیاں، دودھ وغیرہ جیسی لوازمات پکڑ کر ان کے ساتھ تھے فضلو کا گھر کئی تنگ گلیوں سے ہوتا قدرے فاصلے پر تھا ذائریہ کا تو سر ہی گھوم گیا تھا چلتے چلتے اور اچانک مڑتی تنگ گلیوں کے موڑ مڑتے ایک وقت میں ایک ہی انسان اس گلی میں سے گزر سکتا تھا۔
''توبہ فضلو یہاں تک کیسے آیا ہوگا۔'' ذائریہ نے سوچا اس کا اس گاؤں کو اتنے قریب سے دیکھنے کا یہ پہلا اتفاق تھا کچے پکے گھر، کئی کھلے دروازوں سے جھانکتی زندگیاں مٹی میں اٹے بچے، بھری گندی بہتی نالیاں کچھ میلی کچیلی عورتیں تو حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھیں اور چوہدرانی کو جلدی سے سلام کرنے گھر کے دروازوں میں آ کھڑی ہوئی تھیں اور ذائریہ کو آنکھوں میں حیرت سموئے دیکھ رہی تھیں، آنٹی زلیخا بڑے آرام سے نرمی سے ان کے سلام کا جواب دیتیں فضلو کے گھر جا پہنچی تھیں۔
''یہ اس گاؤں کا سب سے زیادہ پسماندہ ایریا ہے۔'' آنٹی نے دروازے سے داخل ہوتے پیچھے آتی ذائریہ کو معلومات پہنچائی تھی پینو اس گھر میں آتا دیکھ کر استقبال کے لئے آگے بڑھی دو کمروں پر مشتمل یہ ایک نہایت ہی چھوٹا اور عام سا گھر تھا ذائریہ شرمندگی کے باعث پینو سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی اس کی وجہ سے فضلو کی یہ حالت ہوئی تھی لیکن وہ دونوں میاں بیوی تو ان کے یوں آنے پر بے حد خوش اور نہال ہوئے جا رہے تھے ذائریہ نے خود آگے بڑھ کر فضلو کا چیک اپ کیا خوراک اور دوائی کے بارے میں پینو کو اچھی طرح سے سمجھایا کچھ دیر بیٹھ کر واپسی کا پھر دشوار پیدل سفر شروع ہوا ایک جگہ پر تو نالی کے بھر جانے سے سارا پانی باہر بہہ کر اس جگہ کو اچھا خاصا کیچڑ بنا رہا تھا ذائریہ کو وہاں سے گزرنا محال لگا جبکہ دو چھوٹے بچے اسی کیچڑ میں ایک دوسرے پر پانی اچھال کر کھیل رہے تھے۔
''ارے یہ تو بہت گندا پانی ہے اس میں کھیل کر تو بیمار ہو جائیں گے۔'' ذائریہ بے ساختہ بولی۔
''اوہ جی یہ ان کے لئے وہ تالاب ہے جو ہماری حویلی کے باغ میں بنا ہوا ہے کچھ نئیں ہوتا جی ان کو۔'' چھمو نے ساتھ آتے تبصرہ کیا۔
''ان کی ماں کہاں ہے آکر اٹھا کر لے جائے ان کو۔'' ذائریہ نے چھمو کا ہاتھ پکڑ کر وہ

گندا راستہ عبور کرتے ہوئے کہا۔

''ماں باپ کھیتوں پر کام کرنے گئے ہوں گے، اتنے بچے ہیں ان لوگوں کے جی ان کو فرق نہیں پڑتا ایک آدھ کے بیمار ہو جانے سے۔'' چھمو نے تلخ تجزیہ پیش کیا ذائریہ اردگرد جہالت اور غربت میں جیتی زندگیوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی چھوٹے چھوٹے جوہڑ جن پر مچھر، مکھی کی خوب افزائش ہو رہی تھی۔

''بیماریاں بہت آسانی سے ایسے ماحول میں پنپ رہی ہوں گی اور ان لوگوں کو اس کی پرواہ بھی نہیں بس ماحول کو صاف ستھرا رکھ کر یہ کتنی عام بیماریوں سے مگر جان لیوا بیماریوں سے خود کو بچا سکتے ہیں کاش کوئی ان کو یہ سکھائے۔'' ذائریہ نے گاڑی میں بیٹھے سوچا۔

''کون سکھائے گا، تم جیسے ڈاکٹر جو گاؤں آتے ہی نہیں اور اگر آجائیں تو شہر یا باہر کے ملک بھاگ جاتے ہیں۔'' کوئی اس کے اندر تلخ گوئی کرتے اسے آئینہ دکھا گیا تھا اور ذائریہ خاموش بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

ذائریہ کسی مدھر آواز پر چونک کر اٹھی تھی کچھ دیر یونہی بیڈ پر لیٹے وہ آواز کو سنتی رہی رات کافی بیت چکی تھی اس کا احساس ہو رہا تھا اسے کوئی گٹار پر دھیما سر میں کوئی گانا بجا رہا تھا اور خود بھی گنگنا رہا تھا ذائریہ یونہی اٹھ کر باہر ڈریم گارڈن میں کھلنے والی بالکونی میں آ کھڑی ہوئی ہر سو رات کا سناٹا اور بڑھتے چاند کی ہلکی ہلکی ٹھنڈی چاندنی پھیلی ہوئی تھی ہوا بند تھی مگر جس کا احساس شدید نہ تھا۔

تیرا بنا جیا نہیں جائے
تو ہر سانس میں، ہر آہ میں
تو میرے ہر اک احساس میں ......

ذائریہ نے اپنے بائیں جانب دیکھا تو وہ دوسری بالکونی میں گٹار بجاتے گنگنا رہا تھا اس کی آنکھوں کی بینائی کمزور نہ تھی جو وہ چاند کی مدھم روشنی میں سکندر کو پہچان نہ پاتی ویسے بھی اس کے کمرے سے آتی ہلکی سی روشنی میں اس کا سراپا واضح تھا گٹار پر دھن بجاتے وہ ایک ہی مصرعہ کی گردان کر رہا تھا ذائریہ کی جانب اس کی قدرے پشت تھی اور پھر اسے مصرعے کی گردان کرتے، گٹار ہلکے ہلکے بجاتے اس نے اچانک پیچھے مڑ کر ذائریہ کی جانب دیکھا تھا ذائریہ کو قطعی امید نہیں تھی کہ وہ یوں اچانک خاموشی سے گانا سنتی ذائریہ کی چوری پکڑے گا ذائریہ تیزی سے اپنے کمرے میں پلٹ گئی تھی اور بیڈ پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگی تھی اپنے دل و دماغ کو اس نے سکندر کے متعلق سوچنے پر پابندی لگانی چاہی اس میں وہ کتنی کامیاب ہوئی یہ اس سے بہتر کون جانتا تھا گٹار اور گنگنانے کی ہلکی ہلکی آواز اب بھی اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی باوجود اس کے کہ اس نے نرم تکیہ اپنے کانوں پر رکھا ہوا تھا اور پھر دل و دماغ کی لڑائی میں وہ نہ جانے کب سو گئی۔

☆☆☆

صبح وہ تھوڑی دیر سے بیدار ہوئی اور سست قدم اٹھاتی بالکونی میں صبح کی تازگی کو محسوس کرنے آ کھڑی ہوئی جب لانمیں بلیک بنیان اور بلیک ٹراوزر میں ملبوس سکندر کو اس نے ورزش کرتے دیکھا سکندر کی اس کی کھڑکی کی جانب بیک تھی اور وہ ورزش کرنے میں مگن تھا۔

''ہوں تو اس لئے اس کا جسم اتنا فٹ ہے ہر وقت تو خود کو کام میں مصروف رکھتا ہے اور پھر ایکسٹرا ورزش بھی، ویسے یہ شخص بھرپور مردانہ وجاہت کا پیکر ہے اس میں کوئی شک نہیں۔'' دل نے سرگوشی کی تھی رات کی جنگ جیت کر ذائریہ کا

دل شیر ہو گیا تھا۔

''ہونہہ باطن اچھا نہ ہو تو ظاہر کا کیا کرنا اور تمہیں خواہ مخواہ اس قسم کی فضول باتیں سوچنے کی ضرورت نہیں۔'' ذائریہ نے دل کی بات رد کرتے اسے جھڑکا اور تیزی سے کمرے میں چلی آئی اس بات سے انجان کہ اسی وقت مڑتے سکندر نے اس کی بالکونی کے پردے جنبش کرتے دیکھ لئے تھے اور وہ چند پیشتر پہلے کی اس کی موجودگی سے باخبر ہو گیا تھا اس کی گھنی مونچھوں تلے لب مسکائے تھے اور پھر وہ جاگنگ میں مصروف ہو گیا۔

''اندر آجاؤ، کون؟'' دروازے پر ہلکی سی دستک پر ذائریہ نے کہا یہ دستک چھمو کی تھی اسے اندازہ تھا۔

''بی بی جی! چوہدرانی جی نے کہا ہے کہ آج ناشتہ پرانی حویلی میں ہوگا الو کے پراٹھے بنا رہی ہے نا وہ سب لوگ وہی پر ناشتہ کریں گے آپ بھی منہ ہاتھ دھو کر ادھر ہی آجائے۔'' چھمو نے کمرے میں آ کر اطلاع دی اور ذائریہ کا اثبات میں ہلاتا سر دیکھ کر واپسی کے لئے مڑ گئی۔

تیرے بنا جیا نہیں جائے ......

پرانی حویلی میں وہ گنگناتا داخل ہوا تھا ابھی تک وہ ورزشی لباس میں تھا فرق اتنا تھا کہ اب اس نے اپنے دونوں چوڑے کندھوں پر سفید تولیہ رکھا ہوا تھا ذائریہ نے اس سے نظریں چرائیں اور پیڑھی کا رخ چولہے کی جانب کر کے بیٹھ گئی۔

''پتر تو ابھی نہایا نہیں؟'' زلیخا آنٹی نے مہارت سے الو کے پراٹھے پکاتے ہوئے مصروف انداز میں سکندر کو ٹوکا۔

''بس ماں جی جا رہا ہوں آج ٹیوب ویل پر تاری لگانے کا ارادہ ہے اس لئے۔'' سکندر نے آگے بڑھتے جواب دیا شرارت آمیز لہجے میں ایک بار پھر گنگنایا۔

''ہوں حبس زیادہ ہو رہا ہے لگتا ہے آندھی اور بارش آئے گی۔'' زلیخا آنٹی نے تبصرہ کیا۔

''آنٹی آپ کو کیسے پتہ؟'' ذائریہ نے پوچھا۔

''پتر زندگی کے تجربے یہ سکھا دیتے ہیں جب حبس اور گھٹن بڑھ جائے تو رب سوہنا اسے دور کرنے کا سبب پیدا کرتا ہے بارش کی صورت میں اور انسان کے اندر کی گھٹن کو آنسوؤں کی صورت میں۔''

''چھوٹے چوہدری جی! چھوٹے چوہدری جی!'' ایک ملازم باڑے کی جانب سے بھاگتا آیا اور نئی کوٹھی کی جانب سکندر کو پکارتا بڑھا۔

''اوے کیا ہویا ایہہ (کیا ہوا ہے؟) سکندر ٹیوب ول، ول گیا ای (سکندر ٹیوب ویل کی طرف گیا ہے)۔'' آنٹی زلیخا نے اس کے گھبرائے انداز پر جلدی سے پوچھا سکندر بھی اس کی آواز سن کر شاید ادھر ہی آ رہا تھا۔

''اوہ کیا ہوا ہے؟'' سکندر آگے بڑھا۔

''وہ جی چوہدری جی......'' نوکر اٹکا۔

''اوہ بول بھی۔'' سکندر جھلایا۔

''وہ جی رانی کی طبیعت بڑی خراب ہو گئی ہے لمبے لمبے سانس کھینچ رہی ہے۔'' نوکر نے اطلاع دی اور سکندر دوسری جانب بنے اصطبل کی جانب بھاگا۔

''یا اللہ خیر۔'' آنٹی زلیخا بھی گھبرا اٹھی اور جلدی سے توے سے پراٹھا اتار کر توا بھی چولہے سے اتار دیا۔

''نی چھمو وڈے چوہدری کیھتے نیں۔'' کسی کام سے گزرتی چھمو سے آنٹی زلیخا نے تیزی سے پوچھا۔

''وہ تو جی مردان خانے میں منشی جی کے

ساتھ حساب کتاب دیکھ رہے ہیں۔" چھمو نے رک کر جواب دیا۔

"جا جلدی سے جا انہیں کہہ کے پنڈ کے ڈنگر ڈاکٹر کو فون کر کے بلائے رانی کی طبیعت خراب ہو گئی ہے جلدی جا۔" آنٹی زلیخا نے ہدایت جاری کی۔

"آنٹی یہ رانی وہ گھوڑی ہے ناں۔" رانی کی خراب طبیعت کا سن کر جس طرح سے سب لوگ پریشان گھبرائے ہوئے تھے ذائریہ نے حیران ہوتے تصدیق چاہی۔

"ہاں بیٹا لیکن سکندر کی جان ہے اس میں بڑی پیاری ہے اسے اور بڑا جذباتی ہے اس کے لئے ولایت جانے پر وہ ہم لوگوں سے دور پر اتنا افسردہ نہیں تھا جتنا رانی کے گلے لگ کر رویا تھا، لڑکپن کا ساتھ ہے اس کا اور بڑی وفادار اور سکندر پر جان دیتی ہے ایک دفعہ ایک بڑے زہریلے ناگ نے کچے راستے پر راہ روک لیا تھا رانی نے اپنے سموں سے مار ڈالا تھا اسے کسی بات کی پرواہ کیے بغیر بس جب سے بچہ جنا ہے ٹھیک نہیں ہے اس کی طبیعت۔" آنٹی زلیخا نے ذائریہ کو جلدی جلدی معلومات فراہم کر کے اس کی حیرت دور کرنی چاہی اسی وقت سکندر ایک سفید خوبصورت گھوڑے کی باگ پکڑ کر بمشکل اسے چلاتا باہر کی جانب آیا۔

"ٹریکٹر ٹرالی نکالو، فضلے ٹریکٹر سٹارٹ کر اور ٹرالی کا رخ موڑ کر ادھر لا، ماں جی میں رانی کو شہر ہسپتال لے کر جا رہا ہوں اس کی حالت ٹھیک نہیں۔" سکندر نے کسی نوکر کو تیز لہجے میں ہدایت دیتے آنٹی زلیخا کو بھی اطلاع دی جو چبوترے سے اتر کر تھوڑا سا آگے بڑھی تھیں اور ذائریہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی تبھی گھوڑی اچانک گر گئی اور بیرونی بڑے سے گیٹ سے چوہدری رب نواز اور ایک آدمی تیزی سے اندر آئے اور گھوڑی کی جانب بھاگے سکندر اس پر جھکا ہوا تھا۔

"اوئے جلدی کرو اوئے تم سارے بندے ادھر آؤ اسے اٹھا کر ٹرالی میں ڈالنا پڑے گا۔" سکندر چلایا۔

"نئیں پتر اب اس کی ضرورت نہیں۔" انکل رب نواز نے سکندر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے کہا اور ایک بندوق لئے نوکر کی جانب بندوق لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا، ذائریہ، آنٹی زلیخا کے ساتھ چھوٹی دیوار کے پاس کھڑی قریب سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

"نئیں بابا جی نئیں۔" سکندر نے بندوق چھیننے والے انداز میں تیزی سے کہا۔

"پتر ضروری ہے، وہ تکلیف میں ہے، زہر پھیل گیا ہے اس کے بدن میں، بہت اذیت میں ہے وہ اس کی اذیت دور کرنی ہو گی ورنہ تڑپتی رہے گی۔" انکل رب نواز نے بھی تیز لہجے میں کہا۔

"تو پھر یہ کام مجھے کرنے دیں۔" اتنا کہہ کر سکندر نے بندوق گھوڑی کی جانب کی اور فائر کرنے کے لئے آنکھیں بند کیے خود پر جبر کیے بے حد قوت صرف کرتے فائر کرنے کے لئے خود کو تیار کیا ذائریہ نے یہ تمام منظر ہراساں نظروں سے دیکھا۔

"پتر گولی چلا۔" چوہدری رب نواز نے سخت لہجے میں چلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھاہ، ٹھاہ، ٹھاہ۔" گھوڑی کی گردن کے پاس دو فائر مارنے کے بعد سکندر نے آسمان کی جانب نال کا رخ کرتے پوری بندوق ہوائی فائر کرتے خالی کر ڈالی اور پھر مڑ کر بندوق کو دور پھینکتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر تیزی سے مارنے شروع کر دیے اس وقت وہ بالکل بچوں کی طرح رو رہا تھا، چوہدری اور دو ملازم اور تیزی سے اسے قابو کرنے کے لئے بڑھے وہ اس وقت بالکل آپے سے باہر ہو رہا تھا ذائریہ تو یہ تمام منظر دیکھ کر حیران پریشان کھڑی رہ گئی تھی وہ تقریباً اسے گھسیٹتے ہوئے باہر کی جانب بنے مردان خانے میں لے گئے اور ساتھ ہی رانی کو زمین کھود کر اس میں دفنانے کا بھی کہہ گئے نوکر تیزی سے رانی کے مردے وجود کو اٹھانے بڑھے اس وقت یہ جذباتی منظر دیکھ کر سب کی آنکھیں اشکبار تھیں آنٹی زلیخا روتی ہوئی ذائریہ کو ہمراہ لئے نئی کوٹھی کی جانب بڑھ گئیں، وہ سارا دن بے حد خاموش اور افسردہ سا گزرا ہر کوئی اپنی جگہ چپ چپ سا تھا ذائریہ کا پھر سکندر سے سامنا نہیں ہوا۔

"ایک شخص جو اپنے پالتو، وفادار جانور کے بارے میں اتنا جذباتی ہو وہ ایک ملازم کو محض اس لئے بری طرح سے پیٹ ڈالے کہ اس نے بغیر اجازت اس کی گاڑی میں بیٹھنے کی جرأت کی اور ایک ملازمہ کی عزت لینے کے در پر ہو جائے؟ یہ شخص اصل میں ہے کیا؟" ذائریہ کے دماغ میں اس طرح کے سوال چکراتے رہے اور سوالوں سے گھبرا کر وہ نیچے گارڈن میں جھولا لینے چلی آئی تبھی ایک دم سے کالی گھن گھور گھٹا اٹھی اور ہر سو جل تھل ہو گیا ذائریہ کو املتاس کے پیڑ پر ڈالے جھولے پر جھولا لیتے اور بھیگنے کا بہت لطف آ رہا تھا اور وہ چیز سے بے نیاز جل تھل ہوتی بندوں میں خود کو ڈبوتے ہوئے تھی موروں نے بھی بلی سے مشابہ اپنی آواز میں شور مچا دیا تھا راج ہنس کا جوڑا تالاب میں تیرتا اپنے پروں سے بارش کی تیز بوندوں کو جھٹک رہا تھا تبھی خود میں مگن ذائریہ کی چھٹی حس نے اسے کسی انہونی کا احساس دلایا اور سامنے بالکونی میں بارش میں بھیگتا سکندر اسے نظر آیا اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے دیوار سے قدرے ٹیک لگائے بارش کی بوچھاڑ میں بھیگتا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا بجلی کڑکی اور ذائریہ دیوار سے کود کر اتری اور بھاگتی ہوئی کوٹھی میں داخل ہوئی اس وقت اس کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا وہ جلد از جلد اپنے کمرے میں جا کر اپنی کیفیت سمیت چھپ جانا چاہتی تھی، دماغ میں ہلکی ہلکی سنسناہٹ ہو رہی تھی، تیزی سے زینہ چڑھتے اسے اس بات کا خوف تھا کہ سکندر اپنے کمرے سے نکل کر اس کا راستہ نہ روکے اور ہمیشہ کی طرح اپنی سحر انگیز آنکھوں سے ان باتوں کا اظہار نہ کرنے لگے جو وہ زبان سے نہیں کرتا تھا اس وقت وہ جس لمحاتی جذباتی کیفیت سے دوچار تھی آنے والی صورت حال کا سوچ کر اسے ڈر تھا کہ آج اس کی مزاحمت کمزور نہ پڑ جائے اور وہ خود کو کمزور پڑنے نہیں دینا چاہتی تھی تیز رفتاری سے اس نے تمام راستہ طے کیا اور کمرے میں آ کر دم لیا، دستک کی آواز پر وہ اچھل ہی پڑی۔

"ک...... کون؟" متوقع صورت حال کا سوچ کر وہ نروس ہو گئی تھی اور آنٹی زلیخا کو کمرے میں آتا دیکھ کر سینے میں رکی سانس اس نے دھیرے سے خارج کی تھی۔

"آج تو صبح کے بعد تم سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی، کچھ عورتیں گئیں، ساتھ والی گاؤں کہیں ملنے کے لئے پھر کچھ حویلی کے کام پڑے تھے گندم وغیرہ اٹھوانی تھی بارش کے ڈر سے اور اب شام کو میں ادھر سے فارغ ہو کر آئی تو سوچا اپنی بیٹی کو دیکھ لوں، سویرا کا فون آیا تھا وہ آج تم سے آن لائن بات کرے شاید۔" آنٹی زلیخا نے ایک ہی سانس میں ساری باتیں بتاتے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا اور ذائریہ جو لباس تبدیل کر کے گم صم بیٹھی تھی ان کی آمد پر مسرور ہو اٹھی وہ خاص

طور پر گھٹنوں میں درد کے باوجود اس کے لئے سیڑھیاں چڑھ کر آئی تھیں ذائریہ کو ان کے پیار پر پیار آیا۔

''جی! سویرا آپی سے میری ابھی تک بات نہیں ہو سکی، آپ مجھے نیچے ہی بلا لیتیں۔'' ذائریہ نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ایک دو بار فون آیا تھا تمہارے لئے مگر اس وقت تم سو رہی تھی میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا جس وقت ان کا دن ہوتا ہے ہماری رات، وقت کا کافی فرق ہے۔'' آنٹی زلیخا نے کہا۔

''وہ دوبئی میں رہتی ہیں ناں۔'' ذائریہ نے وقت بات سوچتے ہوئے پوچھا اور اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر آنٹی زلیخا نے اسے تمام تفصیل سے آگاہ کیا۔

''سویرا کی شادی اپنی پھپھو کے گھر ہوئی ہے وہ سب لوگ شروع سے دوبئی میں ہی سیٹل ہیں تمہاری پھپھو کا سسرال وغیرہ بھی کافی بھرا پرا سسرال ہے سویرا کا اور اس کی پھپھو کا سویرا کا یہاں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بڑی اچھے عہدے پر ہے اس کی ٹرانسفر امریکہ ہو گئی ہے ابھی کچھ دن پہلے ہی شفٹ ہوئے ہیں پچھلے دنوں معمولی سا کار ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا شکر ہے بچت ہو گئی تمہارے انکل اور میں گئے ہوئے تھے دوبئی اس کے پاس سال دو سال بعد چکر لگ جاتا ہے ہمارا پھر ہم نے کہا کہ اب تو وہ امریکہ چلے جائے گے وہاں جانا آنا مشکل ہو گا تبھی سکندر کو خوانخواستہ گولی لگنے کی اطلاع اور ہمیں جلد واپس آنا پڑا، پانچ سال ہو گئے ہیں شادی کو بہت خوش ہے بہت اچھا ہے اس کا یہاں بیٹا ہے ایک چھوٹا سا اور اب اللہ خیر رکھے دوسری خوشخبری کی بھی امید ہے امریکہ شفٹ ہوتے ہی اس کا ارادہ واپس تم سے ملنے کا تھا مگر ابھی اس کے لئے ناممکن نہیں اتنا سفر اور دن رات شفٹنگ اور سیٹنگ کا کام طبیعت کچھ خراب ہے اس کی ڈاکٹر نے ہر قسم کا سفر بند کر دیا ہے بیڈ ریسٹ پر ہے شکر ہے اس کی ساس اس کے ساتھ گئی ہے وہی سنبھال رہی ہے پہلے تمہاری اور سکندر کی شادی میرا مطلب نکاح کا سن کر اس نے کہا تھا کہ وہ فون پر نہیں خود آ کر تم سے ملے گی اور اب یہ قدرے مشکل ہے ولیمہ وغیرہ بھی اس کے آنے پر ہونا تھا پر اللہ جو بہتر سمجھے۔'' آنٹی زلیخا نے تمام تفصیل سے آگاہ کیا اور باتوں کا رخ اپنے نکاح کی جانب مڑتا دیکھ کر ذائریہ نے جلدی سے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

''آنٹی یہاں لائٹ نہیں جاتی، دیہی مرکز صحت تو آتی ہی نہیں تھی اتنی بارش کے باوجود لائٹ آ رہی ہے۔''

''ارے بیٹا وہ سکندر نے گوبر سے بننے والی گیس کا پلانٹ لگوا رکھا ہے اسی گیس سے لائٹ اور نیچے کچن میں گیس آتی رہتی ہے۔'' آنٹی زلیخا نے اس کی بات کا جواب دیا۔

''سکندر کا بھی تمہیں پتہ ہے صبح کیا حالت تھی بڑی مشکل سے اس نے سنبھالا ہے خود کو میرا بیٹا جتنا جذباتی اور شدت پسند ہے اتنے ہی مضبوط اعصاب کا مالک ہے کچھ ہی دیر بعد اپنی تمام جذباتیت کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے اور بظاہر بالکل نارمل اور پرسکون نظر آنے لگتا ہے بس آج تو دل اس کی طرف سے بھی پریشان رہا رانی کا بڑا دکھ ہے اسے بلکہ ہم سب کو۔'' آنٹی نے تبصرہ کیا اور ذائریہ محض جی میں سر ہلا کر رہ گئی۔

''وہ جی چھوٹے چوہدری نے بی بی جی کو اپنے کمرے میں بلایا ہے سویرا بی بی کمپیوٹر سے بات کر رہی ہے جی جلدی سے آ جائیں۔'' چھمو نے کمرے میں آ کر جلدی سے اطلاع کی وہ گویا یہاں کی ملازموں پر ہیڈ تھی چالیس پینتالیس سال کی عمر کی نہایت قابل اعتبار ملازمہ تھی زیادہ تر وہی نئی کوٹھی میں پائی جاتی تھی اور اس کا شوہر باڑے میں کام کرتا تھا۔

''اوہ اچھا اچھا، جاؤ بیٹا تم بات کر آؤ سویرا سے۔'' آنٹی زلیخا نے جلدی سے کہا۔

''آپ؟ آپ نہیں چلیں گی؟'' ذائریہ نے انہیں وہیں بیٹھا دیکھ کر جھٹ پوچھا سکندر کے کمرے میں جانے کا تصور ہی محال تھا۔

''ارے نہیں بڑی مشکل سے سیڑھیاں چڑھ کر آتی ہوں گھٹنوں میں درد ہو رہا اب اتنا چل کر دوسرے کونے میں بنے کمرے تک جانا محال ہے۔'' آنٹی زلیخا نے ذائریہ کی حالت سے نظریں چراتے عام سے لہجے میں کہا وہ دل سے چاہتی تھی کہ ذائریہ اپنے اور سکندر کے رشتے کو خوشی سے قبول کرے تو پھر بھلا وہ کباب میں ہڈی کیوں بنتیں اس لئے منہ پکا کر کے وہی بیٹھی رہی اور چھمو کو بھی بلا کر اپنے گھٹنے دبانے پر لگا لیا ذائریہ تو عجیب مشکل میں پھنس گئی آنٹی زلیخا کے اصرار پر اسے اکیلے ہی سکندر کے کمرے کی جانب بڑھنا پڑا نیم وا دروازے پر آ کر وہ کشش و پنج کی کیفیت میں مبتلا ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتے ہوئی کھڑی تھی جبھی سکندر نے دروازہ پورا کھول دیا۔

''سویرا آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہے آن لائن، کمپیوٹر چیٹنگ سے آ کر چیٹ کر لیں۔'' سکندر نے سنجیدہ صورت بنائے کہا اور ذائریہ مجبوراً جھجکتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی کمرہ کا دروازہ پوری طرح سے کھلا ہوا تھا اس اطمینان کے ساتھ وہ کمپیوٹر ٹیبل کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی سکندر اپنے واش روم کی جانب بڑھ گیا تھا کمپیوٹر اسکرین پر سویرا کا پر اشتیاق چہرہ جگمگا رہا تھا کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں گہری سہیلیوں کی طرح باتوں میں مگن ہو چکی تھیں جس میں یقیناً سویرا کی شخصیت کا کمال تھا وہ بے حد خوش مزاج، پرکشش شخصیت کی حامل تھی اس وقت دوسری جانب بیڈ پر لیپ ٹاپ گود میں رکھے وہ ذائریہ محو گفتگو تھی اور ذائریہ سے مل کر بے حد خوش تھی اور یہ جان کر اور زیادہ خوش اور پرجوش ہو رہی تھی کہ بہت جلد ذائریہ اسپیشلائزیشن کرنے کے لئے ان کے پاس آنے والی ہے ذائریہ کو بھی سویرا کے منہ سے یہ اطلاع سن کر اطمینان اور بے چینی کی ملی جلی کیفیات ہوئی تھیں جنہیں وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی، سکندر اپنی الماری میں منہ دیئے نہ جانے اب کیا کھوج رہا تھا جب سویرا نے شرارتی انداز میں قدرے جھک ذائریہ سے پوچھا کہ سکندر نے اسے اتنا عرصہ خود سے دور رہنے کی اجازت کیسے دے دی وہ اتنی پیاری اور خوبصورت ہے کہ سکندر جیسا رومینٹک شوہر ایک پل کو خود سے دور نہ ہونے دے کجا دیار غیر بھجوانا اور پھر یہ کہ وہ جانتی ہے کہ اس کا بھائی کتنا جذباتی اور شدت پسند سا ہے اگر وہ اسے بے جا تنگ کرتا ہے تو وہ اس کی کان کھینچیں گی سویرا یقیناً ان کے رشتے کی اصل صورت حال سے واقف نہ تھی جبھی تو اس کے ساتھ یوں چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی ذائریہ اس کی باتوں پر بلش کر گئی تھی اور دل ہی دل میں بے حد خائف ہو رہی تھی سکندر بھی یقیناً سویرا کی باتیں سن رہا ہو گا تبھی کچھ ہی دیر بعد باتیں نمٹا کر خدا حافظ کہہ کر کمپیوٹر کو شٹ ڈاؤن کر کے ذائریہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے کی جانب بڑھی جبھی سکندر نے الماری کے قریب کھڑے گمبھیر آواز میں ذائریہ کو پکار کر روکا۔

''ایک منٹ ڈاکٹرنی جی!'' ذائریہ دہلیز کے

پاس کھڑی تھی ایک پل کو تو اس نے ان سنی کر کے نکل جانا پھر اس کے جذباتی پن سے خائف ہو کر رک گئی۔

"یہ آپ کے لئے؟" ایک خوبصورت سا چھوٹا سا جیولری باکس ذائریہ کے قریب آ کر اس نے ذائریہ کی جانب بڑھاتے سکندر نے کہا۔

"یہ......یہ کیا ہے؟" ذائریہ الجھی۔

"وہ ڈاکٹرنی جی (نہ جانے وہ اسے ان بوجھ کر یوں کیوں مخاطب کرتا تھا چڑا کر رکھ دیتا تھا) آپ پہلی دفعہ میرے کمرے میں آئی ہیں یوں خالی ہاتھ جائیں گی تو مجھے اچھا نہیں لگے گا اور اگر آپ نے اسے لینے سے انکار کیا تو میں سمجھوں گا کہ آپ میرے کمرے میں ہی رہنا چاہتی ہیں تبھی یادگار کے طور پر دیے اس گفٹ کو قبول کرنے سے انکاری ہیں۔" سکندر نے اسے گھیرتے ہوئے کہا اور ذائریہ نے جھپٹنے والے انداز میں گفٹ پکڑا اور تیزی سے باہر نکل گئی گویا وہ یہ ثابت کرنا چاہ رہی ہو کہ وہ اس کمرے میں رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا سکندر اپنی چالاکی پر مسکرایا اور ذائریہ کی ادا پر ایک پل کو افسردہ ہو گیا۔

☆☆☆

"میرا خیال ہے کہ مجھے کل سے دیہی مرکز صحت جانا چاہیے اپنے چکروں میں تو اسے بھول ہی گئی ہوں فضلو تو نہ جانے کب ٹھیک ہو گا چھمو کے ساتھ چلی جایا کروں گی کوئی نہ کوئی مریض تو بھگت ہی جایا کرے گا ڈاکٹر ہو کر مجھے اپنے فرائض سے کوتاہی نہیں کرنی چاہیے، سرابراہیم بھی مرکز کا چکر لگانے کا بارہا پوچھ چکے ہیں صبح انکل سے ضرور بات کروں گی۔" ذائریہ نے رات اپنے کمرے میں چکر لگاتے ہوئے سوچا آج گٹار کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی ذائریہ کو اس کی کمی کا احساس ہوا تھا وہ اپنی بے چینی کو کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی اور پھر بیڈ پر لیٹتے سونے کی کوشش کرنے لگی خواب میں کوئی وجیہہ، مردانہ سراپے کے ساتھ بھی گھوڑے پر سوار اور بھی بارش میں بھیگتے اس کے وجود پر پرشوق نظر جمائے اسے نیند میں بھی بے کل کرتا رہا۔

صبح ناشتے پر ذائریہ نے اپنے خیال سے انکل رب نواز کو آگاہ کیا انہیں بھلا کیا اعتراض ہونا تھا البتہ انہوں نے فضلو کے وہاں نہ جانے پر ذائریہ پر اضافی بوجھ کا اظہار ضرور کیا ساتھ ہی اپنا ایک گارڈ بھی ساتھ لے جانے کی تلقین کی سکندر نے خاموشی سے ناشتہ کرتے ان کی بات سن کر اچانک کہا۔

"ویسے بابا ایک اطلاع ہے ملک احسن اور دلاور کے بارے میں؟" ذائریہ نے تیزی سے سکندر کی جانب ہراساں نظروں سے دیکھا حسن کا نام سن کر وہ گھبرا اٹھی تھی یقیناً وہ مردود ضمانت پر تھانے سے رہا ہو گیا ہو گا اور اپنی بے عزتی کا بدلہ اگر اس نے ذائریہ سے لینے کی ٹھانی تو آنے والے خدشات کا سوچ کر وہ گھبرا اٹھی تھی۔

"ہاں مجھے مل چکی ہے جو ہوا بے حد برا ہوا تم دلاور کے گاؤں جا کر بھی اور ملک حسین سے بھی جا کر مل آنا ضروری ہے گارڈز کے بغیر نہ جانا۔" انکل نے ناشتے میں مصروف سکندر سے کہا اور ذائریہ سوالیہ تاثرات سے دیکھتی رہ گئی۔

"پریشان نہ ہو کل شام کہیں ملک دلاور اور ملک حسن ضمانت پر رہا ہوئے راستے میں ان کی تو تو میں میں ہو گئی ملک دلاور ملک حسن پر کافی ناراض تھا اس کی وجہ سے پنچائیت میں اس کی بے عزتی ہوئی اور ملک حسن کا بھی یہی کہنا تھا بات بڑھی اور غصہ میں آپے سے باہر ہوتے دونوں نے ایک دوسرے پر فائر کھول دیا جائے وقوعہ پر

ہی دونوں ہلاک ہو گئے، یہ سب ان کے پیچھے گاڑی میں بیٹھے ملازموں کا بیان ہے ایک نوکر کو بھی شاید گولی لگی واللہ علم خیر جو ہوا برا ہوا۔" سکندر نے ذائریہ کو براہ راست مخاطب کرتے ہوئے اطلاع فراہم کی اور ذائریہ اس خبر پر بھونچکی بیٹھی رہ گئی اسے سمجھ ہی نہ آئی کہ وہ خوش ہو یا افسردہ لیکن بہرحال اس کے سر سے ایک بوجھ ہٹ گیا تھا۔

"بیٹا جی آپ ناشتے سے فارغ ہو کر تیار ہو جائے میرے ساتھ شہر آپ کو پاسپورٹ آفس جانا ہے۔" انکل نے اس کی توجہ بٹائی اور ذائریہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ساتھ ہی دل میں شکر کیا کہ اسے سکندر کے ساتھ کم از کم شہر نہیں جانا، شہر جا کر پاسپورٹ وغیرہ کے کام میں کافی وقت لگ گیا شام تک ان کی واپسی ہوئی ذائریہ اتنے سفر اسے بری طرح تھک چکی تھی تھکن کے باعث اسے اپنا بدن درد سے ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا آتے ہی اپنے بیڈ پر لیٹ کر سو گئی صبح سویرے جلدی اٹھ کر دیہی مرکز جانے کا ارادے سے۔

☆☆☆

پیاس سے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے اور اس کیفیت کی بناء پر آدھی رات کو اس کی آنکھ کھل گئی تھی پورا بدن درد سے ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا بخار نے اسے آ لیا تھا بدقت بیڈ سے اٹھ کر اس نے فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور ایک ہی سانس میں پانی پیتی چلی گئی اسی وقت اس کے کانوں میں ہوا کے دوش پر لہراتی ایک سریلی آواز ٹکرائی بخار کی وجہ سے وہ اس وقت ہلکا ہلکا ڈپریشن بھی محسوس کر رہی تھی تبھی منفی سوچوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے وہ بالکونی میں رکھی کرسی پر آ کر ڈھے گئی چاندنی اپنے جوبن پر تھی آج شاید چودیں کی رات تھی اور اس سحر انگیز ماحول نے اس کی طبیعت کے برعکس کسی کی طبیعت میں بے حد رومان بھر دیا تھا تبھی کچھ دیر ہی بعد گٹار کے تاروں کو دھیمے سروں میں چھیڑتے اس نے بلند آواز میں گانا شروع کیا۔

زندگی کی نیندوں کی صبح عشق ہے
بڑی خوبصورت سی سزا عشق ہے
ہم کو پیار ہوا پوری ہوئی دعا
ہم کو پیار ہوا پوری ہوئی دعا

ذائریہ راکنگ چیئر پر نڈھال بیٹھی آواز میں چھپی سچائی میں جیسے کھو کر رہ گئی تھی ماحول بہت فسوں خیز ہو گیا تھا ایک عجیب ساسحر طاری ہو گیا تھا سکندر دوسری بالکونی میں ذائریہ کے وجود سے باخبر جیسے آج اپنے دل کی سچائی ذائریہ تک پہنچا دینا چاہتا تھا۔

خوابوں میں کبھی میں نے سوچا تھا نہیں
چاہتوں کا خدا مجھ کو اتنا یوں دے گا
بے فکر چلا اپنی یہ ڈگر چلا
کیا پتہ تھا کہ دل تیری خاطر رکے گا
پیار ہوا ہم کو پیار ہوا پوری ہوئی دعا

نیچے گارڈن میں تین جل پریاں سیپیوں سے پانی گراتیں جیسے گانے کی ہمنوا بنیں ذائریہ کو کچھ باور کرا رہی تھیں، سکندر آخری مصرع کی تکرار کرتا گنگناتا گٹار بجا رہا تھا اس وقت وہ شخص اس کے حواسوں پر چھاتا چلا جا رہا تھا اسے اپنے احساسات اور جذبات پر قابو نہ رہا تبھی اس کی سسکیوں کی آواز بلند ہوئی تھی نہ جانے اسے اتنی شدت سے رونا کیوں آ گیا اور اسے وہ چھپا بھی نہ پائی سکندر نے بالکونی میں بیٹھے نازک وجود کو سسکتے دیکھا تو اپنی بے خودی اور جذبات پر قابو نہ رکھ سکا تبھی بے تاب ہو کر گٹار وہیں رکھتا وہ تیزی سے ذائریہ کے کمرے کی جانب بڑھا۔

"ذائریہ! ذائریہ یہ کیا بات ہے؟ رو کیوں

"رہی ہو؟" بے تابی سے کیے گئے سوالات پر
ذائرہ یہ بدک کر اپنی کرسی سے اٹھی اور پیچھے کھڑے
سکندر کو یوں اپنے کمرے میں آدھی رات کو پا کر
عجیب سے احساسات سے دوچار ہوئی۔

"آئی ایم سوری، مجھے اس وقت بلا
اجازت تمہارے کمرے میں نہیں آنا چاہیے، مگر
تمہاری سسکیاں، ذائرہ یہ اپنے سارے دکھ مجھے
دے دو پلیز۔" سکندر نے دو قدم آگے بڑھتے
نہایت نرم اور محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"کون سے دکھ، وہ دکھ جو تم نے مجھے دیئے
ہیں بھلا مجھ کمزور اور بے بس کی کیا مجال جو میں
چوہدری سکندر کے دیئے دکھ اسے ہی لٹا سکوں۔"
ذائرہ یہ نے یکدم غصے میں آتے کہا بخار نے اس
کی طبیعت آگے ہی نڈھال کر رکھی تھی عجیب سی
چڑچڑاہٹ محسوس ہو رہی تھی سر بھی بری طرح
چکرا رہا تھا سکندر کی موجودگی اس کے ارادوں میں
دراڑ کا باعث بن رہی تھی اسے اس وقت ایک
مضبوط سہارے کی شدت سے طلب محسوس ہو
رہی تھی اس کا دل سکندر کی آغوش میں سما جانا چاہتا
تھا اس کے مردانہ وجود میں خود کو چھپا دینا چاہتا تھا
مگر وقتی لمحے کی کمزوری آگے جا کر ذائرہ یہ کو کس
قدر ذلیل و رسوا کرے گی آنے والا وقت سکندر کو
فاتح اور اسے شکست زدہ قرار دے دے گا اور
فاتح جو کچھ پھر ایک شکست زدہ انسان کے ساتھ
کرے گا وہ جانتی تھی لہٰذا اسے ان جذباتی لمحات
سے خود کو بچانا تھا اسے اس جاہل زمین دار کے
آگے گھٹنے نہیں ٹیکنے، کسی صورت نہیں تبھی اس نے
اپنا ہٹ دھرم رویہ ہنوز برقرار رکھنے کی کوشش
کرتے ہوئے کہا۔

"کیا دکھ دیا ہے میں نے تمہیں؟ آج بتا ہی
دو میں اس کا ازالہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں
گا، مجھے ایک بار موقع تو دو، اپنا غصہ اپنی بدگمانی
ختم کر لو، پلیز اب بس کر دو، یہ دوری اور سہی نہیں
جاتی، آئی لو یو۔" سکندر نے بے خود ہوئے
ذائرہ یہ کے کندھوں پر نرمی سے ہاتھ رکھتے ہوئے
اپنے دل کی بات اس تک پہنچا دی۔

"یس آئی لو یو ذائرہ یہ! آئی رئیلی لو یو ہم
دونوں جس پاکیزہ بندھن میں بندھ چکے ہیں اس
میں یہ خوامخواہ کی دوری کیوں، یہ بندھن ان
فاصلوں کا تو مجاز نہیں ٹرائی ٹو انڈراسٹینڈ۔" سکندر
نے اپنی جانب پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی
ذائرہ یہ سے مزید کہا ذائرہ یہ کو اپنے شانوں پر اس
کے مردانہ ہاتھوں کا دباؤ بڑھتا محسوس ہوا، جو کچھ
ہونے جا رہا تھا اس کا احساس کر کے اس کی چھٹی
حس کسی ہرنی کی طرح چونکی تھی وہ ہرنی جس کے
گرد شکاری اسے بے خبر جان کر اپنا جال اس کے
گرد تنگ کرتا جاتا تھا۔

"کون سا بندھن؟ ہاں وہ بندھن چوہدری
سکندر جسے میں ایک بے جان کاغذی ٹکڑے پر
دستخط کے علاوہ کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں وہ
میری اس وقت کی مجبوری تھی جو مجھے تم جیسے شخص کا
ساتھ قبول کرنا پڑا۔" ذائرہ یہ نے اپنے کندھوں کو
جھٹکتے اور کمرے میں داخل ہوتے تقریباً چلاتے
ہوئے کہا اس کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

"مجبوری کا بندھن!" سکندر صدمے سے
چور بڑبڑایا۔

"مجھ جیسا شخص؟ کیا ہوں میں ڈاکٹرنی
صاحبہ تمہاری نظر میں ذرا آج مجھے بھی تو پتہ چلا۔"
سکندر نے بھی کمرے میں آ کر قدرے بگڑے
تیور سے پوچھا اسے ذائرہ یہ کے انکشاف نے دلی
صدمہ پہنچایا تھا وہ تو سمجھتا تھا کہ واقعی جن حالات
میں ان کا نکاح ہوا ذائرہ یہ کو اس سے سنبھلنے اور
نئے رشتے کو سمجھنے میں وقت لگے گا اور پھر کچھ
عرصہ بعد اس کی محبت پر یقین کر کے وہ دونوں

ایک اچھی، مثالی ازدواجی زندگی گزاریں گے مگر
یہاں اصل بات تو کچھ اور ہی تھی، ذائرہ یہ کی جھجک
کا پس منظر محض شرم و حیا نہیں کچھ اور بھی تھا یہ سمجھ
کر وہ اسے جاننے کے لئے بے تاب ہو گیا۔

"تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم اس
وقت میرے کمرے سے چلے جاؤ ورنہ میں آنٹی
انکل کو چلا چلا کر بلا لوں گی۔" ذائرہ یہ نے
دروازے کی جانب بڑھ کر نیم وا دروازہ پورا
کھول کر سکندر کو باہر کا رستہ دکھاتے دھمکی دی۔

"میں اپنے سوال کا جواب لئے بغیر تو نہیں
جاؤں گا اور یہ دھمکی تم کسے دے رہی ہو چلاؤ جتنا
مرضی چلاؤ، کیا کہو گی اپنی آنٹی انکل یا کسی اور سے
کہ تمہارا شوہر اس وقت تمہارے کمرے میں
موجود وہ لوگ اسے نکال دے بتاؤ ڈاکٹرنی جی
کیسا شخص ہوں میں؟" سکندر نے اس کی دھمکی
کی قطعی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنا سوال دوبارہ
دہرایا اور ذائرہ یہ کو اس کی بات اور انداز پر شدید
قسم کا طیش آ گیا اور دروازے میں کھڑی وہ تقریباً
چلا ہی اٹھی۔

"کیسے شخص ہو تم یہ جاننا چاہتے ہو تم ایک
جاہل گنوار ظالم احساس برتری اور حاکمانہ طبیعت
کے مالک خودسر انسان ہو تم میں اور ملک احسن
میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا تم اسی طرح کے
درندہ صفت انسان ہو اسی کی طرح اپنے کمزور
انسانوں کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہو اپنی ملازمہ
پر بری نظر ہی نہیں رکھتے اس کی عزت کے درپے
رہتے ہو بھول گئے ہو کیا اس حویلی میں جب میں
پہلی دفعہ آئی تھی تمہاری اور میری ملاقات کن
حالات میں ہوئی تھی، شانی کا دوپٹہ جو تم نے کھینچ
کر اتارا تھا کس نیت سے کیا یہ بھی بتاؤں کتنی
ڈھٹائی سے اپنے ہاتھوں میں پکڑا ہوا تھا تم نے
بے چاری نے بعد میں ہاتھ جوڑ جوڑ کر اس
واقعہ کو پوشیدہ رکھنے کا وعدہ لیا تھا مجھ سے تاکہ بعد
تم اس کا جینا حرام نہ کرو اور تمہاری بری نیت کی
وجہ سے ہی انکل اسے فوراً کسی نکمے انسان کے
پلے باندھنے پر مجبور ہو گئے تمہارے ہاتھ سے وہ
عزت تو بچا گئی کسی طرح مگر اب وہ کیسی مشکل
زندگی گزار رہی ہو گی تمہیں اس کا احساس تک
نہیں ہو گا اور نہ جانے اس سے قبل کتنی مجبور بے
بس حوا کی بیٹیاں تمہاری اس بدفطرت کا شکار ہو
چکی ہوں گی اور وہ جو تمہاری گاڑی میں شراب کی
خالی بوتل میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی اس
رات تمہارے دوست کی مہندی کا فنکشن تھا نہ
ملک احسن کی طرح خوب نشے میں دھت ہو کر
ناچنے والیوں پر پیسے اور خود کو لٹایا ہو گا اتنی ارزاں
ذات کا شخص میرا شریک زندگی تو ہرگز نہیں ہو سکتا
اور کیا اپنی آنکھوں سے تمہارے ہاتھوں پٹتا نوکر
جسے تم نے محض اس لئے اتنی بری طرح سے مارا
کہ تمہاری اجازت کے بغیر وہ تمہاری گاڑی میں
بیٹھ گیا تھا کا منظر بھی یاد دلاؤں یہ سب میں نے
کسی سے تمہارے بارے میں سنا نہیں خود
آنکھوں سے دیکھا ہے جھٹلا سکتے ہو اپنے مکروہ
کرتوتوں کو مجھ سے اور پھر بھی تمہیں یہ خوش فہمی
کہ ذائرہ یہ تمہاری بیوی بن کر تمام عمر اس حویلی
اس گاؤں میں گزار دے گی اور ...... اور یہ جو تم
آدھی رات کو یوں میرے کمرے میں گھس کر مجھے
اپنے اور میرے رشتے کی یاد دلا رہے ہو کیا محبت
کا جھوٹا اظہار جو نہ جانے تم نے کتنی عورتوں جن
میں ملازمائیں اور ناچنے والیاں اور میری طرح
مجبور اور بے بس ہو گئیں کیا ہو گا میرے سامنے
ڈھٹائی سے کرنے کھڑے ہو گئے نفرت کرتی
ہوں میں تم سے شدید نفرت میں اس رشتے کو
اپنے نام کے آگے تمہارا نام لگنے سے زیادہ قائم
رکھنا چاہتی ہو اور نہ مجھے اس سے سروکار ہے کہ تم

دوسری یا تیسری شادی کرلو آخر اپنے نفس کی آگ تو تمہیں بجھانی ہی ہے ناں میری طرف سے تمہیں سو شادیوں کی اجازت ہے بس میری جان چھوڑے رکھو اور اگر تم میں تھوڑی سی بھی انسانیت باقی ہے تو مجھے روکنا مت میں نیچے لاؤنج میں جا رہی ہوں خبردار میرے پیچھے مت آنا نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔" ذائریہ نے طیش اور غصے سے کانپتے جو منہ آیا سکندر کو بول ڈالا بند کمرے میں لگی آگ زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہتی دھواں کہیں نہ کہیں سے راستہ ڈھونڈ ہی لیتا ہے اور جب دھواں کو دیکھتے کمرہ کھولا جاتا ہے تو بھڑکتی آگ کئی قدم پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتی ہے سکندر تو ذائریہ کی شعلہ انگیزی پر ساکت کھڑا جھلس گیا تھا اس کی نوخیز محبت کا گلہ ذائریہ کی شدید ترین نفرت نے گھونٹ ڈالا تھا۔

ذائریہ تیزی سے چلتی ہوئی زینے کی جانب بڑھی اس کا سر بری طرح سے چکرا رہا تھا جبھی زینے پر پہلا قدم رکھتے ہی اسے شدید چکر آیا اور آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا گیا جس کے باعث وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی اور پہلے زینے سے لڑھکتی بری طرح سے نیچے ریلنگ کے سرے آ کر ٹکرائی اور بے ہوش ہو گئی بے ہوش ہونے سے قبل بند ہوتی آنکھوں نے بس مبہم سا سکندر کا ہیولا اپنی سیڑھیاں تیزی سے اترتے دیکھا اس کے بعد درد کی شدت سے اس کے حواسوں پر اندھیرا چھاتا چلا گیا ایسا اندھیرا جو سکندر کے ساتھ بندھے مجبور بندھن سے شاید اسے آزاد کرتا چلا گیا۔

☆☆☆

سیڑھیوں سے گرتے بے ساختہ اس کے منہ سے چیخ بلند ہوئی تھی اور سناٹے میں یہ چیخ صدمے سے ساکت کھڑے سکندر کے وجود میں حرکت بھر گئی تھی وہ ذائریہ کے منہ سے نکلی چیخ سن کر گھبرایا سیڑھیوں کی جانب دوڑا اور آخری سیڑھی پر ٹیڑھے میڑھے انداز میں بے ہوش ہوتی ذائریہ کو دیکھ کر دو دو سیڑھیاں پھلانگتا نیچے اترا تھا نیچے ریلنگ سے بری طرح سر ٹکرانے کے باعث ذائریہ کا ماتھا پھٹ گیا تھا جس میں سے تیزی سے خون نکل رہا تھا اور فرش پر اپنی جگہ تیزی سے بنا رہا تھا سکندر نے بلند آواز میں رب نواز اور زلیخا کو پکارا ساتھ ہی ذائریہ کے وجود کو بیٹھ کر گود میں لے کر ہوش میں لانے کی کوشش کی اسے چھوتے ہی سکندر کو ادراک ہوا کہ وہ تیز بخار میں تپ رہی ہے اوپر سے گر کر شدید زخمی ہو گئی تھی تیزی سے پیلا پڑتا چہرہ اسے آہستہ آہستہ زندگی سے دور لے جا رہا تھا زلیخا اور رب نواز، سکندر کی پکار پر گھبرائے اپنے کمرے سے نکلے اور آگے کی صورت حال دیکھ کر مزید گھبرا گئے آنٹی زلیخا نے تو رونا شروع کر دیا چوہدری رب نواز فوراً باہر بھاگے گارڈز، ڈرائیور وغیرہ کو فوراً جگا کر دو گاڑیاں تیار کیں کہ رات کہ اس پہر گاؤں سے شہر کا سفر قدرے خطرناک تھا سنسان راستے میں چور ڈاکو کا خطرہ ہوتا تھا اندر آ کر سکندر کو فوراً ذائریہ کو گاڑی میں ڈال کر ہسپتال لے جانے کی ہدایت اور زلیخا کو چھمو کو اپنے پاس بلانے کی ہدایت کرتے وہ لوگ فوراً شہر روانہ ہو گئے پوری حویلی جاگ اٹھی تھی چھمو فوراً چوہدرانی جی کے پاس آ کر بیٹھ گئیں جو روتے ہوئے مصلہ بچھائے اپنی بہو کی زندگی کی بھیک اپنے رب سے مانگ رہی تھیں۔

ماتھے کا خون روکنے کے لئے سکندر نے اپنی قمیض کا آگے کا گھیرا پھاڑ کر اس کے ماتھے پر رکھا ہوا تھا جو آہستہ آہستہ سرخ ہوتا جا رہا تھا سکندر کو اس وقت کسی چیز کا ہوش نہ تھا وہ تو اس کی پیلی

پڑتی رنگت سے بے حد گھبرا گیا تھا ظالم ہوش میں بھی نہیں آ رہی تھی اس وقت اگر وہ سکندر کو یوں اس کے لئے پریشان اور تڑپتا دیکھ لیتی تو شاید اس کی محبت پر ایمان لے آتی، ہسپتال پہنچتے ہی ذائریہ کو ایمرجنسی وارڈ میں لے جایا گیا باہر سکندر اور چوہدری رب نواز پریشان کھڑے اس کی زندگی کی دعائیں مانگ رہے تھے باپ کو اس نے یہ کہہ کر مطمئن کر ڈالا کہ وہ ذائریہ کی چیخ سن کر اپنے کمرے سے آیا اور نیچے اسے بے ہوش پڑا پایا تھا شاید بخار سے گھبرا کر وہ نیچے انہی کے پاس جا رہی تھی۔

"اتنی ضدی، اتنی ہٹ دھرم ہو مجھے صفائی کا موقع دیئے بغیر خود ہی دل کی عدالت میں میرے خلاف مقدمہ چلایا اور پھر خود ہی سزا سنا ڈالی بعض دفعہ آنکھوں دیکھا بھی سچ نہیں ہوتا مجھے ایک بار بتانے تو دیتی جیتے جی مار ڈالا تم نے مجھے۔" ڈاکٹر کے منہ سے ادا ہوتے جملوں کو سن کر دیوار کے ساتھ لگتے سکندر بس یہی سوچ پایا۔

☆☆☆

دل کی بستی آباد ہونے سے پہلے اجڑ گئی وہ تو لکھ سے بھی ہولا ہو گیا تھا ایک بے نام سا دکھ اس پر چھایا رہتا وہ زندگی میں شامل روزمرہ کے سبھی کام اسی طرح سے سرانجام دیتا جیسے پہلے دیتا تھا مگر اب زندگی بے رنگ اور بے رونق ہو چکی تھی اس کے چہرے کی شادابی کہیں کھو گئی تھی ہلکی ہلکی بڑھی شیو جو اس کی کھلتی رنگت پر بہت بھاتی تھی مگر چہرے پر ہر وقت عجیب سی سنجیدگی اور اداسی چھائی رہتی تھی غصہ کرنا تو وہ بھول ہی گیا تھا، گٹار بجانا اس نے چھوڑ دیا تھا وہ اپنی مری ہوئی محبت پر سراپا ماتم تھا وہ اپنی تکلیف کو، اپنے درد کو دل میں دباتے دل کو درد سے بھر رہا تھا ایسا درد جو صرف اس کی روشن بولتی آنکھوں سے جھانکتا تھا پر لب خاموش رہتے تھے پوری حویلی پر جیسے سوگواریت چھا گئی تھی نہ کوئی ہلچل نہ کوئی خوشی کا احساس، اسے بے حد قلق تھا کہ صفائی کا موقع نہیں دیا اس ضدی لڑکی نے اور اب وہ صفائی پیش کرتا بھی تو کسے وہ تو جا چکی تھی ہمیشہ کے لے لیکن اب یہ زندگی تمام عمر اس کے بغیر یونہی تنہا گزرنی تھی یہ تو طے تھا کہ سکندر نے صرف اور صرف ذائریہ سے سچی محبت کی تھی اور اس محبت کو وہ کسی اور وجود کے نام کر ہی نہیں سکتا تھا اگر وہ اس کی زندگی میں آ کر بھی نہ آئی اور پھر محبت کے درد سے آشنا کر کے جدائی کا تمام عمر نہ بھرنے والا زخم لگا کر اس کی زندگی سے چلی گئی تھی تو اب یہ زندگی اسی کی یاد میں بتانے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا وہ اور سکندر اپنے فیصلوں پر کتنا اٹل تھا اس کا باخوبی احساس تھا اسے، سکندر نے واپسی کا سفر تنہا گاڑی میں ڈرائیونگ کرتا ہوا سوچا اور اس کے سینے سے افسردہ سے سانس خارج ہوئی آج دل بے حد بوجھل اور اداس تھا ذائریہ کی جدائی نے اسے اندر سے نڈھال کر رکھا تھا وہ اس وقت کسی پر اپنا دکھ جو چہرے پر واضح نظر آ رہا تھا عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا جبھی تو گاڑی کو ایک سائیڈ پر روک کر اپنی آنکھوں میں تیزی سے امڈتی نمی کو صاف کرنے لگا تنہا حویلی پہنچ کر اسے اپنا سارا دکھ صرف اپنے دل تک محدود کر لینا تھا اپنے چہرے سے جدائی اور تنہائی کے سایوں کو مٹا کر ماں باپ کے سامنے ایک خوش و خرم چہرہ لے کر جانا تھا جو سکندر کو اس وقت بے حد دشوار نظر آ رہا تھا بے حد دشوار۔

☆☆☆

تیرے بناء جیا نہیں جائے
تو ہر سانس میں ہر آہ میں
تو میرے ہر اک احساس میں

تو میری یاد میں
تجھ سے ہی زندگی کے سائے

لاؤنج سے آتی اس آواز نے اسے پھر بے چین کر ڈالا تھا قدرے بلند آواز میں میوزک سسٹم پر گونجتا یہ نغمہ ایک بار اس کے پورے وجود میں درد بھر دیتا تھا آج کی رات گویا پھر آنکھوں میں کٹنے تھی یادوں نے آج پھر اس کی آنکھوں سے نیند کو چھین لینا تھا دل نے آج پھر خوب احتجاج کرنا تھا، کرلانا تھا، تڑپنا تھا، مچلنا تھا اور مچل مچل کر صبح صادق تک سنبھلنا تھا چہرے پر سنجیدگی سجاتے اپنے غم کو دل میں چھپائے اسے پھر روز مرہ زندگی کے کام سرانجام دیتے تھے یہ گانا اسے بالکونی میں بیٹھے گٹار بجاتے ایک شخص کی شدت سے یاد دلاتا تھا پہلی بار یہ گانا اس نے اسی کی آواز میں اسے کو گاتے سنا تھا اور اب تو یہ اس کی زندگی کی تعبیر بن گیا تھا اذیت پسندی کے باعث اس نے کبھی اس گانے کو بند کرنے کی فرمائش نہ کی تھی نہ جانے سویرا کو یہی گانا کیوں اتنا پسند تھا وقتاً فوقتاً اس کے گھر میں یہی گانا گونجتا تھا۔

ذائریہ کے دماغ کی سکرین پر ماضی کے منظر آجاگر ہوئے، کچھ گھنٹوں بعد ہسپتال میں اسے ہوش آ گیا تھا چوٹیں تو کافی لگی تھیں مگر اتنا شکر ہے کوئی فریکچر نہیں ہوا تھا سکندر کو اپنے اردگرد دوائی وغیرہ لاتے دیکھ کر اسے رات اپنے کمرے میں اس کی موجودگی اور باقی باتیں یاد آتی تھیں اور پھر لیٹے یونہی اس کی نظر اس کی آگے گھیرے سے پھٹی قمیض پر پڑی تھی جس کے ساتھ وہ ہسپتال میں گھومتا پھر رہا تھا اس کی نظروں کا تعاقب انکل رب نواز نے کیا اور سکندر جیسے ہی ڈاکٹر کو بلانے کمرے سے نکلا تو انہوں نے ہنستے ہوئے بتایا کہ خون روکنے کے لئے سکندر نے اپنی قمیض کا دامن پھاڑا تھا نا صرف یہ کہ بلکہ جب ڈاکٹر نے آ کر یہ کہا کہ مریضہ کا خون بہت بہہ گیا ہے فوراً خون کا انتظام کرنا ہو گا تو سکندر نے بنا سوچے فوراً اپنا خون دینے کا ارادہ ظاہر کیا اور نرس کے ہاتھ ڈرپ کی سرنج دیکھ کر زور سے آنکھیں بھینچ لیں اور میرا ہاتھ بھی سختی سے پکڑ لیا جب تک خون کی بوتل خون سے بھری نہیں سکندر نے زور سے اپنی آنکھیں بند رکھیں نرس بار بار کہتی رہی کہ آنکھیں کھولیں پر کہاں انکل کا کہنا تھا کہ سکندر اپنے بچپن کے خوف سے نکل آیا جو سرنج کو دیکھتے ہی اسے محسوس ہوتا تھا اور اس کا کریڈٹ ذائریہ کو ہی جاتا ہے انکل کے انکشاف نے ذائریہ کی سوچ کا ایک نیا باب کھولا تھا۔

''کیا اس وجہ سے جو اس نے رات کمرے میں اظہار محبت کیا تھا وہ سچ تھا۔'' بدگمانی کے بادل تھوڑے چھٹے تھے تب اس نے سکندر کے سنجیدہ انداز پر غور کرنا شروع کیا تھا باوجود اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہسپتال سے اسے تیسرے دن ڈسچارج کر دیا گیا تھا سکندر اس کا خیال رکھ رہا تھا رات رات بھر کمرے میں کرسی پر بیٹھا وقت گزارتا تھا اس کی درد اس کی تکلیف پر بے چین ہو کر فوراً ڈاکٹر کو بلانے دوڑتا تھا اس کی یہ بے چینی کوئی دھوکہ نہیں تھی کوئی فریب نہیں ہسپتال میں کافی جاننے والے لوگ اس کی عیادت کو آ رہے تھے انکل رب نواز ہر روز اصرار پر واپس حویلی جا چکے تھے آنٹی زلیخا بھی ہسپتال ملنے آنا چاہ رہی تھیں مگر فون پر خیریت دریافت کرنے کے بعد اس نے خود ہی منع کیا تھا اسے ان کے گھٹنوں کے درد کا احساس تھا جو اتنے سفر کے بعد شدت اختیار کر جاتا سکندر اسے براہ راست مخاطب نہیں کرتا تھا بلاوجہ چھونے کی کوشش بھی نہیں کرتا تھا لیکن اس کا ہر پل خیال رکھے ہوئے ایک مہرباں دوست کی طرح اس کی تیمارداری کر رہا تھا ذائریہ اس کے رویے پر الجھ کر رہ گئی تھی۔

تیسرے دن ڈسچارج ہو کر وئیل چیئر پر آ کر بیٹھ کر وہ باہر کھڑی گاڑی کے پاس لائی گئی تھی ابھی وہ چل نہیں پا رہی تھی پاؤں پر چوٹ آئی تھی اور کمزوری بھی شدید تھی جب وہ لوگ ہسپتال سے گاؤں حویلی پہنچے تو سبھی لوگ باہر پورچ میں ہی اس کا استقبال کرنے کھڑے ہوئے تھے آنٹی زلیخا نے آگے بڑھ کر اسے خوب پیار کیا اور پھر اس کا ہاتھ لگوا کر کافی رقم صدقے خیرات کے طور پر بانٹی اندر اسی پرانی حویلی میں سلسلے میں دیگیں بھی پکوائی جا رہی تھیں گاؤں کے سبھی لوگ نورانی کی خیرت دریافت کرنے موجود تھے پرانی حویلی میں ان کے بیٹھنے کا انتظام تھا ذائریہ کو گاڑی سے اتر کر اندر جانا دشوار نظر آ رہا تھا پاؤں کا درد اسے زمین پر پاؤں ٹکا کر چلنے کی قطعی اجازت نہیں دے رہا تھا ذائریہ نے مدد بھری نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا تا کہ کسی ملازمہ کا سہارا لے کر وہ گاڑی سے اتر سکے جبھی سکندر نے آگے بڑھ کر بنا کچھ کہے اس کے نازک وجود کو اپنی بانہوں میں بھرا اور بڑے آرام سے اٹھائے اپنے کمرے میں آ کر اپنے بیڈ پر لٹا دیا چھمو وغیرہ بھی پیچھے آئیں ذائریہ ہکی بکی سکندر کی حرکت پر شرم سے پانی پانی ہو کر رہ گئی چوٹوں کے باعث وہ صحیح طرح سے احتجاج بھی نہ کر پائی سکندر کی حرکت پر اسے غصہ آیا مگر سپاٹ چہرے کے ساتھ سنجیدہ انداز لئے سکندر کو وہ کچھ کہہ بھی نہ سکی اس کے بعد آنٹی زلیخا کے سنگت میں کچھ گاؤں کی عورتیں جاننے والیاں رشتے دار وغیرہ کی عیادت کرنے چلی آئیں آنٹی زلیخا نے اس کے آرام کے باعث کچھ ہی دیر بعد انہیں اپنے ساتھ لے کر پرانی حویلی چلی گئیں اور جاتے جاتے اسے آرام کرنے کی تلقین کر گئی اس دوران سکندر وہی کمرے میں موجود رہا ذائریہ کو اب اس کی موجودگی الجھا رہی تھی اس وقت اسے مردان خانے میں موجود مہمانوں کے پاس ہونا چاہیے تھا مگر وہ یہاں......؟ بہت جلد اس کی یہ الجھن بھی رفع ہو گئی۔

''معذرت خواہ ہوں ڈاکٹرنی جی اپنے کمرے میں لانے کے لئے دراصل خواتین وغیرہ آپ کی عیادت کو آ رہی ہیں اور ایسی صورت میں میری بیوی جو بظاہر ان کی نظر میں ہے اور اصل میں کاغذی ٹکڑے پر بحالت مجبوری اور مجھے بے وقوف بنائے خاتون سے واقف نہیں دوسرے کمرے میں دیکھ کر باتیں بنائی گئیں آپ بے فکر رہے میں اتنے دن گیسٹ روم میں رہوں گا، اپنے کمزور نفس کو اس وقت مجبوراً اور بے بس خاتون سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دوں گا اس کا وعدہ رہا۔'' سکندر نے آگے بڑھ کر کہا اور پھر اپنے سیل پر کسی کو فون کرنے لگا فون پر یکطرفہ بات سن کر وہ مزید حیرانگی سے سکندر کو دیکھنے لگی۔

''اس دن آپ کے منہ سے اپنے بارے میں اتنے نادر خیالات جان کر مجھ پر کیا بیتی اس کو چھوڑیں مگر میں اپنی ذات پر لگے الزامات کو بڑے آرام سے دھو سکتا ہوں یہی ثابت کرنے کے لئے ابھی مستقل آپ کے پاس موجود ہوں تا کہ آپ کو بعد میں یہ شک نہ گزرے کے میں نے آپ کی غیر موجودگی میں ان لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اصل حقیقت آشکار کی ہے۔'' سکندر کی بات ختم ہوتے ہی دروازے پر دستک ہوئی اور سکندر نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور دروازے کے قریب وہی نوکر پشت کر کے کھڑا ہو گیا جیسے چند دن قبل سکندر نے پیٹا تھا اور پھر سکندر کے کہنے پر اپنی حیرت کو چھپائے اس نے ذائریہ کو واضح لفظوں میں بتایا کہ اس رات جب سکندر صاحب تھوڑی دیر کے لئے اپنے دوست کی مہندی پر گئے تھے تو

وہاں پر موجود اپنے دوستوں کے ساتھ اس نے گاڑی میں یہی کہ شراب جیسی بری چیز سے شغل کیا تھا اور کچھ ہی دیر بعد سکندر کو واپس آتا دیکھ کر نصیبو کا بے ہودہ گانا بند کرتے بدحواسی میں خالی بوتل آس نے پچھلی سیٹ کے نیچے چھپادی تھی بعد میں اسے نکالنے کا موقع نہ ملا اور سکندر کی نظر میں وہ بوتل آگئی تبھی واپسی پر سکندر نے اس کی خوب پٹائی کی تھی، ذائریہ نوکر کے منہ سے اقرار جرم اور اصل حقیقت جان کر چپکی بیٹھی رہ گئی تھی، یہی نہیں بلکہ کچھ دیر بعد شانی حیران پریشان اور قدرے گھبرائی کمرے میں داخل ہوئی تھی سکندر نے اس کے شوہر کو فون کر کے ابھی حویلی لانے کا کہا تھا اس طرح بلائے جانے پر وہ کافی حیران اور پریشان نظر آتی تھی کمرے میں آتے ہی سکندر نے دروازہ بند کر کے ذائریہ کے سامنے اس روز والے واقعہ کی سچائی بتانے کا کہا تو ایک پل کو شانی اپنی جگہ تھم کر رہ گئی مگر پھر سکندر کے جلال سے ڈرتے ہوئے وہ سچ بتانے پر مجبور ہوگئی شاید وہ خود بھی ضمیر کی ملامت سے تنگ آچکی تھی جبھی اس نے یہ بوجھ اتارنے کا سوچا اور اس کا اعتراف جرم ذائریہ کو خود اپنی نظروں میں چور بنا گیا تھا اس دوران سکندر بالکونی میں جا کھڑا ہوا تھا شانی نے شرمندہ لہجے میں اعتراف کیا کہ شانی کافی عرصے سے سکندر پر جھوٹی محبت کے ڈورے ڈال رہی تھی اسے غربت کی زندگی سے نفرت تھی وہ سکندر کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر اس حویلی کی مالکن چوہدرانی بننے کے خواب دیکھ رہی تھی مگر سکندر اس کے دام میں آ ہی نہیں رہا تھا اور پھر اس روز بیمار سکندر کے کمرے میں سوپ لے کر شانی آئی تو موقع اور تنہائی کا فائدہ اٹھا کر اس نے اپنی گھٹیا محبت کا اظہار کرتا اپنا آپ سکندر کو سونپ دینا چاہا یا اس نادان کا یہ خیال تھا کہ سکندر سے ایک بار یہ رشتہ قائم ہوگیا تو بہت جلد وہ اس سے شادی بھی کرے گا اور وہ عزت جو شادی سے پہلے رل جائے گی حویلی کی مالکن بن کر خود ہی اسے مل جائے گی سکندر نے بستر سے اٹھ کر اسے غصے میں کمرے سے نکل جانے کو کہا تو اپنی نادانی اور احمق احساسات سے مغلوب ہو کر اس نے اپنا دوپٹہ سکندر کے قدموں میں رکھ دیا کہ وہ اسے یوں نہ ٹھکرائے اور اس کی محبت کو گلے لگالے تبھی سکندر نے شانی کے منہ پر تھپڑ مارتے کمرے سے نکل جانے کو کہا شانی سکندر سے غصے سے اچھی طرح واقف تھی اسی سے خائف ہو کر جب اس نے دروازہ کھولا تو اسی وقت ذائریہ بھی کمرے میں آنے کے لئے دروازہ کھولنے کو ہاتھ بڑھایا تھا اور پھر سامنے کی صورت حال دیکھ کر وہ اور قسم کی غلط فہمی کا شکار ہوگئی سکندر نے شانی کو دوپٹہ تھمایا چونکہ وہ اس معاملے میں خود کو بے قصور سمجھتا تھا اس لئے بلاوجہ اس وقت ذائریہ کے سامنے صفائی دینے کا اسے خیال نہ آیا اور پھر بعد میں نیچے شانی نے ذائریہ کی نظروں میں خود کو اچھے بنانے اور اپنے اندر کی عورت کے ٹھکرائے جانے کا بدلہ سکندر کے خلاف ذائریہ کے ذہن میں زہر بھر کر لے لیا وہ عورت تھی ذائریہ کو دیکھتے ہی سکندر کے چہرے پر جو شادابی ابھری تھی اسے وہ ٹھکرائی ذلت کے احساس سے دوچار عورت خوب پہچان گئی تھی اسی لئے اس نے سکندر کے خلاف سارا کچھ جھوٹ گھڑ کر ذائریہ کو بدگمان کر ڈالا شام کو سکندر نے چوہدری راب نواز سے شانی کی حرکت کا ذکر کیا اور چوہدری رب نواز اسی وقت چچا رحمیاں کو بلا کر شانی ان کے حوالے کرتے ڈھکے چھپے لفظوں میں بات کرتے ایک رشتے کے بارے میں کہا چچا رحمیاں کو بھلا کیا اعتراض ہوتا وہ تو بیٹی کی حرکت پر شرمسار ہو کر رہ گیا تھا اور

اس کرح آناً فاناً شانی کی شادی کر دی گئی اور اب شانی اپنے شوہر کے ساتھ اچھی یا بری زندگی گزار رہی تھی یہ تو عورت پر ہی منحصر ہوتا ہے کہ وہ اپنی منہ زور خواہشات کو لگام دے کر ایک پر سکون زندگی گزارے یا پھر ان خواہشات کے ہاتھوں کھلونا بن کر نا آسودہ زندگی۔

''چوہدری سکندر بہت نیک اور اچھے ہیں جی بچپن سے یہاں پر ہوں مجھ سے بہتر کون جانتا ہے انہیں، انہی کی وجہ سے مجھ بے وقوف کی عزت جو میرے اپنے ہی ہاتھوں سے برباد ہونے جارہی تھی بچ گئی ہیں تو بڑی احسان مند ہوں آج اگر مجھے اپنے غریب شوہر کی سچی محبت ملی ہے جس کے آگے اس دولت کی کوئی وقعت نہیں تو یہ بھی ان کی نیک فطرت کی وجہ سے ہے اور یہ آپ سے بڑا پیار کرتے ہوں گے جی سچا اور ستھرا پیار مجھے اس کا یقین ہے آپ بھی اس سچے پیار کی قدر کیجئے گا۔'' شانی نے نم آنکھوں سے بمشکل یہ جملے کہے اور کمرے سے نکلتی چلی گئی ذائریہ کی تو سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے اور کیا کہے۔

''آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ ہسپتال میں میرا اسیل فون آپ کے کمرے میں رہا ہے شاید اب بھی آپ کو مجھ پر شک ہو میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتا اور اس طرح سے اصل حقیقت سے آگاہی دے کر میرا مقصد اس کاغذی رشتے کو مضبوط کرنے اور اپنے جذبات کی تسکین کرنا ہرگز نہیں میں آپ کو اب کبھی مجبور نہیں کروں گا کہ آپ مجھ سے وہ تعلق قائم کریں جو کاغذی رشتے کے باعث ہوا ہے، ذائریہ کبھی کبھی آنکھیں جو دیکھتی ہیں وہ بھی پورا سچ نہیں ہوتا یہ دنیا اور یہ زندگی عجیب وغریب واقعات اور اسرار سے بنی ہوئی ہے اس میں کامیاب وہی ہے جو آنکھوں سے دیکھنے کے ساتھ ساتھ اصل کی پرکھ دل سے کرتا ہے آپ جب کہیں گیں میں بندھن کو توڑ دوں گا چاہے ایسا کرتے مجھے کتنی ہی اذیت سے گزرنا پڑے لیکن شرط یہ ہے کہ میں آپ کے منہ سے اس رشتے کو توڑنے جوڑنے کا اقرار سننا چاہوں گا، ذائریہ گاؤں کے لوگ برے یا محض جاہل گنوار نہیں ہوتے برے انسان ہر جگہ برے ہوتے ہیں شہر یا گاؤں کے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا پانچوں انگلیاں کہیں پر بھی برابر نہیں ہوتیں ٹھیک ہے آپ کا واسطہ کچھ ایسے لوگوں سے پڑا جو آپ کے لئے بے حد تکلیف کا باعث بنے تو پھر چوہدری رب نواز کا تعلق بھی تو گاؤں سے ہی ہے فضلو، پینو کا تعلق بھی یہی سے ہے جنہوں نے آپ کی خاطر اپنی جان تک داؤ پر لگا دی کیا وہ گاؤں کا باشندہ نہیں آپ نے کسی ایک کے جرم کی سزا باقی کے لوگوں کو بھی سنا ڈالی یہ غلط ہے ذائریہ بے حد غلط بدگمانی کی عینک اتار کر دیکھئے آپ کو گاؤں میں بھی اچھے، سادہ اور مخلص لوگ ملیں گے میرے علاوہ بس مجھے یہ سب کر کے یہی سمجھانا تھا اور آج کے بعد آپ میری طرف سے بے فکر ہو جایئے۔'' سکندر اتنا کہہ کر کمرے سے نکل گیا اور ذائریہ اپنی جگہ چپ کی چپ بیٹھی رہ گئی اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اس کی انمول یادوں کے خزانے میں مزید اضافہ ہی تھا۔

☆☆☆

چاہے کوئی جرمانہ لے لے، پھر جینے کا بہانہ دے
لے آ پھر سے وہ دن
وہ بے وجہ ہی لڑتے رہنا، اک دوجے پے ہر لمحہ
مرنا
لے آ پھر سے وہ دن
تیرے بنا جیا نہیں جائے

اس کے دن بے کیف اور راتیں یادوں کے سنگ آنسو بہاتے گزرتی تھیں، نیو یارک جیسے تیز رفتار، جدید سہولتوں سے آراستہ شہر میں ایک بالکل الگ قسم کی زندگی گزارتے وہ گاؤں اس کی یاد سے کسی بھی پل محو نہیں ہوتا تھا جسے وہ بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک ریورٹ نما زندگی گزارنے اسے گاؤں کے وہ سادہ لوگ ایک ہی جگہ پر رکا وقت یاد آنے لگتا، وہ اپنا دل اس گاؤں میں چھوڑ آئی تھی اس شخص کے اس جسے اس بات کی خبر تک نہ تھی کوئی اس کے بارے میں بات بھی تو نہیں کرتا تھا، سویرا اور اس کے میاں اس کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے اور جس شخص کے حوالے سے اس کا بے حد خیال رکھتے اس کا بھول کر بھی ذکر نہ کرتے آنٹی انکل کا بھی اسے فون آتا رہتا ماسوائے خیر خیرت اور دعاؤں کے کوئی تیسری بات بھول کر بھی نہ کرتے اور وہ جو ہار کہ اب انا کے ہاتھوں مجبور اور بے بس تھی اپنی بے بسی پر خود سے ہی خفا سے زندگی بتا رہی تھی، پڑھائی میں اس نے خود کو بری طرح سے مصروف کر رکھا تھا وہ ایک سکنڈ کے لئے بھی فارغ بیٹھنا نہیں چاہتی تھی اور اس کے لئے وہ خود کو بے طرح کاموں میں الجھائے رکھتی وہ تو کسی سٹور پر بھی کام کرنا چاہ رہی تھی حالانکہ پیسے کی اسے کوئی پرابلم نہ تھی بینک میں رکھی اس کی اپنی رقم اس کے کام آ رہی تھی لیکن سویرا نے ایسا نہیں کرنا دیا اور ایک شخص کو ناراض کرنے کے بعد وہ اپنے کسی اور پیارے کو ناراض کرنے کی خود میں ہمت نہ پاتی تھی جب بھی سویرا کو گاؤں سے فون آتا وہ اس بھری نظروں سے دیکھتی کہ شاید کوئی اس سے بھی بات کرنا چاہے وہ جس سے وہ پہلے بدگمانی کے ہاتھوں اور پھر اپنی انا کے ہاتھوں کھو آئی تھی شاید اب تو اس کی دوسری شادی کی تیاریاں ہو یا پھر ہو بھی چکی ہو کوئی بھی تو واضح طور پر اس کا ذکر نہ کرتا تھا جدائی کی سزا اس نے اپنے ان جرم پر خود کو دے ڈالی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے پیارے شخص کو جان نہ پائی اور اس سے ہمیشہ بدگمان رہی اور جب اس نے تمام غلط فہمیاں دور کر دیں تمام بدگمانیاں دور کر دیں تو وہ اپنی نسوانی انا کے ہاتھوں اسے کھو کر یوں دیار غیر آ بسی یہاں کی ایک پاکستانی ڈاکٹرز کی بنائی این جی او سے وہ وابستہ ہو چکی تھی جو یہاں پر کچھ وقت گزار کر اپنے ملک کسی پسماندہ علاقے یا دیہات میں جا کر کلینک کھولتے تھے چاہتے تو وہاں رہتے یا پھر آتے جاتے رہتے تھے اور وہیں کے کسی ڈاکٹر کو بمعہ تنخواہ کے وہ کلینک دے دیا جاتا جس پر باقاعدہ چیک اینڈ بیلنس رکھا جاتا اس کا ایک مخصوص طریقہ کار تھا جس کی بناء پر کسی قسم کی بے ایمانی ہونے کا امکان نہ رہتا تھا یہاں پر رہتے وہ خود کو عالی طور پر نہ صرف مستحکم کرتے بلکہ اس میں سے مخصوص رقم بچا کر اپنے ملک بنائے جانے والے کلینکس کو بھی مستحکم کرتے رہتے، ذائریہ جب سے اس این جی او سے وابستہ ہوئی تھی اسے جینے کا ایک مقصد مل گیا تھا اب اس کا ارادہ بھی، ڈپلومہ حاصل کر کے اسی این جی او سے وابستہ رہتے ہوئے کسی گاؤں میں جا کر باقی کی زندگی گزارنے کا ارادہ تھا اور یہ وہ کسی جذباتی کیفیت سے دوچار ہو کر نہیں کر رہی تھی بلکہ اس این جی او میں با مقصد زندگی گزارنے والے ڈاکٹرز سے مل بیٹھ کر گفتگو کر کے اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں کھویا سکون کیسے واپس لا سکتی ہے ابھی تک اس نے اپنے اس ارادے کی ہوا کسی کو نہیں لگنے دی تھی کیونکہ یہ تو طے تھا کہ وہ گاؤں چوہدری رب نواز کا گاؤں نہیں ہوگا اتنے فاصلے پر وہ اس خفا سے شخص کو بھول نہیں پاتی تھی اس کی باتیں

اس کی یادیں اسے تڑپاتی تھیں اور گاؤں جا کر تو خاموش رہنا ناممکن ہو جاتا دراصل یہ تنظیم یہاں پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے اور اپنی فیلڈ میں اسپیشلائزیشن کرنے والے ڈاکٹرز جو بعد میں یہیں کر ہو کر رہ جاتے تھے اور اس مشینی معاشرے میں ایک وقت تک مشین بن کر رہ جاتے تھے یا پھر اپنے ملک جا کر اچھے ہسپتالوں یا خود مہنگی کلینک کھول کر بیٹھ جاتے تھے مسیحا کا اصل کردار اور مقصد یکسر بھلا بیٹھتے تھے ان کو ان کا اصل مقصد یاد دلائے رکھنا تھا یہ تنظیم بعض ڈاکٹرز تو یہیں سے ہائر کرتی اور ان کی پوری رضامندی سے انہیں پاکستان کے کسی پسماندہ علاقے یا گاؤں میں پوسٹ کراتی جہاں پر انہیں کی کوئی کلینک کھلی ہوتی تنخواہ وہ خود دیتی ذائریہ یہ دیکھ کر حیران تھی کہ بہت سے اس کے ساتھ پاکستان سے آ کر پڑھنے والے ڈاکٹر اور پہلے سے بھی کافی عرصے سے یہاں موجود ڈاکٹر اس تنظیم سے وابستہ ہو رہے تھے اور اس تنظیم کو اچھی طرح سے جانتے اور سمجھتے تھے وہی نیک مقصد ادا کرنا چاہتے تھے جواب ذائریہ کا بھی تھا لیکن اپنے اس دل کا کیا کرتی جو ہر پل اس کے ساتھ غداری کرتا تھا، اسے تڑپائے رکھتا تھا آخر اتنا عرصہ بیت جانے کے باوجود بھی وہ سکندر کو بھلا کیوں نہیں پا رہی تھی اپنے کمرے میں لئے اسے سکندر کا کمرہ پوری شدت سے یاد آنے لگتا جہاں پر سیڑھیوں سے گرنے کے بعد وہ کچھ دن رہی تھی اور اس دوران ایک بار بھی سکندر نے اسے اپنے اصل تعلق کا احساس نہیں دلایا تھا وہ اس کا خیال رکھتا تھا مگر خاموشی سے رات کو وہ گیسٹ روم میں چلا جاتا دن کو وہ وقتاً فوقتاً کمرے کے چکر لگاتا رہتا کبھی کمپیوٹر ٹیبل بیڈ کے قریب کر کے آن کر کے اسے مصروف کر جاتا کبھی کوئی نہ کوئی کتاب اس کے پڑھنے کے لئے لیے چلا آتا لیکن کام کی بات کے علاوہ بھولے سے بھی کوئی اور بات نہ کرتا رات بے چینی سے اس کے بیڈ پر لیٹے کروٹیں بدلتے اس کا دل چاہتا کہ وہ بالکونی میں اسی طرح سے بیٹھ کر گٹار پر کوئی مدھر تان چھیڑے جس سے اس کے دل کے تار بھی چھڑ جائیں پر وہ تو گویا ہر رات ہی بھلا بیٹھا تھا نہ وہ پہلے جیسی شرارتیں نہ وہ مسکراتے لب بے حد جذبات انڈیلتی بڑی بڑی آنکھیں کھوئی آتے جاتے ذومعنی جملہ جس سے بے اختیار اس کی دل کی دھڑکن غیر متوازن ہو جاتی یہ تو وہ سکندر ہی نہ تھا جس سے بدگمان ہونے کے باوجود ذائریہ عادی ہوتی جا رہی تھی اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب اس نے اپنی انا کے ہاتھوں اپنے دل کو ہار دیا پاسپورٹ بننے کے بعد نیو یارک آنے کا ٹکٹ لا کر سکندر نے ہی اس کے ہاتھوں میں تھمایا تھا جہاں پر سویرا کے میاں کے توسط اس کا ایک میڈیکل کالج میں داخلہ ہو چکا تھا بظاہر یہ دو سال کا کورس تھا مگر وہ تو دل میں ہمیشہ کے لئے وہیں جا کر پہلے سے بسنے کا ارادہ کر چکی تھی ارادہ اب بھی وہی تھا بس اب وہ دل یہیں اس روٹھے ہوئے شخص کے پاس چھوڑ کر جا رہی تھی بغیر اسے یہ بتائے اور بغیر اسے منائے کہ اس میں بالکل ہمت نہ تھی جسے اس نے اول روز سے اپنی بدگمانی اور نفرت کا نشانہ بنائے رکھا اب اپنی انا کو ہار کر اسے مناتی وہ ایک بار اقرار محبت کر چکا تھا دوسری بار نہیں کر سکتا تھا صرف ایک بار اس سے اقرار تو کرتا وہ اسی وقت اپنا تن من ہار دیتی مان لیتی اپنی شکست ایمان لے آتی اس کی محبت پر ایک بار اس کو روکتا تو سہی پر وہ تو قسم کھائے بیٹھا تھا کہ اب تمام عمر خود بھی تڑپے گا اور اسے بھی تڑپائے گا بارہا اس نے ہمت کر کے خفگی دور کرنا چاہی اب وہ اس کی رگ رگ میں سما چکا تھا اقرار

کرنا چاہا بتانا چاہا کہ جب سے اسے اصل سکندر نظر آیا ہے وہ اس پر اپنا دل ہار بیٹھی ہے مگر وہ تو سنجیدہ صورت لئے اس کی ہمت توڑ کر رکھ دیتا تھا آخری وقت تک وہ اس سے ایک بار پھر کسی آس بھرے جملے، اقرار محبت کی منتظر ہی رہی مگر وہ تو ایسا چپ ہوا تھا جیسے کبھی پہلے کچھ کہا ہی نہ تھا اس کی یہ سنجیدگی اس کی جانب بڑھتے اس کے قدم روکتی تھی اور پھر وہ تو اسے ایئر پورٹ بھی چھوڑنے نہیں آیا تھا انکل کے ساتھ ہی وہ آئی تھی اور آنٹی سے حویلی میں ہی مل کر زار و قطار رو پڑی تھی وہ جو ان لوگوں کو اپنا کچھ نہیں سمجھتی تھی آج ان سے جدا ہوتے وہ ایک کرب میں مبتلا تھی گاؤں جیسے جیسے دور ہوتا جا رہا تھا اس کے اندر کچھ ٹوٹتا جا رہا تھا جہاز کے پہیوں نے جیسے ہی زمین کو چھوڑا اس کا دل چاہا وہ کود جائے وہی اسی گاؤں میں چلی جاتے اسے گاؤں کے لوگ، فضلو، پینو حتی کہ چھمو تک یاد آنے لگے تھے یہ اس کی بھول تھی کہ وہ ان لوگوں کو ان کی سادہ لوحی اور پرخلوص محبت کو ٹھکرا کر کہیں اور کسی اور دیس کی باسی بن سکتی ہے۔

سویرا کی فیملی کے ساتھ اس کا وقت بہترین گزر رہا تھا سویرا کا اس دوران ایک اور بیٹا ہو چکا تھا اس کے دونوں ہی بیٹے بے حد پیارے اور کیوٹ تھے چوٹا تو ابھی سال بھر کا ہی تھا اور سویرا کو بے حد مصروف رکھتا تھا ذائر یہ کو جب بھی موقع ملتا وہ سویرا کے ساتھ گھر کے کاموں میں اس کی خوب مدد کرتی بچے سنبھالتی جو اس کے ساتھ اٹیچ بھی تھے سویرا کو ذائر یہ کا بڑا آرام تھا ذائر یہ کو یہ آس ہی ہوتی کہ سویرا کے ساتھ باتیں کرتے ضرور وہ کہیں نہ کہیں اپنے چہیتے بھائی کا ذکر کرنے گی وہ اس کے اور اپنے بچپن کے قصے وغیرہ تو سناتی لیکن اب وہ کیا کر رہا ہے بھول کر بھی نہ بتاتی اور وہ خود کس منہ سے پوچھتی نہ جانے اس نے کیا کہہ کر آنٹی انکل اور سویرا کو سمجھایا تھا اور اپنے اور اس کے تعلق کے بارے میں کیا واضح کر رکھا تھا جو وہ لوگ یوں خاموش تھے آخر وہ لوگ ان دونوں کے تعلق کے بارے میں کچھ کہتے کیوں نہیں کبھی کبھی ذائر یہ کو ان پر شدید غصہ آنے لگتا ہر کوئی اس کی بے بسی کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

پر کے بنا پرندہ جیسے سر کے بنا سازندہ جیسے
میں یہاں تیرے بغیر
گھر کے بنا باشندہ جیسے، جال کے بنا کوئی زندہ
جیسے
میں یہاں تیرے بغیر
تیرے بنا جیا نہیں جائے

کانوں پر ہیڈ فون لگائے وہ سیل فون میں ایک ہی گانا ریکارڈ کیے سنتے ہوئے قدرے سنسان سڑک پر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی چلی جا رہی تھی نیویارک پر آج گھرے بادل چھائے ہوئے تھے ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی اور آج وہ بے حد افسردہ تھی رہ رہ کر وہ سنگدل یاد آ رہا تھا یہ بوندا باندی اسے بری طرح سے وہ بارش کی یاد دلا رہی تھی جب بالکونی میں سینے پر ہاتھ باندھے بھیگتے ہوئے وہ گارڈن میں جھولا جھولتے دیکھ رہا تھا اسے آج اسے بہت شدت سے اس کی یاد تڑپا رہی تھی آج اسے ڈی ایل او کا ڈپلومہ سرٹیفکیٹ ملا تھا شاندار نمبروں سے پاس ہوئی تھی اس کے بعد کچھ عرصے بعد بے حد خاموش کے ساتھ اپنی این جی او کے توسط سے پاکستان کے کسی گاؤں میں جا کر اپنی خدمات سر انجام دینے کا فیصلہ ہو چکا تھا جبھی اسے لگا سامنے سڑک پر بلیو جینز پر چیک دار بلو شرٹ پہنے وہی کھڑا ہے اف ایک تو اس وہم

سے وہ عاجز آ چکی تھی نہ جانے اسے کیا ہوا کہ تیز تیز قدم اٹھاتی وہ اس وہم کے قریب جا پہنچی۔

''کیوں تنگ کرتے ہو مجھے، پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے میرا او کے تم ایسے میری جان نہیں چھوڑو گے تو سنو، آئی لو یو، آئی لو یو سو مچ بے حد پیار کرتی ہوں میں شاید اس روز سے جب پہلی بار تم زخمی حالت میں سینٹر آئے تھے یا پھر غصہ میں لڑتا بھڑتا سکندر جس کے سینے میں چھپ کر تحفظ کا احساس جاگا تھا بدگمان ہو کر بھی میں تم سے کبھی بدگماں ہو ہی نہیں سکی اور جب تم نے میری ہر غلط فہمی دور کر دی تو میری روح ہلکی پھلکی ہو گئی تھی مگر میں نادان تھی پہلے تمہیں بدگمانی کی وجہ سے کھو دیا اور پھر اپنی انا کے ہاتھوں تم نے تو کہا تھا کہ تم میرے منہ سے اس تعلق کو توڑنے یا جوڑنے کے بارے میں سننا چاہتے ہو صرف ایک ہاں مجھے میری محبت لٹا دیتی مگر میں تو اپنی انا کے ہاتھوں ہار گئی ہاں سکندر کاش تم سچ مچ میرے سامنے ہوتے دو سال سے تمہاری جدائی میں تڑپ رہی ہوں کرلا رہی ہوں کوئی مجھے تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتاتا لیکن میری بڑی دیکھو میں خود سے بھی فون کر کے تمہیں نہیں پکارتی جدائی کا عذاب تمام عمر مجھ پر جاری رہے یہی سزا سناتی ہے میں نے خود تم جیسے اچھے شخص کا دل دکھا کر، لیکن سکندر میں ٹوٹ گئی ہوں، ہار گئی ہوں، ہار گئی ہوں۔'' ذائر یہ نے بے تحاشا اپنے وہم کے سامنے کھڑے روتے ہوئے اقرار محبت کیا۔

''کس نے کہا ہار گئی ہو تم، تم تو جیت چکی ہو مجھے۔'' سکندر کو بولتے دیکھ کر وہ بھونچکا کھڑی رہ گئی اور پھر حقیقت کا ادراک ہوتے ہی روتے ہوئے سکندر کے سینے سے جا لگی سکندر نے کچھ دیر اسے رونے دیا ان دونوں کے ملن کا منظر بادلوں کی آنکھیں بھی نم کر گیا تھا جبھی تو بوندا باندی میں تیزی آ گئی تھی پھر چپ کراتے ہوئے سکندر نے ذائر یہ کے ماتھے پر اپنی محبت ثبت کی۔

''ویسے ڈاکٹرنی جی بے شک یہ آزاد پسند ملک ہے مگر......'' سکندر نے ذائر یہ کی توجہ بٹانے کے لئے ابھی تک اس کے سینے سے لگی ذائر یہ کو چھیڑا اور ذائر یہ کی بات کا مفہوم جان کر جلدی سے پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی اپنی جو تھی انا کی وجہ سے دو سال وہ بہت اذیت میں گزار چکی تھی اب مزید تاب نہ تھی اس میں یہ سب سہنے کی۔

''ٹکٹیں کنفرم ہیں ابھی کچھ دیر بعد ہماری فلائیٹ ہے جلدی کرو ایئر پورٹ پہنچا ہے۔'' سکندر نے یہ کہہ کر اس حیران ہی کر ڈالا۔

''ایسے کیسے؟ میرا سامان، سویرا وغیرہ سے ملنا اور پھر کیا تم صرف مجھے لینے ہی آئے ہو اتنی دور سے۔'' ذائر یہ نے بے ربط ہوتے نہایت حیرت سے پوچھا۔

''ہاں بالکل اتنی دور سے تمہیں لینے ہی آیا ہوں ایک ایک پل کو گن کر گزارا ہے میں نے اس ایک لمحے کے انتظار میں تم کیا جانو اور اگر خود لینے نہ آتا تو محترمہ تو کسی این جی او کی وجہ سے کسی اور گاؤں میں چپ چاپ جا بستیں اور میں رانجھا بنا اپنی ہیر ہر گاؤں میں کھوجتا رہتا اس سے تو بہتر آ کر تمہیں لے جانا ہی ہے ناں بس جلدی کرو باقی باتیں گاؤں جا کر جہاں ہمارے ولیمے کا انتظام نہایت زور و شور سے ہو رہا ہے سویرا وغیرہ بھی سب جا چکے ہیں سمجھی۔'' سکندر نے ہنستے ہوئے کہا وہ تو آج نہ جانے کیسے کیسے انکشاف کر کے اسے بوکھلائے دے رہا تھا۔

''ویسے میں نے صحیح طرح سے سنا نہیں آپ شاید آئی لو یو ٹائپ کی کوئی بات کر رہی تھیں۔'' سکندر نے اسے چھیڑا۔

''سکندر!'' ذائر یہ نے اس کے بازو پر ہلکا

سامکا جڑا ہنستے ہوئے۔

''ہائے لٹ کے لے گئی ڈاکٹرنی جی میرا خیال ہے کہ ہنی مون منا کر ہی جاتے ہیں۔'' سکندر نے ایک ادا سے بازو پکڑتے کہا اور سکندر کے ارادے جان کر ذائریہ نے دوڑ لگا دی ہنستے ہوئے اس یقین کے ساتھ کہ سکندر اس کے پیچھے ہی آ رہا ہے اور اب اسے واپس گاؤں جا کر انکل آنٹی اور باقی سب لوگوں سے بھی ملنے کی جلدی تھی۔

☆☆☆

زندگی کی نیندوں کی صبح عشق ہے
بڑی خوبصورت سی سزا عشق ہے
ہم کو پیار ہوا پوری ہوئی دعا
ہم کو پیار ہوا ، ہم کو پیار ہوا

''میں چوہدری سکندر ایک عام سا انسان جس کی ایک خامی اس کی تمام خوبیوں پر یوں پردہ ڈالے گی مجھے اس کا ذرا بھر اندازہ نہ تھا اور وہ خامی تھی میرا بہت جلد غصے میں آ جانا گاؤں کے ماحول میں رہتے میں نے لڑکپن سے ہی یہ بات بہت اچھی طرح سے سیکھ لی تھی کہ حق بات کرنا ہی سب کچھ نہیں ہوتا بلکہ حق کے لئے لڑنا پڑتا ہے بھڑ جانا پڑتا ہے اور پھر میری یہی سوچ میری ذات کا خاصہ بن گئی، محبت کیا ہوتی ہے اور آپ کو کس طرح موم کی طرح پگھلا کر رکھ دیتی ہے اس کا ادراک تو شاید بہت بعد میں جا کر ہوا مگر وہ پہلی نظر کی محبت کا جادو مجھ پر چل گیا تھا۔''

''ہاں ذائریہ مجھے تم سے پہلی نظر کی محبت ہو گئی تھی۔'' سکندر نے دلہن بنی ذائریہ کے پاس بیٹھ کر بولنا شروع کیا آج ان کی دعوت ولیمہ تھی پورے رشتے دار اور گاؤں امڈ پڑا تھا ذائریہ نے ٹی پنک کلر کی کامدار لونگ شرٹ کے ساتھ گھیر دار لہنگا پہنا ہوا تھا اور اونچے جوڑے پر سبز رنگ اور ٹی پنک کلر کا خوبصورت دوپٹہ اسٹائلش انداز میں ٹکایا گیا تھا آج تو اس کی چھب ہی نرالی تھی دلہن بنی وہ بے حد حسین نظر آ رہی تھی سویرا نے ہی سبھی باتوں کا انتظام کر رکھا کل گاؤں آتے ہی فوراً سکندر سے پردہ کروا دیا گیا تھا جس پر سکندر نے اچھا خاصا شور مچایا تھا پر اس کی سنی کس نے تھی سبھی لوگ بے حد پرجوش اور خوش تھے آنٹی زلیخا تو اس کی بلائیں لیتی نہ تھکتی تھیں اور وہ جب بھی کسی سے کچھ پوچھنا چاہتی ایک ہی ٹکا سا جواب آتا سکندر نے کچھ بھی بتانے سے منع کیا کل اسی کی زبان سب کچھ سن لینا اور آج اس کے بیڈروم میں جو گلابوں اور موتیا کے پھولوں سے بھرپور طریقے سے سجایا گیا تھا دلہن بنی ذائریہ شرمائی سی سکندر کی باتیں سن رہی تھی آج تو سکندر کی چھب بھی نرالی ہی تھی آف وائٹ شیروانی، چوڑی دار پاجامہ، نوک دار کھسہ اور میرون رنگ کی پگڑی اس کی بلند قامت اور بھرپور مردانہ سراپے پر بے حد جچ رہی تھی، سبھی لوگوں نے انہیں چاند سورج کی جوڑی قرار دیا تھا۔

''پہلی ملاقات میں تمہارا مجھے ڈانٹ کر رکھ دینا، سنجیدگی سے میرے زخموں پر مرہم رکھنا سب یاد تھا اور پھر اس رات تمہارا گھبرائی آواز میں فون کرنا سمجھ میری تو جان ہی اٹک گئی تھی، روتے ہوئے تمہارا میرے سینے لگنا میری جی چاہا تھا میں تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی بانہوں میں سب سے چھپا لوں اور پھر قدرت کا مجھ پر اتنا مہربان ہونا کہ اچانک تمہیں میری زندگی میں شامل کرنا اس رات میں کتنا خوش اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا تمہیں اپنے حال دل سنانے کو بے تاب تھا مگر آگے سے تمہاری باتیں سن کر میں سن ہی ہو گیا تھا وقتی طور پر غصے میں آ گیا مگر پھر بعد میں جب بابا اور ماں نے سمجھایا تو مجھے واقعی تمہاری ذہنی

کیفیت کا احساس ہوا اور پھر میں نے واقعی بابا کی یہ بات سمجھ لی کہ اس وقت تمہیں میرے پیار کی نہیں اعتبار کی ضرورت ہے مجھے پہلے تم پر اپنا اعتبار قائم کرنا تھا میں تو بس یہی سمجھ رہا تھا مگر اصل بات تو کچھ اور یہی تھی اور اس رات کمرے میں محبت سے مغلوب ہو کر جب بے ساختہ میں تم سے اقرار محبت کر بیٹھا تھا تمہارا ردعمل دیکھ کر صدمے سے کھڑا رہ گیا تھا اور پھر جب خون میں لت پت تمہیں گرا دیکھا تو لگا جیسے جسم سے جان نکلی جا رہی ہے تمام راستے اپنے خدا سے گڑگڑا کر تمہاری زندگی کی بھیک مانگتا گیا تھا اور تب مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میں تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور پھر میں نے ایک اور فیصلہ کیا کہ مجھے تمہیں وقت دینا ہے ہاں یہ وقت ہی تمہیں یقین دلائے گا میرے پیار کا، مجھ پر اعتبار کرنے کا اور جب تم اپنے دل کی آواز کو سن کر اسے زبان دو گی پھر ہی اس تعلق کو آگے بڑھاؤں گا ورنہ تمام عمر تمہارے انتظار میں زندگی بتا دوں گا مجھے تمہارے منہ سے اقرار سننا تھا تاکہ ہر غلط فہمی دور ہونے کے باوجود کچھ عرصہ تم اپنے فیصلے کو جذباتی پن سمجھ کر پچھتانے نہ لگی تبھی اپنے دل پر جبر کر کے تمہیں سویرا کے پاس بھیج دیا تمہاری آنکھیں جو کچھ مجھ سے کہہ رہی تھیں میں انہیں پڑھ کر بھی انجان بنا رہا اور اپنے اس فیصلے میں، میں نے بابا، ماں اور سویرا کو بھی شریک کر لیا میں نے ان سب کو سختی سے منع کر دیا کہ میرے بارے میں اس وقت تک تذکرہ نہیں کرنا جب تک تم خود نہ پوچھو اور تمہاری ایک ایک حرکت کے بارے میں سویرا نے مجھے باخبر رکھا تم کیا جانو یہاں پر میں نے یہ دو سال کیسے گزارے ہیں تمہارے بعد ہر بارش نے میرے تن کو جلایا ہے سامنے گارڈن میں جھولے پر جھولتی وہ بے خبر معصوم لڑکی جو بھیگی سی اپنے وجود کی حشر سامانیوں سے بالکل انجان بارش میں بھیگتی مجھے تڑپا رہی تھی یا پھر رات کی چاندنی میں چپکے چپکے اپنی بالکونی میں بیٹھ کر میرے گٹار اور آواز سے لطف اندوز ہوتی تھی پرانی حویلی میں مجھے دیہاتی کاموں میں مصروف چور اور حیران نظروں سے دیکھتی تھی، باڑے میں چلتی کٹے سے گھبرا کر ٹھک میرے سینے میں آ سمائی تھی اپنی ستائشیں بھری نظروں کو مجھ سے ہی چرائی تھی اس بات سے انجان کہ میں اس کی ایک ایک جنبش پر نظر رکھے ہوا تھا ان دو سالوں میں، میں ہر جگہ تمہیں کھوجا ہے یاد کیا ہے تڑپا ہوں تمہاری جدائی میں بالکل اس طرح جس طرح تم میرے لئے تڑپتی رہی ہو، میں چاہتا ہوں کہ تم دل و دماغ سے گاؤں میں آ کر میرے سنگ اپنی زندگی گزارو اور میرا جو اس گاؤں کو خوشحال اور ترقی پسند بنانے کا ارادہ ہے اس میں بھرپور ساتھ دو میں اپنے بابا کے خواب کو تا عمر ساتھ لے کر چلنا چاہتا ہوں اور مجھے اس میں تم جیسے ساتھی کا بھرپور ساتھ چاہیے۔'' سکندر نے اپنی چاہتوں کا اظہار کرتے ہوئے کہا اور ذائریہ کا من یہ سب سن کر سرشار ہوتا چلا جا رہا تھا وہ محبت کی اسیر ہو چکی تھی اسے وفا کا احساس ہی نہیں یقین بھی آ چکا تھا۔

''اور یہ جو تم نے لٹھ پہن کر میرے پرزدر جذبات پر باندھ باندھنے کی ناکام سی کوشش کی ہے اس کی سزا تو تمہیں ضرور مل کر رہے گی۔'' سکندر ذائریہ کی جانب جھکتے اور شرارت پر آمادہ لہجے میں کہا اور ذائریہ جلدی سے شرما کر سکندر کے سینے میں منہ چھپا کر اس سے ہی چھپنے کی کوشش کی اور سکندر اس کی اس معصوم ادا پر قہقہہ لگائے بنا نہ رہ سکا۔

☆☆☆

ستم گزیدہ

سدرہ سحر عمران

حمزہ شاہ کے وجیہہ چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے، وہ تینوں کمروں میں دوبارا سے تلاش کر چکا تھا مگر وہ ہوتی تو ملتی۔

''دروازہ تو بابو جی باہر سے بند کر کے گئے تھے، وہ باہر کیسے جا سکتی ہے۔'' یہ خیال آتے ہی اسے ایک گونا سکون ہوا تھا، زرمینے چھت کی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تو وہ بھی سرعت سے اس کے پیچھے آیا، چھت پر بنے اسٹور نما کمرے میں وہ لکڑی کی پیٹی کے پاس گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی، وہ دونوں وہیں رک گئے۔

''نندنی!'' زرمینے نے کچھ دیر بعد اسے مخاطب کیا تو وہ چونک کر سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی، اس کی آنکھیں متورم تھیں اور پپوٹے سوجے ہوئے تھے، یقیناً وہ کافی دیر تک روتی رہی تھی، زرمینے کے دل کو کچھ ہوا وہ اس کی طرف لپکی۔

''نندنی!'' اس نے دوبارہ آواز دی مگر وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی اور پھر سر جھکا کر سسکنے لگی۔

مکمل ناول

''رو کیوں رہی ہو؟'' زرمینے اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی، حمزہ شاہ کے چہرے پر بھی تشویش تھی۔

''ڈیڈ بہت یاد آ رہے ہیں مجھے۔'' وہ بھاری آواز میں سوں سوں کرتے ہوئے بولی تو حمزہ شاہ ایک گہرا سانس بھر کر واپس پلٹ گیا۔

''تمہارے بھائی نے مارا ہے انہیں، یہ انسان نہیں قاتل درندہ ہے۔''

"اور تمہارے ڈیڈ جو سینکڑوں بے گناہ کشمیریوں کے خون اپنے سر لئے تھے ان کا حساب کون بے باق کرے گا نندنی......؟" زرمینے کے لہجے میں کرب چیخا، نندنی خاموش رہی۔

"کیا تمہارے پاس میرے سوال کا جواب ہے یقیناً نہیں کیونکہ ہم لوگوں کے اندر انسانیت صرف اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی ہمارے کسی بہت اپنے کے ساتھ ظالم وزیادتی کرے، تب ہمیں خبر ہوتی ہے کہ دکھ درد کی انتہا کیا ہوتی ہے۔"

"تم جاؤ یہاں سے...... میں اس وقت تنہائی چاہتی ہوں۔" نندنی نے اس کے تلخ بیانی برداشت نہیں ہوئی تھی۔

پورے پورے گاؤں جلا کر بھسم کر دیئے، کشمیری ماؤں بہنوں کی عصمتوں کو تار تار کر دیا تو تمہیں اپنا غم ان کے مقابل کچھ نہ لگے گا۔" زرمینے اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور پھر سرعت سے سیڑھیاں اتر گئی، نندنی کے آنسو تھم چکے تھے، زرمینے اسے آئینے کا وہ رخ دکھا گئی تھی جو وہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

"زرمینے کے لئے تمہاری خالہ نے پیام دیا ہے اماں نوراں آئی تھی آج۔" حمزہ شاہ مغرب کی نماز کے بعد کمرے میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ زینت نوراً بول پڑیں، وہ کافی دیر سے اس کی منتظر تھیں۔

"زہرہ خالہ نے۔" حمزہ شاہ نے استعجابیہ نظروں سے انہیں دیکھا، اس کی یہ خالہ عرصہ دراز سے اندھرا پردیش میں مقیم تھیں، شادی بیاہ کے مواقع پر ہی ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا ہوتا تھا، یہ لوگ کافی مال دار اور آزاد خیال تھے اس لئے حمزہ شاہ کو حیرت ہوئی تھی۔

"ان کے بیٹوں کے شادیاں تو ہو نہیں چکیں۔"

"چھوٹے ثمر کی شادی چھ ماہ پہلے ہوئی تھی میں گئی تھی تمہارے بابو جی کے ساتھ لیکن اس کی اپنی دلہن سے بنی نہیں، تین ماہ بعد ہی اس نے طلاق لے لی تھی۔" وہ دھیمے لہجے میں بتا رہی تھیں۔

"میں بھی کہوں کہ خالہ کی گردن میں تو اتنا کلف ہے کہ وہ خود سے ملنا ملانا گوارہ نہیں کرتیں کجا کہ زرمینے کے لئے پیام بھجوائیں، ویسے ان کے لئے تو مال دار آسامیوں کی ابھی بھی کمی نہ ہوگی، پھر ان کے دماغ میں کیا آسمایا۔"

"اس لئے میں حیران ہوں مگر اتنے عرصے بعد میری بہن نے......"

"ماں جی۔" حمزہ شاہ بے ساختہ ٹوک گیا۔

"خالہ ہمیں آپ کی طرح عزیز ہیں، ہم ان کا بہت احترام کرتے ہیں اور ان سے قرابت داری پر ہمیں اعتراض ہے نا کوئی شکوہ، لیکن آپ میری اکلوتی بہن کے لئے ایسا بر چاہ رہی ہیں جو نہ صرف شادی شدہ رہ چکا ہے بلکہ ان کے نزدیک مذہب کی حیثیت نا ہونے کے برابر ہے، جو دنیاوی عیش وطرب کے اس قدر رسیا ہیں کہ ہم جیسے بنیاد پرست لوگوں کا تمسخر اڑاتے ہیں۔"

حمزہ شاہ کے احساس پر اداسی کا غلبہ طاری ہونے لگا اسے اپنی ماں سے اس بات کی امید نہیں تھی۔

"تمہاری بات درست ہے حمزہ! مگر میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ ایک ہی بہن ہے میری دنیا میں، اس سے رشتہ مضبوط ہو جائے گا اور زرمینے بھی اپنوں میں چلی جائے گی۔" وہ سادگی سے گویا ہوئی تھیں۔

"تو پہلے کیوں نہ خیال آیا اپنوں کو۔" وہ تلخ ہوا۔

"بہر کیف میں اس معاملے میں زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا، آپ خالہ کو انکار کر دیں۔" اس کا انداز دوٹوک تھا۔

"مگر حمزہ!"

"ماں جی پلیز!"

"پتر! میں جلد از جلد زرمینے کے فرض سے سبک دوش ہونا چاہتی ہوں زندگی کا بھروسہ۔"

"ماں جی!" وہ ان کے قریب آکر بیٹھ گیا اور پھر ان کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر بولا۔

"زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے، اسے یقیناً اپنے بندوں کی زیادہ فکر ہے وہ ہر فیصلہ بروقت کرتا ہے، اس پہ چھوڑیں سب، وہ بہتر کرے گا ہمارے حق میں۔"

"تمہارے بابو جی بھی یہی کہتے ہیں مگر ماں ہوں نا، ہمہ وقت دل مٹھی میں رہتا ہے، تمہیں پتہ ہے نا یہاں کے حالات کا، انڈین آرمی۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

"میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں، اللہ پہ بھروسہ رکھیں اور زرمینے کی فکر مت کریں، میں نے اس کا حل بھی سوچ لیا ہے۔" معاً ایک خیال آنے پر اس کے دلکش لب مسکرانے لگے تھے۔

"کیا؟" وہ فوراً بولیں۔

"بتا دوں گا وقت آنے پہ۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

☆☆☆

مارچ کا اوائل تھا، موسم قدرے بہتر ہو چکا تھا، کپواڑہ کے بعد ان کا گروپ چرار شریف پر قبضہ کر کے چاروں اطراف میں اپنی پوسٹیں بنا چکا تھا، عبداللہ سب سے آخر میں چرار شریف روانہ ہوا تھا، اس کے ساتھ احمد اور عظیم تھے، راستے میں انہوں نے ایک گاؤں رتنی پورہ میں دو روز قیام کیا، ابھی وہ رتنی پورہ میں ہی تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ چرار شریف کا محاصرہ ہو گیا ہے اور مجاہدین انڈین فوج کے گھیرے میں ہیں، فوج ہتھیار ڈالنے پر اصرار کر رہی تھی لیکن مجاہدین نے ان کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ چرار شریف کی طرف روانہ ہوئے لیکن آرمی کا گھیرا تنگ تھا جس کی وجہ سے وہ انہیں قصبے میں واپس آنا پڑا، چرار شریف کی صورتحال دن بہ دن خراب ہوتی جا رہی تھی، کراس فائرنگ کا سلسلہ شد ومد سے جاری تھا مجاہدین کے پاس اسلحہ محدود پیمانے پر تھا اس لئے وہ سوچ سمجھ کر استعمال کر رہے تھے اس کے باوجود انڈین آرمی کی نیندیں حرام ہو چکی تھیں، صرف پچیس تیس مجاہدین کے مقابلے میں چالیس ہزار فوجی تھے اور اس مقابلے کو چوتھا ہفتہ شروع ہو چکا تھا، بھارت ذرائع ابلاغ کے ذریعے یہ افواہیں نشر کی جا رہی تھیں کہ کشمیر میں حالات بہتر ہو رہے ہیں اور عنقریب الیکشن ہوں گے۔

بھارت کی سرکار جلد از جلد اس مسئلے کا حل چاہتی تھی، کہ یہ ہنگامہ خیزی اس کے لئے خفت اور بدنامی کا سبب بن رہی تھی، نہ مجاہدین ہتھیار ڈالنے پر آمادہ تھے نہ آرمی اپنی عزت ملیامیٹ کرنا چاہتی تھی، دوسرا مہینہ بھی ختم ہونے کو ہوا لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا، انڈین آرمی نے اپنی ہزیمت سرائی کا بدلہ لینے کے لئے اوچھا ہتھکنڈا استعمال کیا اور چرار شریف کے پورے خطے پر بارود چھڑک کر آگ لگا دی، شام تک پورا چرار شریف جل کر راکھ ہو چکا تھا، مجاہدین کے پاس کوئی کمین گاہ نہ رہی تو انہوں نے چرار شریف سے نکلنے کا فیصلہ کیا، دس مئی کی رات مجاہدین نے اللہ کا نام لے کر فوج پر ہلا بول دیا، رات کی تاریکی مجاہدین کے لئے مددگار ثابت ہوئی انہوں نے اندھیرے سے پورا فائدہ اٹھایا، دشمن پست ہو چکا تھا،

مجاہدین نے جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف خود کو آرمی کے گھیرے سے آزاد کروایا بلکہ درجنوں کے درجن فوجی جہنم واصل کرتے ہوئے مسلسل آگے بڑھتے گئے، اس عظیم الشان معرکے میں صرف ایک مجاہد شہید ہوا، باقی تمام مجاہدین بخیریت نکل گئے تھے۔

چالیس ہزار فوجیوں کا مقابلہ محض دو درجن مجاہدین نے کیا اور فتح یاب ٹھہرے، ان کی یہ جیت بھارتی سرکار کے منہ پر زبردست طمانچہ تھی یہ مقابلہ تاریخ آزادی کشمیر میں اپنی نوعیت کا منفرد معرکہ تھا۔

☆☆☆

وہ رتنی پورہ میں ہی تھے کہ انہیں اطلاع ملی ایک پاکستانی مجاہد سیف اللہ خالد کپواڑہ آئے ہوئے تھے، جنہیں امجد حسن نے عبداللہ کے پاس بھیج دیا اور ساتھ ہی پیغام بھی دیا کہ آپ لوگ بڈگام چلے جائیں، لہٰذا دو دن بعد وہ بڈگام کے لئے روانہ ہو گئے، سیف اللہ خالد ان کے ساتھ ہی تھے، یہ میانے قد اور مضبوط جسامت کے حامل تھے، لب و لہجہ خاصا دبنگ تھا، عبداللہ تو ان سے مل کر بہت اچھا لگا تھا، وہ چند ہی دنوں میں ان کی شخصیت کا گرویدہ ہو گیا۔

سیف اللہ خالد نے انہیں اپنے فدائی معرکوں کی تفصیلات سے آگاہ کیا تھا، وہ قریباً سات سال سے کشمیر کے محاذ پر انڈین فوج سے برسرپیکار تھے، پھر چند ماہ کے لئے پاکستان چلے گئے تھے اور حال ہی میں واپسی ہوئی تھی، سیف اللہ خالد نے بارودی سرنگیں لگانے کے حوالے سے اپنے کارناموں کی تفصیلات گوش گزار کی تو عبداللہ نے ان سے کہا۔

''یہ کام میرے لئے نیا ہے آپ مجھے اپنی شاگردی میں لے کر یہ بھی سکھا دیں۔'' سیف اللہ خالد مسکرا دیئے۔

''ضرور کیوں نہیں، ہم کل بارودی سرنگ لگائیں گے۔'' وہ فوراً ہی آمادہ ہو گئے تھے، دوسرے روز تقریباً گیارہ بجے انہوں نے سامان باندھا اور سفر شروع کیا، انہوں نے تقریباً چار کلو میٹر دور ماچھواہ سے ائیر پورٹ کی طرف جانے والی شاہراہ پر بارودی سرنگ لگانی تھی، اس شاہراہ پر رات کو ایک گشتی دستہ اکثر مٹرگشت کرتا، وہ چھ ساتھی تھے جو اس مشن کے لئے روانہ ہوئے، تین کو پہرے پر لگا دیا گیا اور عبداللہ، احمد اور سیف اللہ خالد مل کر گھڑے کھودنے لگے، وہ اپنا کام جلد از جلد نمٹانے کی کوششوں میں تھے کہ کس دستے کی نظر میں نہ آ جائیں، انہوں نے بارودی سرنگ بچھا دی اور واپس ماچھواہ کی طرف روانہ ہوئے۔

راستے میں ایک برساتی نالے پر لکڑی کا پل بنا ہوا تھا، اس پر بھی آرمی کا پہرہ تھا کہ کہیں یہ مجاہدین یہ پل تباہ نہ کر دے، اس وقت رات کے تین بجنے والے تھے، گرمیوں کا موسم تھا اس موسم میں آرمی کافی چوکنا رہتی تھی، جب وہ اس پل کے نزدیک پہنچے تو سیف اللہ خالد نے کہا۔

''اس پل پر اکثر آرمی کا پہرہ رہتا ہے، لہٰذا بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں، سب سے پہلے آپ پل پار کریں گے یا میں کروں۔'' عبداللہ نے پوچھا تو وہ بولے۔

''میں پار کرتا ہوں۔'' وہ چار ساتھی رہ گئے تھے کہ دو کو بارودی سرنگ کے پاس بٹھا کر آئے تھے تاکہ وہ مناسب وقت پر اسے بیڑی لگا کر دھماکہ کر سکیں، سب سے پہلے سیف اللہ خالد نے پل پار کیا، اس کے بعد احمد اور عظیم نے، سب سے آخر میں عبداللہ پل کی طرف بڑھا، جیسے ہی اس نے پل عبور کیا سیٹیاں بجنی شروع ہو گئیں۔

☆☆☆

وہ اس گھر میں سب سے زیادہ متاثر بابو جی کی شخصیت سے ہوئی تھی، ان کا رویہ بہت مشفقانہ تھا، وہ اسے بالکل زرمینے کی طرح سمجھ رہے تھے اور دیگر لوگوں سے بھی بار بار اس کا خیال رکھنے کی تاکید کرتے، اسے یہاں رہتے ہوئے تقریباً چھ ہفتے ہو چکے تھے، حمزہ شاہ اسے یہاں آنے کے دوسرے ہفتے ہی اپنے مشن پر روانہ ہو گیا تھا، نندنی اگروال کے پاس یہ گھر آخری پناہ گاہ تھا اس لئے وہ کچھ دن بعد خود ہی سنبھل گئی تھی، وہ اب بھی اپنے مذہب پر قائم تھی، یہاں کسی نے اس کے دھرم کے حوالے سے کوئی سوال جواب یا اعتراض نہیں کیا تھا، لیکن محلے داروں کو اس کا نام نخشینہ بتایا گیا جو زینت بی بی کی بھانجی تھی اور گاؤں دیکھنے کے شوق میں یہاں چلی آئی تھی، اس کی زرمینے سے دوستی ہو چکی تھی اب تو دونوں مل کر کام کاج کرتیں، وہ زینت کو خالہ جی اور عظام شاہ کو بابو جی کہنے لگی تھی، اس وقت بھی وہ اور زرمینے تخت پر بیٹھیں سبزی بنا رہی تھیں، زینت پڑوس میں ہوئی تھیں جب ان کا دروازہ پوری شدت سے دھڑ دھڑا گیا۔

''الٰہی خیر!'' زرمینے دہل کر اٹھی، گھر میں اس وقت ان دونوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا، اکثر اوقات انڈین آرمی ان کے گھر آتی رہتی تھی اس لئے زرمینے کا رنگ فق ہو چکا تھا۔

''کیا ہوا زرمینے؟'' نندنی اس کی اڑی ہوئی رنگت دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

''دروازے پر آرمی نہ ہو؟'' زرمینے نے تھوک نگل کر کہا۔

''حذیفہ دروازہ کھولو۔'' آواز حمزہ شاہ کی تھی، زرمینے کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی، وہ لپک کر دروازے کی طرف گئی، آنے والا حمزہ شاہ ہی تھا مگر اس کی حالت......

''بھائی کیا ہوا؟'' زرمینے اسے دیکھ کر چیخ اٹھی، اس کی قمیض پر جا بجا خون کے دھبے تھے، چہرے پر بھی خراشیں تھیں، ایک ہاتھ سے اپنا بازو جکڑے وہ لب دباتے ہوئے تکلیف ضبط کر رہا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا، فرسٹ ایڈ بکس لے کر آؤ جلدی اور دروازہ بند کر دو۔'' وہ گھسیٹ کر چلتا ہوا تخت پر آ کر بیٹھ گیا، نندنی تحیر سے اسے دیکھ رہی تھی، اس قدر زخمی اور خون رسنے کے باوجود اس کا چہرہ پرسکون تھا۔

''نخشینہ! اندر الماری میں سے بکس لے کر آؤ جلدی۔'' زرمینے دروازہ بند کرتے ہوئے بولی اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

''ماں جی کہاں ہیں؟'' حمزہ شاہ نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔

''صنوبر خالہ کے گھر گی ہیں۔''

''یہ تو بہت اچھا ہوا ورنہ وہ میری حالت دیکھ کر پریشان ہو جاتیں، کسی پیالے میں ٹھنڈا پانی لے کر آؤ۔'' حمزہ شاہ نے اپنی ادھڑی ہوئی آستین پھاڑ کر اس سے خون صاف کرنے لگا، دائیں بازو پر کسی تیز دھار آلے سے وار کیا گیا تھا، زخم گہرا تھا زرمینے نے رونا شروع کر دیا۔

''زرمینے! بے وقوف مت بنو۔'' حمزہ شاہ نے اسے گھر کا تو وہ سسکیاں دباتی باورچی خانے میں چلی گئی، نندنی (نخشینہ) فرسٹ ایڈ بکس لے کر اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی، وہ مرہم پٹی میں ماہر تھی اور یہ بات زرمینے کے علم میں تھی، اس نے بکس سے جراثیم کش محلول نکال کر کاٹن پر لگایا اور ایک لفظ بولے بغیر اس کے بازو کا زخم صاف

کرنے لگی تھی، وہ کسی ماہر جراح کی طرح یہ کام کر رہی تھی، حمزہ شاہ اپنی حیرت کو دبا کر خاموش بیٹھا رہا۔

زرمینے پیالے کو ان کے قریب رکھ کر فوراً دودھ میں ہلدی ملا کر لے آئی۔

''یہ پی لیں بھائی جان!''

''چہرے پر بھی خراشیں ہیں۔'' اس نے حمزہ شاہ کا چہرہ دیکھا، اس کا سرخ سفید وجیہہ چہرہ خراشوں سے بھرا تھا۔

''معمولی خراشیں ہیں، رگڑ کی وجہ سے آئی ہیں۔'' حمزہ شاہ نے اس کے ہاتھ سے پھاہا لیا اور خود اپنا چہرہ صاف کرنے لگا، فشینہ خجل سی ہو کر سامان میں سے ٹیوب نکالنے لگی، اسے ایکدم ہی بے پناہ شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔

''میرے کپڑے نکال دو زرمینے، میں ماں جی کے آنے سے پہلے کپڑے تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ فشینہ کو مسلسل نظر انداز کر رہا تھا، اس لئے خود ہی سفید پٹی نکال کر اپنے بازو کے گرد لپیٹنے لگا، مگر مشکل پیش آ رہی تھی۔

''میں باندھ دوں بھائی۔'' زرمینے آگے کو آئی۔

''نہیں تم جلدی سے کپڑے نکال دو۔''

''جی اچھا۔'' وہ اندر بھاگی۔

حمزہ شاہ سے پٹی باندھی نہیں جا رہی تھی، بازو ہلتا تو تکلیف کا احساس بدن کو چیرتا چلا جاتا، فشینہ نے اس کی اکڑ نظر انداز کر کے پٹی اس کے ہاتھ سے لی۔

''کسی زمانے میں، میں ایک آرمی ہاسپٹل میں نرسنگ کی خدمات بھی سرانجام دے چکی ہوں، کالج لائف میں اور بہترین مرہم پٹی کر سکتی ہوں۔'' وہ آہستہ آہستہ بولتے ہوئے اپنا کام بھی کرتی جا رہی تھی، تقریباً ڈیڑھ ہفتے بعد وہ اسے سن رہا تھا، اس کی آواز اسے پہلے والی تلخی مفقود تھی اس کی جگہ نرمی تھی اس نے قینچی سے پٹی کاٹ دی۔

''میں اپنا کام خود کر سکتا ہوں۔'' وہ سرد لہجے میں گویا ہوا۔

''مگر کبھی کبھی ہمیں دوسروں کے سہارے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔''

''میں کسی کا سہارا لینے کی بجائے برداشت کرتا ہوں۔''

''وہ تو آپ کر ہی رہے ہیں۔'' وہ اب اس کے ہاتھوں سے زخم صاف کر رہی تھی۔

''میں نے کہا نا میں خود کر سکتا ہوں۔'' اسے فشینہ کا وجود ناگوار گزر رہا تھا۔

''کیا میں یہ ٹیپ آپ کے ہونٹوں پر چپکا دوں۔'' اس نے شرارت سے سفید ٹیپ اسے دکھائی، حمزہ شاہ نے گھور کر اسے دیکھا۔

''اپنے منہ پر چپکا لو تو بہتر ہے۔''

''بول میں نہیں آپ رہے ہیں، آپ مجھے خاموشی سے اپنا کام کرنے دیں یقین مانیں کوئی چارجز نہیں لوں گی۔''

''ایک دم فضول لڑکی ہو تم۔'' حمزہ شاہ کو بے وجہ ہی اس پر طیش آ گیا، اس کا ہاتھ جھٹک کر وہ دھم دھم کرتا غسل خانے میں چلا گیا حالانکہ اس کو چلنے میں دشواری ہو رہی تھی، فشینہ کو اس بار اس کا انداز برا نہیں لگا تھا، وہ بس ہولے سے مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

سیٹیاں بدستور بج رہی تھیں لیکن انہوں نے کوئی دھیان نہ دیا اور چلتے رہے، چند کلومیٹر آگے جا کر ماچھواہ چوک تھا جہاں سے ایک سڑک سری نگر، دوسری ائیر پورٹ اور تیسری چاڈورہ جاتی تھی، وہ ماچھواہ کی طرف روانہ ہوئے تو اچانک

ہی ان پر ایل ایم جی کا برسٹ فائر ہوا، وہ چاروں قطار میں جا رہے تھے، برسٹ ان کے قریب آ کر فائر ہوا تھا تاہم انہیں گزند نہیں پہنچا، اس کے ساتھ ہی ان پر گولیوں کی بوچھاڑ ہو گئی، وہ سرعت سے سڑک پر لیٹ گئے، کھلی سڑک پر چھپنے کے لئے کوئی جگہ بھی نہیں تھی اور نہ ہی انہیں جوابی فائر کا موقع مل سکا تھا، دس منٹ تک موت ان کے سروں پر منڈلاتی رہی، مشین گنیں چاروں طرف سے آسمانی بجلی کی طرح کڑک رہی تھیں، اس کے بعد کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی، وہ صورتحال کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے، اس دوران عبداللہ اور احمد نے سر اٹھا کر اطراف کا جائزہ لیا، قریباً پندرہ بیس میٹر کی دوری پر سیبوں کا باغ تھا، عبداللہ نے احمد کو اشارہ کیا اور خود باغ کی طرف رینگنے لگا، کچھ دیر بعد ہی وہ باغ میں پہنچ گیا تھا، باغ میں گھاس اٹی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے اس کا باہر نظر آنا مشکل تھا، اس کے ساتھی بھی کچھ دیر بعد وہاں پہنچ گئے تھے، وہ اسی طرح کہنیوں کے بل چلتے رہے، کچھ فاصلے پر ایک مکان دکھائی دے رہا تھا۔

''یہیں رکیں آپ لوگ، ہو سکتا ہے اس مکان میں بھی آرمی ہو۔'' عبداللہ نے کہا تو وہ وہیں رک گئے، ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار چھا گئے۔

''سب سے پہلے میں جا کر دیکھتا ہوں، آپ لوگ پریشان نہ ہوں، ہو سکتا ہے اس مکان میں کوئی مقامی آدمی ہو، ہم اس سے راستے کا پتہ پوچھ لیں گے۔'' عبداللہ نے انہیں تسلی دی اور دروازے پر دستک دینے لگا، دروازہ ایک باریش آدمی نے کھولا تھا، وہ کافی گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔

''گھبرائیں نہیں، میں ایک مجاہد ہوں۔'' عبداللہ نے تسلی آمیز لہجے میں کہا تو وہ پیچھے ہٹ گیا، کمرے میں اس کی بیوی اور دو بیٹیاں بھی سہمی نظر آ رہی تھیں۔

''میرے ساتھ میرے تین ساتھی اور ہیں، ہم راستہ بھٹک گئے ہیں، کیا آپ ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟'' عبداللہ نے پوچھا تو ان کی بڑی بیٹی کا کچھ حوصلہ بڑھا۔

''کیا نام ہے آپ کا؟''

''عبداللہ ڈار!'' وہ مختصر بولا۔

''اپنے ساتھیوں کو بھی لے آئیے اندر۔'' آدمی نے کہا اور ساتھ ہی دروازے کی سمت بڑھ گیا۔

''نہیں، ہمیں بس پانی پلا دیں، ہم جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں۔''

''بیٹا! پانی پلا دو۔'' آدمی نے چھوٹی بیٹی کو اشارہ کیا۔

''برائے مہربانی ہمیں کچھ راستوں کے بارے میں بتائیں، ہم اس علاقے سے ناواقف ہیں۔''

''آپ اسی باغ کے اندر چلتے جائیں تو آگے ماچھواہ گاؤں آ جائے گا، گاؤں کے بائیں جانب سے نکلیں گے تو ایک محفوظ مقام تک پہنچ جائیں گے۔''

''بہت شکریہ آپ کا۔'' عبداللہ نے گلاس خالی کر کے لڑکی کو دیا۔

''یہ جگ مجھے دے دیں میں اپنے ساتھیوں کو بھی پانی پلا دوں، گرمی کی حدت سے گلے خشک ہو گئے ہیں۔''

''جی میں اور پانی بھر کر لاتی ہوں۔'' وہ جلدی سے پانی لینے چلی گئی۔

''میرا خیال ہے فوج پورے علاقے کو اپنے گھیرے میں لے چکی ہے۔'' آدمی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"درست کہہ رہے ہیں اب تک محاصرہ ہو چکا ہو گا، بہت احتیاط کرنا ہو گی ہمیں۔" عبداللہ نے ساتھیوں کو پانی پلایا، جگ اور گلاس آدمی کو تھما کر ایک بار پھر شکریہ ادا کیا۔

"شرمندہ نہ کریں عبداللہ بھائی، یہ تو ہمارا فرض ہے کیا ہم پانی بھی نہیں پلا سکتے آپ جیسے عظیم لوگوں کو۔" آدمی کا اعتماد بحال ہو چکا تھا۔

"عظیم صرف اللہ کی ذات ہے میرے بھائی۔" عبداللہ مسکرایا۔

"عبداللہ آ جاؤ۔" سیف اللہ خالد اسے پکار رہے تھے، وہ مصافحہ کر کے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

وہ کپڑے تبدیل کر کے باہر آیا تو نندنی تخت پر بیٹھی سلاد بنا رہی تھی، وہ کچھ دیر صحن میں بیٹھنا چاہتا تھا مگر نندنی کو مخاطب کرنے کی بجائے زرمینے کو آواز دی۔

"زرمینے! اندر سے کرسی اٹھا لاؤ۔"

"جی اچھا بھائی!" وہ کمرے میں ہی تھی۔

"یہاں بیٹھ جائیں، میں کچن میں جا رہی ہوں۔" نندنی اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مہربانی آپ کی۔" اس کا لہجہ طنز آمیز تھا۔

"یہ لیں بھائی۔" زرمینے کرسی اٹھا لائی تھی، اسی وقت ظہر کی اذان ہونے لگی تھی، زرمینے نے پلو سر پر رکھا تو حمزہ شاہ نے غیر ارادی طور پر نندنی کو دیکھا جس نے بے نیازی سے دوپٹہ بائیں شانے پر ڈال رکھا تھا، کاہی رنگ کے کھلے ڈلے سوٹ میں اس کی شہابی رنگت دمک رہی تھی، وہ اس کی نظر محسوس کر کے اسے دیکھنے لگی، تو وہ قدرے گڑبڑا گیا۔

"حذیفہ دکان پہ ہے کیا؟" اس نے جلدی سے بات بنائی۔

"جی..... ظہر کے بعد آئیں گے بابو جی اور وہ۔"

"آپ کھانا کھائیں گے؟" نندنی نے پوچھا، حمزہ شاہ دل ہی دل میں جھنجھلایا کہ محترمہ اس کے گھر میں کس طرح دندناتی پھر رہی ہے اور انداز ایسا تھا جیسے ہمیشہ سے اس گھر میں رہتی آ رہی ہو۔

"زرمینے اماں جی کو کتنی دیر ہوئی ہے خالہ کے گھر گئے۔" وہ جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر رہا تھا، نندنی اس کا گریز محسوس کر کے اندر چلی گئی۔

"آپ کے آنے سے پہلے ہی نکلی تھیں، آنے والی ہوں گی اب تو۔"

"یہ محترمہ کو کتنا گھسا لیا ہے تم نے گھر کے کام کاج میں، اس کا جانے والے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" وہ اپنے زخموں کا جائزہ لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"نخشینہ کی بات کر رہے ہیں۔" زرمینے اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"ظاہر ہے۔"

"نخشینہ نے کہاں جانا ہے اب؟"

"کیا مطلب...... یہیں پہ رہیں گی اب موصوفہ؟" اس نے ابرو اچکا کر دیکھا۔

"ظاہر ہے، اس کا کون سا کوئی گھر بار یا عزیز و اقارب ہیں، آپ نے ہی تو بتایا تھا۔"

"مجھے بھی اسی نے بتایا تھا مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم ہمیشہ کے لئے اسے یہاں رکھ لیں۔"

"اس میں حرج کیا ہے بھائی؟"

"حرج ہے زرمینے، ابھی تو ہم نے ماں جی کی بھانجی کا تعارف کروا کر اسے چند ماہ کے لئے رکھ لیا ہے لیکن مستقل سکونت وہ ابھی ایک ہندو لڑکی کی، کبھی نہ کبھی تو یہ سوال اٹھے گا ہی۔"

"وہ ہندو تو نہیں ہے اب، اس کا نام بدل

دیا ہے بابو جی نے۔"

"نام بدلنے سے اس کا دھرم تو نہیں بدل گیا میری بے وقوف بہن! یہ نام تو ہم نے لوگوں کی زبان بند رکھنے کے لئے اسے دیا ہے۔"

"لیکن بھائی؟ وہ ہندوؤں کی طرح تو عبادت نہیں کرتی، نہ میں نے اس کے منہ سے کبھی اپنے دھرم کے بارے میں کوئی بات سنی۔"

"ہو سکتا ہے یہ اپنے مذہب کے زیادہ قریب نہ ہو مگر اس کی اصل شناخت تو اس کا دھرم ہی ہو گا تو تم لوگوں پہ حیرت ہے کیسے ایک غیر مذہب کی لڑکی کو......" وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر نندنی کی آواز آئی۔

"زرمینے!"

"آ رہی ہوں۔" وہ فوراً ہی اٹھ گئی تھی۔

"آپ پریشان نہ ہوں بھائی، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"مگر کیسے؟" وہ اسی نکتے پر سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

انہوں نے چند لمحوں کی مسافت طے کی تھی جب ماچھواہ گاؤں کے کچے پکے مکانات نظر آنے لگے، سورج مشرق کی کوکھ سے انگڑائی لے کر بیدار ہو رہا تھا، آسمان پہ سفیدی پھیلنے لگی تھی مگر ابھی تک کسی مسجد سے فجر کی اذان سنائی نہ دی تھی، پورے علاقے میں وحشت ناک خاموشی چھائی ہوئی تھی، جیسے کوئی آواز بلند ہوئی تو قیامت برپا ہو جائے گی، البتہ دور کی مساجد سے اذانوں کی مدھم سی پرسوز صدائیں سنائی دے رہی تھیں۔

"الصلوٰۃ خیر من النوم۔"

"نماز نیند سے بہتر ہے۔"

"بے شک۔" عبداللہ کے لبوں سے بے ساختہ نکلا تھا، اب وہ ایک سڑک پر چل رہے تھے، سڑک کے دونوں اطراف میں گھنے باغات تھے، اس لئے ان کا خوف قدرے کم ہوا وہ جلد از جلد سڑک عبور کر لینا چاہتے تھے، مگر جیسے ہی ان کے قدموں میں تیزی آئی اسی وقت ایک بھاری آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ہینڈز اپ۔" اس کے ساتھ ہی کھٹ کھٹ کے ساتھ مشین گنیں اپ لوڈ ہونے لگی تھیں، عبداللہ نے گہری سانس لے کر اپنے ساتھیوں کو دیکھا، جن کے چہروں پر ناقابل فہم تاثرات تھے، اب ان کا بچنا محال تھا، وہ اس بات پر یقین کر چکے تھے، کہ ان کا آخری وقت قریب آ چکا ہے۔

"ہمت نہیں ہارنی جوانو ہر طرح سے تیار رہو اور آخری سانس تک لڑنا ہے، انشاء اللہ۔" سیف اللہ خالد کی دھیمی آواز ان تینوں کو سنائی دی تھی، تینوں نے ہی دل میں انشاء اللہ کہا، عبداللہ کے دل میں جانے کیا آئی وہ فوراً سڑک پر لیٹ گیا، اندھیرے کی وجہ سے اس کی یہ حرکت فوجیوں سے مخفی رہی تھی، ابھی وہ لیٹا ہی تھا کہ احمد نے پیچھے کی طرف دوڑنا شروع کر دیا، اس کے قدموں کی دھمک ان سب کو سنائی دے رہی تھی مگر فوج نے ابھی تک فائر نہیں کھولا تھا یا شاید وہ اسے کوئی سول آدمی سمجھے تھے۔

عبداللہ وہیں لیٹا صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا، اسے سمجھ نہیں آئی کہ سیف اللہ خالد اور ان کے دوسرے ساتھی یکدم کہاں غائب ہو گئے، وہ اندھیرے میں گھور گھور کر انہیں تلاش کرنا چاہ رہا تھا جب اچانک ہی اس کی نظر اپنی گردن کے عین پاس چمکتے ہوئے سیاہ بوٹوں پر پڑی، اس کا سانس وہیں اٹک گیا تھا، فوجی اس کے سرہانے کھڑا دائیں طرف دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

میں اس شام آفس سے جلد اٹھ آیا تھا،

میری کتاب کا کام کافی حد تک مکمل ہو چکا تھا، اب میں آخری باب لکھ رہا تھا جب زاہد کا فون آیا کہ افتخار بھائی مجھ سے ملنا چاہتے ہیں، افتخار حیدر ضروری کام کے سلسلے میں کراچی گئے ہوئے تھے اس لئے میں ان سے ملاقات نہ کر سکا تھا، میری کتاب کے سلسلے میں ان کا تعاون بھی رہا تھا، افتخار حیدر تحریک آزادی کشمیر کے انتہائی اہم رکن رہ چکے تھے، تقریباً سن انیس سو اکیانوے میں وہ محض سولہ سال کی عمر میں جنگ آزادی میں حصہ لینے گئے تھے اور اہم معرکوں میں حصہ لیتے رہے تھے، پھر ایک معرکہ میں ان کو شدید زخمی حالت میں گرفتار کر لیا گیا تھا اور بارہ سال تک وہ انڈیا کی مختلف جیلوں میں رہے، انڈیا کی جیلوں میں ان پر بے پناہ تشدد اور مظالم ڈھائے گئے تھے، جسم کا کوئی حصہ بھی زخموں سے محفوظ نہیں رہا تھا اور سن 2003ء میں جب انڈیا پاکستان قیدیوں کے تبادلے میں ان کی رہائی عمل میں آئی تو وہ اپنے پیروں پہ کھڑے نہیں ہو سکتے تھے، ان کی حالت اس قدر مخدوش تھی کہ ان کی ایک ٹانگ مکمل طور پر مفلوج ہو گئی تھی، ان کی بینائی بھی متاثر ہو گئی تھی، انڈیا نے انہیں جان کنی کے عالم میں رہا کیا تھا، اس کا خیال تھا کہ یہ پاکستان جاتے ہی مر جائیں گے مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کو ابھی ان کی زندگی منظور تھی، سو وہ صحت یاب ہو گئے اور اب تو انہیں دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ وہی افتخار حیدر ہیں جنہیں انڈیا نے ناکارہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔

میں نے شام مغرب کے بعد کا وقت طے کر لیا تھا اور ان سے ملاقات سے قبل اپنے ضروری کام نمٹا لینا چاہتا تھا اس لئے اردو بازار کی خاک چھاننے نکل آیا۔

☆☆☆

میرے عزادارو! مجھ سے میرے شہر کا پرسہ نہ کرو
رزم گاہوں میں ابھی سورج قتل نہیں ہوا
کرگسوں کی گول آنکھوں میں حیوانیت کا پہرہ
ہے مگر
فاختاؤں کے پروں پر امن آج بھی لکھا ہے
میری فضاؤں نے ماتمی سیاسی پہنی ہے
شب عاشورہ میری دھرتی پہ پر شام اترتی ہے
مانا کہ میری مٹی کو لہو کی حاجت ہے
اس طرح کہ مرغزاروں میں شرارے دہک رہے
ہیں
میرے بارودی نشیمن میں آگ لگی ہے تو کیا ہے
جب مرنا مقدر ہو تو تربت ہی تعمیر ہوا کرتے ہیں
یہ ہیولے نہیں ہیں
سیاہ موت بے پاؤں گلیوں میں گشت کرتی ہے
ہنستی سڑکوں کو اجداد کا وہ قرض چکایا ہے کہ
تو منہ جان میں اک بوند لہو بھی باقی نہ رہے
ظلم کی سرحدیں منافقت کی قتل گاہ سے جا ملتی ہیں
اور اک طرف عزم کی چٹانوں پر شہباز مورچہ زن
ہیں
یہ وہ مینار ہیں جن سے عظمتیں پھوٹتی ہیں
ان سجدہ نشینوں کی جبیں مذہب ہے
اور بدن کربلا
تم کہتے ہو ان اللہ مع الصابرین
اور ہم ضبط سے پتھر ہو گئے
یہ زندگی کے بوجھ سے جھکے شانے
جن پہ ضرورتوں کا اسراف لدا ہے
ان کی آنکھوں کی زبان پڑھ کر دیکھو
ہر اک اشک میں اک نئے دکھ کی کہانی ہے
اتنے دکھ کہ اذیت کا احساس فنا ہے
ایسا عالم کہ ہنسنا بھی گناہ ہے
اور یہ بہتے ہوئے نوحے
سسکیوں کا اسم

یہ عمر بھر کا رونا تو دنیا داری کے لئے ہے
مگر یہ حقیقت ہے کہ ہمیں وراثت میں
کونے کا ماتم ہی ملا ہے

☆☆☆

چند سیکنڈز یونہی گزرے تھے، چمکتے سیاہ بوٹ اب بھی دکھائی دے رہے تھے، البتہ فوجی کا چہرہ دوسری طرف تھا، وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ تھا عبداللہ کچھ دیر دم سادھے بیٹھا رہا لیکن جانے یہ نصرت خداوندی تھی کہ فوجی نے اس کی موجودگی محسوس نہیں کی تھی، اسے ایک گونا سکون ہوا تھا، وہ آواز پیدا کیے بغیر پیچھے کی طرف رینگنے لگا اور درختوں کی اوٹ میں آ کر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا، وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا، درختوں کے جھنڈ کی وجہ سے اندھیرا تھا، سورج کی شعاعیں سیاہی کا دامن چاک کرنا چاہتی تھیں اور کچھ ہی دیر میں اسے سڑک پار کرنی تھی، کچھ دور چلنے کے بعد اسے سیف اللہ خالد اور ان کے ساتھی نظر آ گیا، وہ اسی کے منتظر تھے، عبداللہ کو دیکھ کر وہ خوش ہو گئے۔

''سڑک پار کرنا بہت ضروری ہے، جلدی کریں۔'' عبداللہ کہتے ہی لمحوں میں سڑک عبور کر گیا، وہ تیز تیز قدموں سے چلتے باغ سے نکل آئے تو سامنے دھان کی فصل تھی، انہیں لگا کہ وہ محفوظ ہو گئے ہیں مگر یہ ان کی خام خیالی تھی، سامنے ہی فوجی ان پر گن تانے کھڑا تھا اس کے ساتھ مزید فوجی بھی تھے۔

''اللہ اکبر۔'' عبداللہ نے سرعت سے نیچے لیٹ کر نعرہ لگایا اور ان پر اندھا دھند فائر کھول دیا، فوجی بدحواسی کے عالم میں بھاگ کر جان بچانے کے لئے اِدھر اُدھر چھپنے لگے، وہ تینوں بدستور فائرنگ کرتے رہے اور اسی طرح وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے، وہ تینوں کافی دور نکل آئے تھے مگر احمد ان سے بچھڑ چکا تھا۔

''غالباً وہ شہید ہو چکا ہے۔'' سیف اللہ خالد نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''مجھے بھی یہی لگ رہا ہے۔'' عبداللہ ملول سا ہو گیا، اب بھی اکا دکا گولیاں ان کی طرف آ رہی تھیں، مگر وہ رکے بغیر چلتے رہے، آگے ایک چھوٹا سا گاؤں آ گیا، وہ پہلے ہی گھر میں دستک دے کر داخل ہو گئے، اہلخانہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے اور کافی تعظیم دے رہے تھے، ان تینوں نے وہاں نماز فجر ادا کی اور اپنے دیگر ساتھیوں کے لئے اللہ سے مدد اور خیریت کی دعا مانگی۔

عبداللہ نے صاحب خانہ سے باہر کی حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا، اس کی واپسی دو گھنٹے بعد ہوئی، اس دوران وہ تینوں ناشتے سے فراغت پا چکے تھے، دوپہر تک فوج محاصرہ اٹھا کر چلی گئی تھی اور جاتے جاتے معمول کا جملہ کہہ گئی تھی کہ ''اس بار تو سالے، افغانی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے لیکن آئندہ ہم ان کو نہیں چھوڑیں گے۔'' یہ وہی فقرہ تھا جو اکثر بزدل شکست کھانے کے بعد ادا کرتے تھے، اس آدمی نے انہیں آ کر بتایا کہ دو ''افغانی'' محاصرے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

انہیں احمد کی شہادت کا یقین ہونے لگا تھا، شام کو وہ باقی ساتھیوں سے رابطہ کرتے ہوئے ان تک پہنچ گئے اور وہاں احمد کو زندہ سلامت دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔

''تم کہاں چلے گئے تھے یار؟'' عبداللہ اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوا تھا۔

''میں دن بھر وہیں سبزی کی کیاری میں لیٹا رہا تھا، جہاں سے ہم پر آخری بار باغ میں فائرنگ ہوئی تھی۔''

"تمہیں زندہ سلامت دیکھ کر بہت خوشی ہوئی مجھے۔"

"اگر جام شہادت نوش کر جاتا تو زیادہ خوشی کی بات تھی۔" عبداللہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

اس واقعے کے بعد کچھ دن کے لئے وہ اس علاقے سے نکل کر سوئیہ بگ ضلع بڈگام چلے گئے، وہاں کچھ اور مجاہدین بھی ان کے ساتھ آن ملے تھے، وہ سیف اللہ خالد کے ساتھ بیٹھا ہلکی پھلکی گفتگو کر رہا تھا جب مجاہدین کے معرکوں کی بات شروع ہوئی، گزشتہ ہفتے بھی فدائی کارائیوں میں چند مجاہدین نے دو درجن سے زائد فوجیوں کو جہنم واصل کیا تھا۔

"گھمسان کا رن پڑا تھا، سننے میں آیا ہے کہ ساتھیوں نے جی بھر کے بھارتی سور ماؤں کی دھلائی کی۔" ابوعکاشہ مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"حمزہ شاہ کی جوانمرادی اور بہادری کے قصے پہلے بھی بہت سنے تھے اب تو رشک آتا ہے اس پر۔" ایک ساتھی عقیدت سے کہہ رہا تھا، حمزہ شاہ کے ذکر پر عبداللہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"اس کے بڑے بھائی سلمان شاہ بھی ایسے ہی تھے۔" ابوعکاشہ نے کہا۔

"فوجیوں کو تو چار چوٹ کی مار لگائی مگر اس معرکے میں حمزہ شاہ زخمی ہوئے تھے۔"

"کیا ہوا انہیں۔" عبداللہ سے مزید خاموش نہ رہا گیا۔

"ارے آپ کو نہیں پتہ۔" سعد ان سے اسے دیکھا۔

"پچھلے ہفتے ہمارے مجاہدین بھائیوں نے کریک ڈاؤن کیا، بھارتی کتو نے ہماری دو بہنوں سیما اور ثریا کے ساتھ اجتماعی زیادتی کے بعد انہیں جلا کر شہید کر دیا تھا، حمزہ شاہ نے اس ظالمانہ فعل کا بھرپور بدلہ لیا، تمام درندوں کو کتے کی موت مارا، لیکن اس معرکے میں وہ خود بھی شدید زخمی ہو گئے۔

"اب کہاں ہیں وہ؟" عبداللہ اس کے زخمی ہونے کا سن کر پریشان ہو گیا۔

"ابھی تو وہ گھر چلے گئے تھے، ان کا گھر قریب تھا وہاں سے۔" دیگر ساتھی تو ہائیڈ آؤٹ میں ہی تھے۔

"کہاں ہے ان کا گھر، میں بھی ان سے ملنا چاہتا ہوں۔" سیف اللہ خالد کا اشتیاق بھی بڑھ گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔" عبداللہ دھیرے سے بولا۔

"میں آپ کو لے چلوں گا۔"

"میں نے حمزہ شاہ کے بارے میں بہت سنا ہے، اس لئے فطری طور پر اس سے ملنے کی خواہش ہے، دو سال پہلے بھی میں اس سے ملنے کے لئے سوپور گیا تھا مگر وہ ان دنوں پاکستان گیا ہوا تھا۔"

"میں تو بہت پہلے سے جانتا ہوں انہیں، جب میرے والد کانگریس میں تھے میں اپنے رشتے داروں سے ملنے جاتا تھا تو حمزہ شاہ سے بھی ملاقات ہوتی تھی، میں ان کی باتوں سے بہت متاثر ہوا تھا مگر کبھی کہہ نہیں سکا تھا، شاید اس لئے کہ تب میں اس بات سے بے خبر تھا کہ ایک دن میں بھی انہی لوگوں کے نقش قدم پر چلوں گا جن سے میرے گھر والے بے حد نفرت کرتے تھے۔" وہ کسی گہری سوچ میں گم بولتا چلا گیا، اس کی آنکھوں میں چند سال پہلے کے مناظر تھے۔

"عبداللہ بھائی! آپ اپنے گھر والوں سے ملنے نہیں جاتے اب۔" احمد نے پوچھا تو وہ زخمی مسکراہٹ کے ساتھ آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر نیم

دراز ہو گیا۔

"احمد بھئی تم نے میرے یار کو اداس کر دیا۔" سیف اللہ خالد نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"میں اداس نہیں ہوں خالد بھائی۔" وہ اسی پوزیشن میں لیٹا ہوا تھا۔

"گھر والے تو یاد آتے ہی ہیں، اس میں کیا ہے، میں بھی اکثر اداس ہو جاتا ہوں۔" احمد سادگی سے بولا۔

"کیا آپ کے گھر والوں نے آپ کو تلاش کرنے کی کوشش کی یا آپ کو آپ کے حال پہ چھوڑ دیا۔" ابوعکاشہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"ظاہر ہے حال پر ہی چھوڑ دیا تب ہی پلٹ کر خبر نہیں لی اور پھر فائدہ بھی کیا تھا میں کون سا پلٹنے کے لئے آیا ہوں، اب تو ساری جمع پونجی ہی لٹ گئی ہے عکاشہ بھائی۔" اسے ایک بار پوری شدت سے یاد آئی تھی اس نے بمشکل لہجے کو نمی سے بچایا۔

"میرے خیال میں مغرب کی اذان ہونے والی ہے۔" سیف اللہ خالد نے کف الٹ کر وقت دیکھا۔

"جی وضو کر لیا جائے۔" سب سے پہلے عبداللہ ہی اٹھا تھا، وہ اپنی کیفیت سے چھٹکارہ پانا چاہتا تھا۔

☆☆☆

نندنی نے کھڑکی کا ادھ کھلا پٹ بند کرنا چاہا تھا جب سرسری سی نگاہ مشرقی دیوار کے ساتھ لگے ہینڈ پمپ پر پڑی حمزہ شاہ منہ ہاتھ دھو رہا تھا، آج اس کا زیادہ تر وقت سوتے گزرا تھا، جلد صحت یابی کے لئے آرام اشد ضروری تھا اس لئے وہ مجبوراً بستر پکڑے ہوئے تھا ورنہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو لمحہ بھی بیکار نہیں بیٹھتے اور وقت کی قدر و قیمت سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، ملیشیا کلر کے شلوار قمیض میں ملبوس وہ قدرے مضمحل مگر بلا کا جاذب نظر دکھائی دے رہا تھا، نندنی کا ہاتھ پٹ پر جم سا گیا تھا، وہ غیر ارادی طور پر اسے دیکھے گئی جواب چہرے پر صابن کا جھاگ بنا کر پانی بہا رہا تھا، اس کا دایاں بازو زخم کی وجہ سے زیادہ ہل جل نہیں سکتا تھا اس لئے اسے منہ دھونے میں دقت پیش آ رہی تھی، نندنی کا دل چاہا کہ وہ جا کر اس کے ہاتھوں کے پیالے میں پانی بھر دے پمپ سے مگر اس کا تحقیر آمیز رویہ یاد آتے ہی وہ خود کو ڈپٹنے لگی۔

"ایسی بھی کیا بے تابی ہے نندنی! وہ تجھے نظر بھر کر دیکھنا گوارہ نہیں کرتا اور تو اس کی طرف جھکتی چلی جا رہی ہے، کہاں گیا تیرا نخرہ، نخوت اور غرور، جن کی مثالیں دیا کرتے تھے لوگ۔"

"زرمینے! پمپ چلانا آ کر۔" اس نے بہن کو آواز دی تھی۔

"جی بھائی۔" زرمینے کمرے سے فوراً نکل آئی، اس نے نماز کے اسٹائل میں چہرے کے اطراف میں دوپٹہ لپیٹا ہوا تھا۔

"میں نماز پڑھ رہی تھی۔"

"پڑھ چکی ہو یا پڑھ رہی ہو ابھی۔"

"فرض ادا کر چکی ہوں، سنت رہتی ہے۔"

وہ پمپ چلانے لگی۔

"تو پہلے نماز پڑھ آؤ۔"

"نہیں آپ کر لیں وضو، آپ کو بھی تو دیر ہو جائے گی۔" زرمینے نے کہا وہ خاموش ہو کر وضو کرنے لگا، ہاتھ دھو کر کلی کرنے، ناک میں پانی ڈالتے، تین بار چہرہ دھوتے ہوئے وہ اسے محویت سے دیکھے جا رہی تھی، یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کسی نے طلسماتی حصار میں باندھ دیا ہو۔

وہ اب دائیں بازو پہ گیلا ہاتھ پھیر کر مسح کر

رہا تھا، سر کا مسح کرنے کے بعد اس نے کانوں میں انگلیاں ڈالیں اور پھر جھک کر پاؤں دھونے لگا، اس کے پاؤں بے حد سفید تھے اور ملیشیا رنگ میں اس کا رنگ زیادہ ہی سفید لگ رہا تھا۔

''کوئی انسان اس قدر خوب صورت بھی ہو سکتا ہے۔'' نندنی نے دل پر ہاتھ رکھا اس کی دھڑکنوں میں ارتعاش برپا تھا، اس لگا وہ کچھ دیر اسے یونہی محویت سے دیکھتی رہی تو پتھر ہو جائے گی، اس ڈر سے اس نے فوراً کھڑکی کا پٹ بند کیا تھا، بدحواسی میں بند کئے گئے پٹ نے زور دار آواز پیدا کی تھی، زرمینے اور حمزہ شاہ حیرت سے بند کھڑکی کو دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

دروازے پر دستک ہوئی تھی، عظام شاہ نے اخبار پر سے نظر ہٹا کر کھانا کھاتے حذیفہ کو دیکھا۔

''دیکھو بیٹا دروازے پر کون ہے؟''

''جی بابو جی۔'' وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اس وقت کون ہو سکتا ہے۔'' حمزہ شاہ نے حیرت سے صحن میں لگی دیوار گیر گھڑی پر نظر دوڑائی، پونے ایک بجے کا وقت تھا سر پر سورج چمک رہا تھا، آج جمعہ کی وجہ سے دکان بند تھی، اس لئے عظام شاہ اور حذیفہ بھی گھر پر نظر آ رہے تھے۔

''ہو گی تمہاری ماں کی کوئی سہیلی وقت بے وقت وہی آ سکتی ہیں۔'' عظام شاہ مسکرائے۔

''زرمینہ تم اور فخشینہ باورچی خانے میں چلی جاؤ۔'' حذیفہ نے آ کر کہا تو سب حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

''کون ہے بیٹا؟''

''دو مجاہد بھائی آئے ہیں، عبداللہ ڈار اور سیف اللہ خالد۔'' حذیفہ نے بتایا۔

''کیا عبداللہ آیا ہے۔'' حمزہ شاہ کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی، وہ تخت سے اٹھ کر ان کے استقبال کے لئے دروازے کی طرف بڑھا زرمینے اور نندنی باورچی خانے میں چلی گئی تھیں۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم آئے ہو۔'' حمزہ شاہ، عبداللہ سے گلے ملتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''مجھے کل ہی پتہ چلا کہ آپ کریک ڈاؤن میں زخمی ہو گئے ہیں کل سے ہی بے چین تھا آپ کی خیریت جاننے کے لئے، اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔''

''الحمدللہ، اب تو کافی بہتر ہوں۔'' وہ انہیں صحن میں لے کر آیا تو عظام شاہ اپنی نشست سے اٹھ گئے۔

''بیٹھے رہیں آپ۔'' سیف اللہ خالد نے جلدی سے کہا۔

''بابو جی یہ عبداللہ ڈار ہیں، میرے بہت اچھے اور بہت پرانے دوست اور عبداللہ یہ میرے بابو جی ہیں، جن کی وجہ سے آج میں اس مقام پر ہوں۔'' اس کے لہجے میں بے پناہ عقیدت تھی۔

''کیسے ہو بیٹے!'' عظام شاہ نے اسے گلے لگایا۔

''بہت ذکر سنا ہے تمہارا۔''

''یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ حمزہ بھائی کے لبوں سے میرا ذکر ہوتا رہا ہے۔'' عبداللہ نے مسکرا کر حمزہ شاہ کو دیکھا اور پھر سیف اللہ خالد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''حمزہ شاہ! یہ سیف اللہ خالد ہیں، ان کا تعلق پاکستان سے ہے، آپ سے ملنے کے لئے بے چین تھے۔''

''اوہ اچھا، آپ ہیں سیف اللہ خالد بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔''

''حذیفہ کھانے کا انتظام کرو۔'' عظام شاہ

انہیں کرسیوں پر بٹھا کر اندر چلے آئے، زینت بالوں میں تیل لگا رہی تھیں۔

''باہر بچے آئے ہیں اپنے حمزہ کے ساتھی۔''

''اچھا یہ تو بہت خوشی کی بات ہے، اس بار تو کافی عرصے بعد ہمارے گھر مجاہد آئے ہیں۔'' زینت سرعت سے چوٹی میں بل ڈالنے لگی تھیں۔

''رہنے کے ارادے سے آئے ہیں؟''

''لگ تو نہیں رہا وہ تو حمزہ شاہ کی زخمی حالت کا سن کر عیادت کو آئے ہیں شاید رک بھی جائیں۔''

''ایک رات کے لئے تو روک لیجئے گا، جب میرا سلمان شاہ آتا تھا تو بہت ساتھی آتے تھے اس کے، مگر اب تو حالات ہی بہت خراب ہو گئے ہیں۔''

''کہہ کے دیکھتا ہوں۔'' وہ دوبارہ باہر نکل گئے۔

☆☆☆

وہ خوش گپیوں میں مصروف تھے، کھانے کے بعد قیلولے کی غرض سے تینوں کمرے میں آ گئے تھے، نماز عصر میں کچھ وقت باقی تھا، اس لئے بابو جی اور حذیفہ مسجد کے لئے نکل گئے۔

''حمزہ بھائی! چائے لے جائیں آ کر۔'' زرمینے کی نرم اور رسیلی آواز عبداللہ کی سماعت سے ٹکرائی تھی، وہ اپنی بات کہتے کہتے رک گیا، اسے لگا جیسے رابعہ بول رہی ہو، حمزہ شاہ باہر نکلا تو اس کا دل چاہا وہ اس لڑکی کی آواز دوبارہ سنے، وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ یہ رابعہ ہے یا کوئی اور، مگر یہ لڑکی رابعہ کیسے ہو سکتی ہے، اپنی احمقانہ سوچ پہ ہنستے ہوئے اس نے پاؤں پسار لئے۔

''آپ کی چائے میں چینی کم ہے، یہ آپ کی چائے ہے۔'' وہ حمزہ شاہ سے کہہ رہی تھی، چھوٹے سے گھر میں آوازیں بخوبی ایک دوسرے کو سنائی دے جاتی تھیں عبداللہ کو ایک بار پھر حیرت ہوئی۔

''پانی کا گلاس بھی دے دو، بلکہ جگ ہی لے آؤ۔''

''فخشینہ پانی کا جگ بھرنا۔'' وہ اب کسی سے کہہ رہی تھی، عبداللہ متحیر سا دروازے کو دیکھ رہا تھا، اس لڑکی کی آواز بالکل رابعہ کی آواز کی طرح تھی، اس قدر مماثلت تھی کہ وہ حسن اتفاق پر جتنا بھی حیران ہوتا کم تھا اور یہ اسی چیز کا اثر تھا کہ ایک طویل عرصے بعد عبداللہ ڈار کے دل میں اس آواز کی مالک لڑکی کو دیکھنے کی خواہش چٹکی، سیف اللہ خالد تو کچھ دیر باتوں کے بعد سو گئے وہ البتہ باوجود کوشش کے آنکھ بھی نہ جھپک سکا تھا، نیند اس کی آنکھوں سے کافی عرصہ پہلے ہی روٹھ چکی تھی۔

حمزہ شاہ ٹرے لئے اندر داخل ہوا تھا۔

''خالد بھائی سو گئے۔''

''جی سو گئے ہیں۔''

''اب یہ چائے کون پئے گا ان کے حصے کی۔''

''آپ...... اور کون۔'' عبداللہ مسکرایا۔

''نہیں تم پی لو، مجھے زیادہ چائے پسند نہیں، میں پانی لے کر آتا ہوں۔'' وہ ٹرے میز پر رکھ کر پانی کے لئے گیا تو عبداللہ سوچنے لگا کہ کس طرح اس لڑکی کی صرف ایک جھلک دیکھ لے وہ خود بھی اپنی حالت سے حیران ہوا تھا، وہ اب ٹین ایج میں نہیں تھا مگر حرکت وہی تھی۔

''آج رات تو تم رکو گے نا۔''

''نہیں حمزہ بھائی مغرب سے پہلے نکلنا ہے ہمیں، آپ کو پتہ ہی ہے آرمی آج کل جگہ جگہ محاصرے کر رہی ہے۔''

''صبح فجر کے بعد نکل جانا۔'' وہ گلاس میں پانی ڈالنے لگا۔
''مجھے ماں جی سے مل کر بہت اچھا لگا حمزہ بھائی، میری زلیخاں چچی بھی ایسی ہی تھیں۔'' حمزہ مسکرا دیا۔
''آپ کے گھر میں مہمان وغیرہ آئے ہوئے ہیں۔'' اس نے چائے کا پہلا سیپ لیتے ہوئے پوچھا اور ساتھ ہی حمزہ شاہ کے چہرے کو بغور دیکھا نہیں وہ اس کی بات کا برا تو نہیں منا گیا۔
''نہیں تو، ہاں وہ میری کزن ہے۔'' اسے یکدم نخشینہ (نندنی) کا خیال آیا کیونکہ وہ عبداللہ کو بتا چکا تھا کہ اس کی ایک ہی بہن ہے، عبداللہ کو اس کی بہن کا نام معلوم نہیں تھا اس لئے اب یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ رابعہ سے ملتی آواز اس کی بہن کی تھی یا کزن کی، ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے جب اذان ہو گئی۔
''آؤ وضو کر لو۔'' حمزہ شاہ نے کہا تو اس کی دلی مراد بھر آئی، وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

عصر کی نماز ادا کر کے وہ باہر تخت پر حمزہ شاہ کے ہمراہ آ کر بیٹھ گیا تھا، سیف اللہ خالد ابھی نماز ادا کر رہے تھے، موسم قدرے خوشگوار تھا، وقفے وقفے سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آتا تو رگ و پے میں تازگی سرائیت کر جاتی۔
''آپ کی عظیم سے کبھی ملاقات ہوئی۔'' عبداللہ نے آسمان کی وسعتوں پر نگاہ جماتے ہوئے پوچھا تھا۔
''ہاں کبھی کبھا کر ہوتی ہے وہ یہیں ہوتا ہے، تم ملنے چلو گے اس سے۔''
''ضرور چلتا اگر میر صاحب کا حکم نہ ہوتا کہ آج ہی واپسی ہو جانی چاہیے، ہمیں اگلے مشن کے لئے نکلنا ہے، ویسے آپ نے اسے میرے متعلق بتایا کبھی، بلکہ شاید وہ اس بات سے باخبر ہوگا آخر کزن ہے میرا۔''
''ہاں ایک دو بار اس سے بات ہوئی تھی تمہاری، اسے یقین نہیں تھا کہ تم ان سے اتنے الگ ہو سکتے ہو، تمہاری بھی ملاقات ہوئی اپنی فیملی سے۔''
''آخری اطلاعات آنے تک تو وہ انڈیا چھوڑ کر کسی دوسرے ملک سیٹل ہو گئے تھے، اس کے بعد کوئی خیر خبر نہیں۔''
''تمہیں یاد نہیں آتے اپنے گھر والے۔'' حمزہ شاہ نے نا چاہتے ہوئے بھی تکلیف دہ سوال پوچھ لیا۔
''نہیں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
''نہ میں انہیں یاد کرنا چاہتا ہوں۔''
''سب لوگ کچھ دنوں کے لئے اپنے اپنے گھر جاتے ہیں، تمہارا دل نہیں کرتا۔''
''نہیں، جہاں جانے کے لئے میں بے چین و بے قرار رہا کرتا تھا وہ گھر تو جل کر خاک ہو چکا کب کا، وہاں تو جلی ہوئی اینٹوں، لکڑیوں کے سوا کچھ بھی نہ بچا تھا۔'' وہ بے دھیانی میں دل کی بات کہہ گیا، اس کے اندر اضطراب پھیلا ہوا تھا، رابعہ ایک بار پوری شدت کے ساتھ یاد آ رہی تھی۔
''کون سا گھر؟'' حمزہ شاہ نے دھیرے سے سوال کیا۔
''میرے چچا عبدالصمد ڈار کا گھر۔'' وہ دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا۔
''تمہارے چچا اب کہاں ہوتے ہیں۔''
''وہ بھی کسی نہ کسی یونٹ میں شامل ہوں گے، ان کے پاس بھی میری طرح سوائے یادوں کے کچھ نہیں رہا، کبھی کبھار عید وغیرہ پہ ان سے

ملاقات ہوتی ہے مگر میں ان سے مل کر زیادہ اداس ہو جاتا ہوں۔''
''تمہارا شادی وغیرہ کا کوئی ارادہ نہیں؟'' حمزہ شاہ نے ماحول کی کثافت کم کرنا چاہی تھی۔
''آپ کا ہے۔'' اس نے الٹا سوال کیا۔
''میرا......'' حمزہ شاہ گڑبڑا گیا، پھر جلدی سے بولا۔
''نہیں میرا تو نہیں ہے۔''
''تو میرا بھی نہیں ہے۔''
''اچھا چھوڑ اس موضوع کو، یہ سیف اللہ خالد بھائی تو اندر ہی رہ گئے میں دیکھتا ہوں انہیں۔'' وہ اٹھ کر اندر گیا تو عبداللہ نے باورچی خانے کی کھڑکی کی طرف دیکھا، ادھ کھلے پٹ سے کوئی جھانک رہا تھا، اس کی نظروں کا زاویہ بدل گیا، وہ سر جھکا کر کھیڑی کی نوک سے زمین کھرچنے لگا۔

☆☆☆

''محترمہ کہاں غائب رہتی ہو، اپنی خیر خبر ہی دے دیا کرو، ہم جیسے اسیروں کا بھلا ہو جاتا ہے۔'' یازش دو دن سے جانے کہاں مصروف تھی، کوئی میسج یا کال نہیں آئی تھی، تنگ آ کر میں نے اکٹھے نو دس میسج اسے سینڈ کر دیئے۔
''اسی دنیا میں رہتے ہیں اور کیا ہم نے مریخ پر گھر بنا لیا ہے۔'' کچھ دیر بعد اس کا بیزاریت سے بھرا جواب موصول ہوا۔
''ویسے تم جیسی مخلوق مریخ پر ہی ہونی چاہیے تھی۔'' میں نے شرارت سے کہا۔
''اپنے بارے میں کیا خیال ہے، کوہ قاف کی بجائے پاکستان میں بسیرا کر لیا۔'' وہ ادھار رکھنے کی قائل نہیں تھی۔
''کوہ قاف میں پری زاد بھی تو ہوتے ہیں۔''
''ہوتے ہوں گے مگر آپ جیسے کوہ قاف کے پہاڑوں پر پہرہ دیتے ہیں۔''
''ہاہاہا۔'' میری ہنسی بے ساختہ تھی۔
''خیر جلی کٹی مت سناؤ یہ بتاؤ پچھلے دو دن سے کون سے اہم کارنامے سرانجام دے رہی تھیں؟'' میں نے صلح کا پرچم لہرایا۔
''ایک فیچر لکھنا تھا، وہی مکمل کیا ہے، گھر میں کنسٹرکشن کا کام چل رہا ہے اس لئے یہ جنجال الگ ہے۔''
''کنسٹرکشن سے یاد آیا میں نے بھی اپنے آفس کی سیٹنگ چینج کی ہے۔''
''مبارک ہو۔'' طنز کا تیر۔
''مبارک کی بچی، بہت دلکش لگ رہا ہے اب میرا آفس۔''
''تو ہم نے اسی لئے کانگریچولیشن کہا بھئی، ایک تو آپ بھی رحمان ملک بنتے جا رہے ہیں، بات کچھ ہوتی ہے سمجھتے کچھ ہیں اور فرمان کچھ جاری کرتے ہیں۔''
''اچھا......اچھا......فردوس آپا نہ بنو۔'' میں کھسیا گیا۔
''یہ فردوس آپ کی آپا کب سے ہو گئیں، اینی وے وہ جو کشمیر کے موضوع پہ کتاب تھی مکمل ہو گئی؟''
''ہاں...... صد شکر، یہ بھی ایک بہت بڑا کام تھا جو پایہ تکمیل تک پہنچا، اب کمپوزنگ ہو رہی ہے۔''
''گڈ، ابھی تو ہم ہوا خوری کے لئے باہر جا رہے ہیں بعد میں بات ہو گی۔''
''او کے باس۔'' میں نے سیل فون رکھ کر قلم اور کاغذ اٹھا لیا، مجھے اپنی کتاب کا پیش لفظ لکھنا تھا۔

☆☆☆

حمزہ شاہ نے زبردستی انہیں روک لیا تھا، رات دیر تک وہ باتیں کرتے رہے تھے اس لئے اب گہری نیند سو رہے تھے مگر عبداللہ ڈار ابھی بھی کروٹیں بدل رہا تھا، آٹھ بجنے والے تھے، وہ کروٹیں بدل بدل کر تھک گیا تو سوچا غسل ہی کر لے اس لئے حمزہ شاہ کو جگانے کا ارادہ کیا مگر اس کے ہلکے خراٹوں کی آواز سے لگ رہا تھا کہ وہ گہری نیند میں ہے، ناچار وہ اٹھ کر دروازے تک آیا تا کہ عظام شاہ یا حذیفہ ہی نظر آ جائیں۔

سامنے نلکے کے قریب سبز رنگ کے لباس میں زرمینے بالٹی میں پانی بھر رہی تھی، اس نے سر پر دوپٹہ لیا ہوا تھا، صاف رنگت اور مناسب خال و خد کی مالک جانے حمزہ شاہ کی کزن تھی یا بہن، عبداللہ نے کھنکھار کر انہیں متوجہ کرنا چاہا تو وہ بد حواس سی ہو کر دوپٹہ درست کرنے لگی۔

''آپ کو کچھ چاہیے تھا کیا؟'' ہلکے براؤن کپڑوں والی وہ لڑکی بے نیازی سے گلے میں دوپٹہ لٹکائے اس کے سامنے آئی، اس قدر مکمل حسن دیکھ کر عبداللہ گڑبڑا گیا، مگر پھر جلد ہی خود پر قابو پالیا۔

''میں غسل کرنا چاہتا ہوں۔''

''اچھا میں زرمینے سے کہتی ہوں۔'' وہ کپڑوں کی دھلائی کر رہی تھی، اس لڑکی کا اعتماد قابل دید تھا، البتہ اس کی آواز مختلف تھی، جس سے اندازہ ہوا کہ جس کی آواز رابعہ سے مماثل ہے اس کا نام زرمینے ہے، زرمینے تو منظر سے غائب ہو چکی تھی البتہ وہ لڑکی صحن میں ادھر سے ادھر کام سمیٹتی نظر آ رہی تھی، وہ زرمینے کی طرح پردہ نہیں کرتی تھی۔

''آپ شاور لے لیں، ہم ناشتے کا انتظام کر رہی ہیں، جب تک حمزہ شاہ اور آپ کے دوسرے ساتھی بھی بیدار ہو جائیں گے۔'' وہ اس کے پاس آ کر بولی۔

''حمزہ شاہ!'' اس نے حمزہ کے ساتھ بھائی وغیرہ کا کوئی سابقہ لاحقہ نہیں لگایا تھا، جس سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ یہی حمزہ شاہ کی کزن ہے۔

''جی بہتر۔'' وہ غسل خانے کی طرف بڑھ گیا تھا، سندنی باورچی خانے میں چلی آئی۔

''ارے بھئی، تمہارے چہرے مبارک پر کیوں اتنی ہوائیاں اڑ رہی تھیں، وہ بیچارہ تو مارے شرم و حیا کے آنکھ اٹھا کر بات بھی نہیں کرتا۔'' وہ پیڑھی پر آ کر بیٹھ گئی، زرمینے آٹا گوندھنے لگی تھی۔

''مجھے تو بڑا غصہ آیا اس پر، کیسے دروازے میں آ کر کھڑا ہو گیا، دروازہ بجا ہی لیتا، پہلی بار کسی مجاہد بھائی پر غصہ آیا ہے۔''

''ہو سکتا ہے اس نے بجایا ہو اور ہمیں سنائی نہ دیا ہو؟''

''تم کیوں اس کی طرف داری کر رہی ہو، اپنا خیال ظاہر کر رہی ہو تم نے تو غریب سے بیر ہی باندھ لیا، رات تو کہہ رہی تھیں کہ حمزہ شاہ نے اس کی خوبصورتی کی بہت تعریفیں کی تھیں ماں جی کے پاس، دیکھیں تو ہی ہے کیا چیز......''

''اچھا، اب چپ ہو جاؤ۔'' زرمینے خجل سی ہو گئی، یہ حقیقت تھی کہ حمزہ شاہ ذاتی طور پہ عبداللہ ڈار کو بہت پسند کرتا تھا اور اس کی دلکش شخصیت کا گرویدہ تھا، اس لئے جب بھی آتا اس کا تذکرہ ضرور کرتا تھا ماں جی کے پاس اور زینت سادگی میں اسے بھی بتا دیتی تھیں، اس کے خاندانی پس منظر کی وجہ سے زرمینے کو بھی اشتیاق تھا کہ وہ دیکھے تو سہی کیسے ایک کم عمر لڑکے نے اپنے خاندان اور گھر والوں کے مخالف جا کر تحریک آزادی کشمیر میں اپنا حصہ ڈالا اور اس حد تک کہ

اس مقصد کے لئے سب رشتوں کو تج کر دیا۔

''تمہارے بھائی صاحب بھی آج تو سب گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے ہیں۔'' وہ فریج سے دودھ نکال رہی تھی۔

''زرمینے! ناشتہ تیار کرو۔'' اسی وقت حمزہ شاہ نے اندر جھانکا تھا۔

''جی بھائی۔'' وہ فوراً بولی، فخشینہ خجل سی ہو گئی تھی، حمزہ شاہ باہر نکلا تو زرمینے کی ہنسی نکل گئی۔

''ایک تو یہ غلط وقت پر انٹری دیتے ہیں۔''

☆☆☆

''تم سر پر دوپٹہ نہیں لے سکتیں۔'' حمزہ شاہ صبح سے ہی پیچ و تاب کھا رہا تھا، جب اس نے سندنی کو اپنے ساتھیوں کے سامنے آزادانہ اِدھر اُدھر گھومتے دیکھا گو کہ وہ سرعت سے کام نمٹا رہی تھی، لیکن اس نے لاپرواہی سے دوپٹہ گلے میں ڈال رکھا تھا، اس نے کافی سبکی محسوس کی تھی۔

''لے سکتی ہوں۔'' وہ الگنی سے اپنا دھلا ہوا سوٹ اتار رہی تھی۔

''تو لیا کرو، لیتی کیوں نہیں ہو؟''

''عادت نہیں ہے۔'' اس نے رک کر حمزہ شاہ کو دیکھا جو سرخ چہرہ لئے اسے گھور رہا تھا۔

''اس گھر میں رہنا ہے تو عادت ڈال لو۔''

''مجھے اس گھر میں ہمیشہ تو نہیں رہنا۔'' وہ جان بوجھ کر کہہ رہی تھی۔

''جب تک بھی رہنا ہے سال چھ مہینے، مگر تب تک اس گھر کے اصولوں کو فالو کرنا ہوگا۔'' وہ قطعیت سے کہہ رہا تھا۔

''نہ کروں تو......''

''تو وہیں چلی جاؤ، جہاں سے آئی ہو۔'' وہ سخت بدلحاظ ہو رہا تھا۔

''میں خود نہیں آئی تھی، مجھے آپ لے کر آئے تھے، زبردستی۔'' وہ بھی تیز ہوئی۔

''میں لے کر آیا تھا تو میں چھوڑ کر بھی آ سکتا ہوں بلکہ چاہو تو ابھی چھوڑ آتا ہوں۔''

''اتنا ہی خیال ہے آپ کو میری چاہ کا۔'' اسے بھی غصہ آنے لگا تھا، وہ جتنا نرم پڑ رہی تھی وہ اینٹھتا ہی جا رہا تھا۔

''مجھے تمہارا نہیں اپنے گھر والوں کا خیال ہے، اپنی اقدار کا اور ان اصولوں کا جو اس گھر میں صدیوں سے رائج ہیں، ہمارے گھر کی عورتیں نامحرموں کے سامنے کیٹ واک کرتی نہیں پھرتیں۔''

''اتنا پڑھ لکھ کر بھی گنوایا ہی ہے آپ نے۔'' اس نے تاسف سے کہا۔

''شٹ اپ۔''

''یہ تو جاہل گنوار لوگوں کا کام ہے کہ عورت کو بھیڑ بکری کی طرح باندھ کر رکھا جائے، اسے گھر میں قید کر دیا جائے، کیا عورت انسان نہیں ہوتی؟ کیا اس کے سینے میں دل نہیں ہوتا؟''

''میں اس وقت حقوق نسواں پہ تقریر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں، یہ جاہلیت نہیں ہے، ہمارا مذہب ہے، ہمارا اسلام ہمیں کہتا ہے کہ عورت چہار دیواری کے اندر محفوظ ہے باہر نہیں۔''

''ہونہہ، آپ کا دھرم، اس لئے تو مجھے اس دھرم سے نفرت ہے عورت کو کمتر درجہ دیتا ہے۔''

''بی بی یہ آپ کے دھرم میں ہے، ہمارے دین کا مطالعہ کریں گی تو سمجھ آئے گی کہ کس نے عورت کے حقوق کا تحفظ کیا، اس کا مقام متعین کیا، بہرحال میں کسی قسم کی بحث نہیں چاہتا، جو کہا ہے وہی کرو۔'' وہ پلٹنے لگا تھا۔

''ایک منٹ۔'' وہ جلدی سے بولی پھر اس کے سامنے آتے ہوئے کہا۔

''آپ چاہتے ہیں نا کہ میں وہی کروں جو آپ چاہتے ہیں۔'' حمزہ شاہ نے ابرو اچکا کر

اسے دیکھا، زبان سے کچھ نہیں کہا۔
''میں ویسا ہی کرنے کے لئے تیار ہوں، جیسا آپ چاہتے ہیں مگر اس کے لئے آپ کو ایک کام کرنا ہوگا۔''
''کیا؟''
''مجھ سے شادی۔'' اس نے حمزہ شاہ کی ساعتوں میں بم پھوڑا تھا، وہ ششدر رہ گیا اس لڑکی کی جرأت پر۔
''آپ بھی سوچ لیجئے میں بھی سوچتی ہوں۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔

☆☆☆

نندنی اگروال کی بات نے اس کے مضبوط اعصاب کے کس طرح پرخچے اڑائے وہ اسے ظاہر کئے بغیر اس سے اگلے دن ہی محاذ پر چلا گیا تھا، گو کہ اس کے زخم پوری طرح مندمل نہیں ہوئے تھے مگر وہ اس لڑکی کی صورت دیکھنے کا روادار نہیں تھا، وہ خود کو بے حد مصروف کر لینا چاہتا تھا تاکہ لمحہ بھر کو بھی اس کے متعلق سوچ کر اپنا جی مکرو نہ کر سکے۔

یہ وہ دن تھے جب کشمیر میں تحریک آزادی ایک بار پھر پوری شد و مد کے ساتھ شروع ہو چکی تھی، آئے روز فوج اور مجاہدین کے مابین جھڑپیں ہوتیں، حالات ایک بار پھر کشیدہ ہو چکے تھے، حمزہ شاہ کے کرنے کے لئے بہت سے کام اور مشن تھے، جنہیں سرانجام دیتے دیتے وہ نندنی اگروال کو بالکل ہی فراموش کر چکا تھا، اسے یہاں آئے چوتھا مہینہ شروع ہو چکا تھا جب اس کی اچانک ہی عبداللہ سے ملاقات ہو گئی۔
عبداللہ کو عرصے بعد دیکھ کر وہ بے حد خوش ہوا تھا، اسے عبداللہ ڈار سے مل کر اپنائیت کا احساس ہوتا، اسے ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ برسوں سے اسے جانتا ہو، وہ عبداللہ سے باتیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اسے لے کر ہائیڈ آؤٹ سے باہر نکل آیا، وہ دونوں برفیلے پہاڑ کی چوٹی پر آ بیٹھے۔
''بابو جی کیسے ہیں؟ اور ماں جی؟'' عبداللہ نے حال احوال کے بعد پوچھا۔
''انشاء اللہ خیریت سے ہوں گے، مجھے چار مہینے ہو گئے ہیں گھر سے آئے ہوئے۔''
''کمال ہے حمزہ بھائی، اتنا قریب ہے آپ کا گھر، پھر بھی اتنے عرصے بعد چکر لگاتے ہیں۔'' عبداللہ کی حیرت یقینی تھی۔
''گھر میں رہ کر میں نے کیا کرنا ہوتا ہے، جو میرے حصے کا کام ہے وہ تو میں کر ہی رہا ہوں گھر میں حذیفہ ہے، زرمینے ہے۔''
''آپ کی بہن شادی شدہ ہیں؟'' اس نے قدرے جھجک کر پوچھا۔
''ارے نہیں، وہ تو چھوٹی ہے ہم سب سے، یہ الگ بات کہ اماں اس کے جلد از جلد ہاتھ پیلے کر دینا چاہتی ہیں۔'' وہ مسکرایا۔
''ماؤں کو تو بس یہی فکر ہوتی ہے کہ بیٹیاں جلدی سے اپنے گھر کی ہو جائیں۔''
''ہاں لیکن ہماری تو ایک ہی بہن ہے اور ہمیں بہت پیاری ہے، ہم تو اس کی جلد شادی کے حق میں نہیں ہیں۔''
''ہم......م۔'' عبداللہ نے سر ہلایا۔
''وہ آپ کی کزن تو چلی گئی ہوں گی اپنے گھر وہ تو کافی مختلف لگی تھیں آپ کی فیملی سے۔''
وہ اس سے بے تکلف نہ ہوتا تو کبھی یہ سوال نہ کرتا مگر حمزہ شاہ اسے بہت عزیز رکھتا تھا اور کافی بے تکلفی سے بات کرتا تھا۔
''ہاں وہ چلی گئی ہو گی، مجھے علم نہیں۔'' حمزہ شاہ کے لئے جھوٹ بولنا دشوار مرحلہ تھا اس لئے زیادہ بات نہیں کی۔
''معذرت، اگر آپ کو میرا ذاتی نوعیت

کے سوال کرنا برا لگا ہو تو۔'' عبداللہ نے اس کی خاموشی محسوس کر کے خجالت سے کہا۔
''ارے یار ایسی بات نہیں، وہ کافی ایڈوانس فیملی سے بی لانگ کرتی ہے اس لئے تمہیں ایسا لگا۔''
''خیر چھوڑیئے اس بات کو، آپ کا گھر جانا ہو تو مجھے ساتھ لیتے جائیے گا، میرا کئی بار دل چاہا کہ میں بابو جی سے ملوں، ان کی شخصیت میں عجیب سا سحر ہے، وہی سحر اور کشش آپ کی شخصیت میں بھی ہے اور ماں جی سے مل کر تو ایسا لگا کہ در حقیقت یہی میری ماں ہیں۔''
''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے میرے لئے، میں ضرور لے چلوں گا۔'' حمزہ شاہ کو واقعی خوشی ہوئی تھی۔

☆☆☆

دس اگست کی رات آٹھ بجے وہ لوگ رتنی پورہ (پلوامہ) پہنچے، دو دن قیام کے بعد ان کا ارادہ پلوامہ کی تحصیل شوپیاں جانے کا تھا، چودہ اگست کی رات جب پاکستان میں جشن آزادی منایا جا رہا تھا، مقبوضہ کشمیر کے باسی ہندوستان کی آرمی کے ظلم و ستم کا شکار اپنی بدقسمتی کا ایک اور سال مجبوری اور بے بسی کے عالم میں کاٹ رہے تھے، وہ لوگ قریباً نو بجے زاسو گاؤں میں اشفاق احمد کے پاس پہنچے جو پلوامہ ٹاؤن کے کمانڈر تھے، انہیں مزید آگے سفر کرنا تھا مگر اشفاق احمد کے اصرار پر وہ اس رات وہیں رک گئے، اگلے دن پندرہ اگست تھا یعنی بھارت کا یوم آزادی اور اسی دن کے حوالے سے انہوں نے ایک پروگرام ترتیب دے رکھا تھا۔

امن کے مرثیے پڑھنے والے کیا جانیں
کہ جب آنکھوں سے لہو رس رہا ہو تو
تو درد کی زنبیلوں سے
فقط نفرتوں کی رسد ملتی ہے

پندرہ اگست کے روز ہر چھاؤنی میں فوجی پریڈ ہوتی ہے، انہوں نے پلوامہ ٹاؤن کے ڈی سی گراؤنڈ میں کاروائی کرنی تھی اور اس مقصد کے لئے رات گیارہ بجے کے قریب اس گراؤنڈ میں ٹائم بم نصب کر دیا گیا، پندرہ اگست کی صبح جیسے ہی آرمی والے انتظامات سے فراغت پا کر پریڈ کے لئے میدان میں پہنچے اور کمانڈنگ آفیسر سلامی لینے کے لئے اسٹیج پر آئے عین اسی لمحے ایک زوردار دھماکہ ہوا، جس کی آواز میلوں تک سنائی دی گئی، اس کاروائی میں بیس فوجی بائیس کیٹ کمانڈور اور ایک فوجی کتا ہلاک ہوا، یہ پلوامہ کی تاریخ کا اہم ترین ایکشن تھا اس حملے کی سب سے بڑی کامیابی جو انہیں ملی وہ یہ تھی کہ آرمی کی سالانہ بورڈ میٹنگ ملتوی کر دی گئی تھی جو ضلعی سطح پر ہوتی ہے اس سے بھارت کی پوری آرمی میں خوف کی ایک نئی لہر دوڑ گئی تھی، اس کے بعد ایک بار پھر جھڑپیں شروع ہو چکی تھیں، عبداللہ ڈار اور حمزہ شاہ اس بار محاذ پر ساتھ ہی تھے۔

☆☆☆

پندرہ دن کے توقف کے بعد وہ شوپیاں روانہ ہوئے تھے، ان کا قیام پیر پنجال کے پہاڑی سلسلے تھے تاہم ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ سردی کی بے پناہ شدت کے باعث وہ زیریں علاقے میں آنے پر مجبور ہو گئے، ایک دن وہ دور پارہ گاؤں میں بیٹھے تھے کہ ایک مقامی آدمی نے انہیں اطلاع دی کہ چترا گام میں نیا آرمی کیمپ بن رہا ہے، آرمی نے مورچے وغیرہ بنا لئے ہیں اور اب خیمے نصب کر رہے ہیں، شام کا وقت تھا احمد، عبداللہ، حمزہ شاہ اور امجد بھائی موجود تھے۔
اطلاع سنتے ہی انہوں نے پروگرام تشکیل دے لیا کہ آرمی کو اسی حالت میں جا لیا جائے، یہ

بھارت کی مشہور پندرہ پنجاب رجمنٹ تھی جو کہ سکھوں پر مشتمل تھی، مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں کہ انہوں نے آرمی پر حملہ کر دیا، ان کے پاس کافی اسلحہ تھا، حملہ اس قدر بھرپور اور اچانک تھا کہ انہیں سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا، وہ ابھی سول لباس میں ملبوس خیمے لگا رہے تھے، ان کا یہ حملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرماں کے مطابق تھا کہ ''دشمن کو تیاری کی حالت میں جا لو۔''

اسی حکم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت تھی کہ صرف چار مجاہدین کے سینکڑوں فوجیوں کو خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا تھا، پندرہ بیس منٹ تک مقابلہ جاری رہا پھر وہ دشمن کو ڈاج دے کر اپنی کمین گاہ کی طرف پلٹ آئے کہ وہاں دیر تک رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

اگلے دن انہوں نے اسی آدمی کو صورتحال معلوم کرنے کے لئے چترا گام بھیجا تو پتہ چلا کہ اسی رات فوج کا بہت جانی نقصان ہوا اور وہ رات رات ہی اپنا کیمپ اکھاڑ کر وہاں سے چلی گئی تھی، اب خالی میدان میں آرمی کے بکھرے اعضاء اور خون باقی رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''لگتا ہے کہ تمہاری بھانجی کا یہاں بہت دل لگ گیا ہے ویسے بڑی بات ہے کہ کسی شہری لڑکی کو یوں دیہات میں دل لگ جائے، بڑی سادہ طبیعت لگتی ہے۔'' صنوبر خالہ نے آج کافی دن بعد چکر لگایا تھا، نندنی کو وہ اپنی پر خلوص عادت کی وجہ سے پسند تھیں اس لئے ان کی خوب آؤ بھگت کرتی تھی، ابھی بھی سبز چائے کا کپ ان کے سامنے رکھ کر اندر جانے لگی تو ان کی باتیں اس کے کانوں میں پڑیں، ایک فطری تجسس کے باعث وہ دروازے کی اوٹ میں ہو گئی کہ دیکھوں خالہ جی کیا جواب دیتی ہیں۔

''ہاں ہے تو بڑی سادہ مگر جو بات شہر میں ہے وہ دیہات میں نہیں ہے نا، زرمینے کے ساتھ لگی رہتی ہے اس لئے دونوں کا اچھا وقت گزر جاتا ہے۔'' اس ایک جھوٹ کی وجہ سے کہ وہ ان کی بھانجی ہے انہیں ہر بار نیا جھوٹ بولنا پڑتا تھا جس سے انہیں کوفت ہوتی تھی، ان کی کوشش رہتی کہ نندنی سے متعلق کم ہی بات چیت ہو۔

''ہے بھی ماشا اللہ بہت سندر میری تو نظر نہیں ٹھہرتی اس پر، کہیں رشتہ وشتہ طے کر رکھا ہے اس کی ماں نے کہ نہیں۔'' وہ اب عورتوں والے مخصوص انداز میں سرگوشی میں بات کر رہی تھیں۔

''نہیں، ابھی تو نہیں کیا۔''

''میری مانو تو تم ہی مانگ لو اپنے حمزہ کے لئے، ایسی ہیرا لڑکی ہے، چراغ لے کر ڈھونڈو نے سے بھی نہ ملے۔'' اس کی بات پر نندنی کے دل میں پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی، اس نے اپنی سماعت زینت کی طرف لگا دی۔

''ہوں۔'' انہوں نے مبہم سا ہوں کہا تھا۔

''بلکہ میرا تو دل کہتا ہے اس کی ماں نے اسی مقصد کے لئے بھیجا ہو گا ورنہ اتنے ماہ کون اپنی بیٹی کو خود سے دور بھیجتا ہے، بہت پہلے تمہاری بہن کو دیکھا تھا ہے تو ناک نخرے والی مگر اس کی بیٹی تو ذرا بھی نہیں پڑی اس پر اس کا تو یہاں پر بہت دل لگا ہے، دن بدن اور بھی خوب صورت ہوتی جا رہی ہے اور پھر تم لوگوں کے مزاج کو بھی سمجھتی ہے۔'' انہوں نے تفصیل سے بات کی تھی۔

''کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو پر ابھی مجھے زرمینے کی فکر ہے، حمزہ شاہ کو تو تم جانتی ہو بڑے اکھڑ مزاج کا ہے، پروں پر پانی نہیں پڑنے دیتا، شادی کا نام تک نہیں لینے دیتا۔''

''اے بہنے، سب لڑکے ایسے ہی نخرے دکھاتے ہیں آج کل، تم زبردستی کر دو، دیکھنا کیسے بھاگا بھاگا آیا کرے گا گھر۔'' وہ ہنستے ہوئے بولیں۔

''مشورہ تو دل کو لگا ہے تمہارا، اس کے بابو جی سے بات کر کے دیکھتی ہوں۔'' زینت کو بھی نندنی بہت عزیز ہو گئی تھی اس لئے اس بات پر تیار ہو گئیں کہ عظام شاہ سے مشورہ کریں گی۔

''ہاں ہاں ضرور کرو، دیکھنا انہیں بھی کوئی اعتراض نہ ہو گا، الٹا خوش ہوں گے، میں نے بھی نوٹ کیا ہے کہ وہ فخشینہ کو بہت پسند کرتے ہیں، پیار بھی کرتے ہیں کافی۔''

''وہ تو کہتے ہیں میری ایک نہیں دو بیٹیاں ہیں۔'' نندنی کو کسی کی آہٹ سنائی دی تھی، وہ فوراً باہر نکل گئی۔

☆☆☆

اسے بے چینی تھی کہ کب زینت بابو جی سے بات کریں اور کب یہ بات حمزہ شاہ تک پہنچے، وہ دیدہ دلیری کا مظاہرہ کر کے حمزہ شاہ سے کہہ تو گئی تھی مگر اس کی خاموشی اور اگلے دن ہی محاذ پر چلے جانے کے عمل نے نندنی اگروال کو خلش میں ڈال دیا تھا، کہ کیا ضرورت تھی اسے اپنی ذات کو اتنا نیچے گرانے کی، جانے وہ کیا سوچتا ہو گا وہ کئی دن پشیمان رہی تھی لیکن پھر بھول بھال گئی، یہ الگ بات کہ حمزہ شاہ دن بدن اس کے وجود میں کسی آکاس بیل کی مانند پھیلتا جا رہا تھا، اس شخص سے جس اس کی پہلی بار بات ہوئی تو اس کے انداز میں بہت کروفر تھا اسے ہرگز گمان بھی نہ تھا کہ ایک روز یہی نخوت اسے بھی برداشت کرنی پڑے گی، پھر جتنے دن وہ ہائیڈ آؤٹ میں رہی، اس کا رویہ تحقیر آمیز رہا تھا، ہر مجاہد کے دل اور آنکھ میں اس کے لئے بے پناہ احترام اور عزت تھی، وہ کسی فیملی ممبر کی طرح وہاں رہی تھی لیکن واحد حمزہ شاہ تھا جو اس سے خار کھاتا تھا، یہ نہیں تھا کہ وہ اسے عزت نہیں دیتا تھا مگر اس کے لہجے میں ایک نامحسوس چبھن ہوتی تھی جو نندنی کے رگ و پے میں انی کی طرح گڑ جاتی تھی، اپنے ڈیڈ کے انتقال کے بعد اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کا ٹھکانہ کہاں ہو گا اس کے والد نے مرنے سے چند ماہ پہلے سے اسے شادی کے لئے بہت زور دیا تھا، ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ جلد شادی کر لے، تاہم وہ جلدی شادی کے لئے قطعی آمادہ نہیں تھی، انہوں نے آرمی میں ہی کئی نوجوان دکھائے تھے اسے جو انہیں پسند تھے مگر وہ ذہنی طور پر شادی کے لئے آمادہ نہیں تھی اور پھر جب ان کی ہلاکت ہوئی تو اسے یہ پچھتاوا لگ گیا تھا کہ اس نے ان کی آخری خواہش اور اچھا پوری نہیں کی تھی وہ اس کی جلد شادی کیوں چاہتے تھے، یہ بات اسے اب سمجھ میں آئی تھی، جب ان کے بعد اس کے پاس نہ کوئی رشتہ رہا تھا، نہ کوئی ٹھکانہ مگر اب پچھتانے کا کیا فائدہ تھا جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا، وہ اس گھر میں قطعی نہیں آنا چاہتی تھی کیونکہ اسے علم تھا کہ حمزہ شاہ اسے سخت ناپسند کرتا تھا، ابھی تو وہ پھر بھی امیر صاحب اور دیگر ساتھیوں کی وجہ سے لحاظ کر لیتا تھا، اپنے ساتھ لے جا کر جانے کیا سلوک کرتا تاہم امیر محترم جیب الرحمٰن کے کہنے اور سمجھانے پر وہ مجبوراً اس کے ساتھ آ گئی تھی اور اب تو وہ یہاں سے کہیں نہیں جانا چاہتی تھی بلکہ یہ تصور ہی اس کے لئے سوہان روح تھا، اسے خبر بھی نہ ہوئی تھی اور کب حمزہ شاہ اس کی رگ رگ میں سما گیا تھا، وہ شخص جسے وہ اپنے باپ کا قاتل کہتی تھی اور جس سے اسے نفرت محسوس ہوتی تھی۔

☆☆☆

زرمینے صحن میں سلائی مشین لئے بیٹھی تھی، صنوبر خالہ کی بہو اپنے تین سالہ بیٹے کی شرٹ سلائی کرنے کے لئے دے گئی تھیں اور وہ اسے مکمل کر رہی تھی، نندنی کو اسے دیکھ کر کوفت ہو رہی تھی۔

''تمہارے ہاتھ نہیں تھکے یہ پہیہ گھما گھما کر، میری آنکھیں تھک گئی ہیں تمہیں دیکھ دیکھ کر۔''

''تو نہ دیکھو، میں نے زبردستی تو نہیں بٹھا رکھا تمہیں اپنے سامنے۔'' زرمینے نے گھور کر دیکھا۔

''تمہیں نہ دیکھوں تو کیا ان دیواروں کو دیکھوں جو تم سے زیادہ بور کرتی ہیں۔'' وہ اسی کے انداز میں بولی۔

''کپڑے سلائی کرنا بہت دلچسپ کام ہے، سیکھ لو، یہ دیکھو چھوٹی سی شرٹ کتنی پیاری لگ رہی ہے۔'' اس نے سلائی شدہ شرٹ اس کے سامنے لہرائی۔

''تمہیں تو دنیا کا ہر فضول کام دلچسپ لگتا ہے۔''

''یہ دلچسپ کام بہت فائدہ مند ہے نکمی لڑکی، اسپیشلی مستقبل میں بہت کام آتا ہے۔'' وہ آنکھ کا کونہ دبا کر ہنسی۔

''مستقبل کے لئے تم ہو نا۔''

''میں نے کون سا ہمیشہ تمہارے ساتھ رہنا ہے۔'' اس نے دانتوں کی نمائش کی، اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

''اوہو اب کون آ گیا؟'' اس نے برا سا منہ بنایا۔

''مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔'' زرمینے نے سرزش کی۔

''حذیفہ دروازہ کھولو۔'' حمزہ شاہ کی گمبھیر آواز گونجی تھی۔

''حمزہ بھائی آ گئے۔'' زرمینے اچھل کر تخت سے اتری اور دروازہ کھولنے بھاگی۔

''لو آ گئے محترم۔'' نندنی نے گہرا سانس لیا اور غیر ارادی طور پر شانوں پہ ڈھلکے دوپٹے کا پلو اٹھا کر سر پہ رکھ لیا۔

''اس بار تو۔'' زرمینے نے خوشی سے کہتے ہوئے پٹ وا کئے مگر اگلے ہی لمحے اس کو بوکھلا کر پلٹنا پڑا تھا، حمزہ شاہ کے ہمراہ عبداللہ ڈار بھی تھا۔

☆☆☆

''ماں جی! میں نے زرمینے کے حوالے سے بات کی تھی نہ آپ سے کہ اس مسئلے کا حل میں نے سوچ لیا ہے۔'' وہ زینت کے قریب بیٹھتے ہوئے تمہیداً بولا۔

''ہاں ہاں کیا تھا، مجھے تو اچھی طرح یاد ہے بلکہ اسی دن سے میں قدرے بے فکری ہو گئی ہوں۔'' زینت نے جوش سے کہا۔

''تو اس مسئلے کا حل میں ساتھ ہی لے آیا ہوں، اس بار...... کیسا لگا آپ کو۔'' وہ معنی خیزی سے مسکرایا تھا زینت چونک کر اسے دیکھنے لگیں اور پھر بات کی تہہ تک پہنچتے ہی ان کے چہرے پر خوش گوار حیرت پھیل گئی۔

''تمہارا مطلب ہے عبداللہ۔''

''جی بالکل، یہی مطلب ہے۔'' وہ دلکشی سے مسکرایا۔

''سوہنے رب کی قسم اگر ایسا ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہو، مجھے اور تمہارے بابو جی کو عبداللہ بہت پسند ہے اور زرمینے کے لئے اس سے بہترین بر کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔'' وہ بے ساختہ خوش ہو گئی تھیں۔

''مجھے بھی یہی لگتا ہے، اس لئے عبداللہ کے حوالے سے نہیں سوچا۔''

''تم نے بات کی اس سے، تمہارا کیا خیال ہے وہ مان جائے گا۔'' وہ اس کی طرف جھک کر پوچھ رہی تھیں۔

''میں نے ابھی بات نہیں کی تاہم مجھے یقین ہے وہ مان جائے گا، اتنا تو میں جان گیا ہوں اسے۔''

''آج تو بڑی اچھی خبر سنائی ہے تو نے، میرا جی خوش ہو گیا ہے ابھی شکرانے کے نوافل ادا کرتی ہوں۔'' وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اٹھنے لگی تھیں معاً ان کے ذہن میں کوندا سا لپکا۔

''ارے ہاں بیٹا! ایک ضروری بات پوچھنا تو بھول ہی گئی تجھ سے۔'' انہوں نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو حمزہ ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''جی جی کہیے۔''

''بڑے دنوں سے دل میں تھی، آج تیرا بھی موڈ اچھا ہے تو سوچا لگے ہاتھوں یہ کام بھی نپٹا لوں۔'' زرمینے ان کے سامنے چائے رکھ گئی تھی۔

''میں سمجھا نہیں۔'' وہ چونکا، بے دھیانی میں زرمینے کو دیکھ رہا تھا، پلٹ کر انہیں دیکھا۔

''زرمینے کی تو تجھے بڑی فکر ہے، اپنا کوئی خیال نہیں۔'' وہ اس کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

''ماں جی! اس موضوع پر کتنی بار بات ہو چکی ہے ہماری۔'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''ہاں ہاں پتہ ہے مجھے۔'' انہوں نے ہاتھ ہلایا۔

''پر میرے بھی کچھ ارمان ہیں میں تیری جہادی تحریک میں کوئی رخنہ نہیں ڈال رہی، تو نے اپنا کام کرنا ہی ہے، پر پتر اگر تجھے رب سوہنے نے شہادت کے رتبے پر فائز کر دیا تو تیری کلاشنکوف کون اٹھائے گا، اس بارے میں سوچا ہے تو نے۔'' انہوں نے بہت گہری بات کر دی تھی، حمزہ شاہ کچھ لمحے کے لئے تو لاجواب سا ہو گیا۔

''ماں جی! حذیفہ بھی تو ہے۔'' کچھ دیر بعد وہ آہستگی سے بولا۔

''تو جانتا ہے حذیفہ تجھ سے اور سلمان سے تھوڑا الگ ہے اور کچھ آرمی کا خوف بھی اس کے دل میں ہے، یہ الگ بات ہے کہ باتیں بڑی بڑی کرتا ہے مگر اس کا اتنا دل نہیں ہے، پتر ماں ہوں نا جانتی ہوں اسے اور تجھے بھی۔'' وہ چائے کی پیالی لبوں سے لگاتے ہوئے بولیں۔

''تو آپ چاہتی ہیں کہ میں بھی شادی کر لوں۔'' حمزہ شاہ نے گہری سانس لے کر جیسے ہتھیار ڈالے تھے، زینت بالآخر اسے رام کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں، وہ خاموشی سے چائے کے سپ لینے لگا۔

''تو اور کیا، یہ تو ہر ماں چاہتی ہے کہ اپنے پتر کے سر پر سہرا باندھے۔'' ان کی تو خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی، پتھر میں شگاف پڑ گیا تھا۔

''تو میری ایک شرط ہے، لڑکی بے حد سادہ ہو، صوم الصلوۃ کی پابند۔''

''ہیں۔'' وہ سوچ میں پڑ گئیں، اس پہلو پر تو انہوں نے سوچا ہی نہ تھا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں، میں پوچھنا چاہ رہی تھی کہ وہ نحشینہ کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔'' انہوں نے ڈرتے ڈرتے کہہ ہی دیا۔

''جی...... ی...... ی۔'' چائے کا گھونٹ حلق میں اترنے کی بجائے بدحواس ہو کر منہ سے باہر گرا تھا، اسے اچھو لگ گیا۔

''زرمینے پانی لے کر آ بھائی کے لئے۔'' زینت بوکھلا کر زرمینے کو آوازیں دینے لگی تھیں، مگر اس کی چھینکیں رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں،

وہ واقعی شاکڈ رہ گیا تھا۔

☆☆☆

میں اگلے کئی دن سے اس لڑکے کا انتظار کرتا رہا تھا، جو مجھ سے نوکری مانگنے آیا تھا اور میں نے اس کی مجبوری پہ ترس کھاتے ہوئے اسے جز وقتی ملازم کے طور پر رکھنے کا عندیہ بھی ظاہر کر دیا تھا، ایک دو دن میں اس کی آمد کا منتظر رہا، وہ نہ آیا تو بس بھول بھال گیا مگر آج حسان نے مجھے کنجوس مکھی چوس کا طعنہ دیتے ہوئے ہیلپر رکھنے کا کہا تو میں اچھل پڑا۔

''ارے ہاں ملازم تو میں نے رکھ لیا تھا؟''

''کب؟ یہ عظیم سانحہ کب ہوا؟'' وہ سنجیدہ تھا۔

''پچھلے منگل کی بات ہے، وہ خود آیا تھا میرے پاس۔''

''کون؟'' اب اسے میری دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

''ملازم اور کون، کیا نام بتایا تھا اس نے اپنا، بھلا سا نام تھا، کیا تھا، کیا تھا۔'' میں پیشانی پر انگلی بجاتے ہوئے نام یاد کرنے لگا۔

''لگتا ہے تو نے بہت ڈراؤنا خواب دیکھا تھا میرے بھائی۔'' حسان باز نہ آیا۔

''ابے تو تو اپنی چونچ بند رکھ، مجھے نام یاد کرنے دے۔''

''نام یاد کرنے پر میں نے کون سا تجھے انعام دے دینا ہے۔''

''ہونہہ انعام، یہ منہ اور مسور کی دال۔''

''مسور کی دال سے تو بہر حال یہ منہ ہزار ہا درجہ بہتر ہے تو مجھے باتوں میں لگا کر چاہتا ہے کہ میں تجھے تیری بے مثال کنجوس فطرت پہ لیکچر دینا بند کر دوں تو یہ تیری غلط فہمی ہے میری جان، تو جانتا ہے حسان پٹ تو سکتا کلمہ حق کہنے سے خود کو باز نہیں رکھ سکتا۔''

''اچھا اب یہ اوور ایکٹنگ بند کر، مجھے اس کا نام یاد کرنے دے، ہاں...... ہا...... یاد آ گیا۔'' میں نے چٹکی بجائی۔

''کریم عبدالناصر نام تھا اس کا۔''

''سبحان اللہ کیا یادداشت پائی ہے تو وہ موصوف آئے کیوں نہیں دوبارہ یا انہوں نے کہیں سے گن سن لے لی آپ جناب کی مہا کنجوسی کی۔''

''تو میری شان میں جتنے مرضی قصیدے پڑھ، چائے تو میں نے تجھے پلانی نہیں ہے، خود لا سکتا ہے نیچے جا کر تو لے آ۔'' میں نے پاؤں اٹھا کر ٹیبل پہ رکھ لئے اور آرام دہ انداز میں صوفے پر دراز ہو گیا۔

''تف ہے تجھ پر، تیرے شاہی محل میں جا کر بھی میں خود ہی چائے بنا کر نوش فرماؤں اور اس دفتر میں آ کر بھی خود ہی اپنی مہمان نوازی کروں۔'' حسان نے مجھے شرم دلانے کی ناکام کوشش کی۔

''تجھے پتہ ہے لائٹ کی وجہ سے لفٹ بھی کام نہیں کرتی اور میرا آفس ساتویں منزل پہ ہے، میرا ابھی اتنا دماغ خراب نہیں ہوا کہ چائے کے ایک کپ کے لئے اپنی ٹانگوں پہ اتنا ستم ڈھاؤں، چائے ہی پینی ہے تو نیچے جاتے ہوئے پی لیں گے، مر کیوں رہا ہے۔'' اسی وقت میسج ٹون بجی۔

''میرا ابھی دل چاہ رہا ہے اور تو نے دو گھنٹے سے پہلے ہلنا نہیں ہے، تبھی تو کہہ رہا ہوں کوئی ملازم کیوں نہیں رکھ لیتا۔''

''رکھا تھا یار، پلٹ کے آیا ہی نہیں بے وفا۔'' میں نے ٹھنڈی آہ بھر کے سیل فون کی چمکتی اسکرین کو دیکھا جہاں یازش کا میسج جگمگا رہا تھا، لیکن میں نے میسج اوپن کئے بغیر سیل جیب میں ڈال لیا کہ اس کا میسج پڑھتے ہی ریپلائی نہ کرنا مجھے گوارہ نہیں تھا اور حسان کی موجودگی میں میں ذہنی یکسوئی ک ساتھ اس سے بات نہیں کر سکتا تھا، چاروناچار میں اٹھ ہی گیا۔

''چل تو بھی کیا یاد کرے گا، آج تیری خاطر اپنی ٹانگوں پہ ستم ڈھا ہی دوں۔''

''یہ کس کے میسج کا اعجاز ہے جو تو نظر ڈالتے ہی نیکی پر اتر آیا ہے۔'' حسان نے شرارت سے آنکھ دبا کر کہا تو اس نے اس کے شانے پر دھپ رسید کی۔

''چل اب پٹڑی سے نہ اتر۔''

☆☆☆

''ماں جی آپ یہ سوچ بھی کیسے سکتی ہیں؟'' پانی پی کر ذرا طبیعت بحال ہوئی تو اس نے حیرت سے پوچھا۔

''کیوں؟ اس میں کیا مضائقہ ہے، شادی نہیں کرنی تو نے، خود ہی تو ابھی کہہ رہا تھا کہ ٹھیک ہے۔'' انہوں نے خالی گلاس تپائی پہ رکھا۔

''جی ٹھیک ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ اس مقصد کے لئے ایک ایسی لڑکی کو میرا شریک سفر بنا دیں جسے میں سخت ناپسند کرتا ہوں۔''

''نا اس میں ایسی کون سی برائی یا کمی ہے، رج کے سونی ہے سلیقہ شعار ہے اور......''

''ماں جی وہ ایک غیر مسلم لڑکی ہے، آپ یہ کیوں بھول رہی ہیں؟'' اس نے غیر مسلم پر زور دیا۔

''کوئی غیر مسلم نہیں ہے، فخشینہ نام رکھ لیا ہے اپنا، دن رات ہمارے ساتھ رہتی ہے، ہم نے تو کبھی اسے بھگوان کی پوجا کرتے نہیں دیکھا۔'' وہ سادگی سے گویا تھیں۔

''اس نے اسلام قبول تو نہیں کیا نا۔''

''نہیں کیا، تو کر لے گی، مجھے یقین ہے۔''

''ماں جی! مذہب کی بات ہو رہی ہے کوئی مذاق نہیں، ہم اسے زبردستی مسلم کیوں بنائیں۔''

''اے ہٹے، زبردستی کیوں، اس کا من چاہے گا تو کلمہ پڑھ لے، نہیں تو کوئی زور زبردستی تھوڑا ہی ہے۔''

''بہر حال آپ جو بھی کہیں میں اسے اپنا شریک سفر نہیں بنا سکتا۔'' وہ صاف انکاری تھا۔

''چل تیری مرضی ہے پھر۔'' وہ تھک کر چپ ہو گئیں۔

''آپ ناراض ہو گئی ہیں۔'' وہ پشیمان ہوا۔

''نہیں بھلا ناراضگی کیسی، زندگی تو تو نے گزارنی ہے، فیصلے کا اختیار بھی تیرے پاس ہے، ہم کوئی زبردستی تو نہیں کر سکتے اور پھر تیری باتیں بھی درست ہیں، مجھے اتنا نہیں پتہ۔'' ان کا لہجہ پست ہو گیا تھا۔

''ماں جی پلیز۔'' اسے تکلیف ہوئی۔

''حمزہ بھائی! دروازے پہ دستک ہو رہی ہے، کوئی آپ کا پوچھ رہا ہے۔'' زرمینے کی آواز آئی تو وہ بات ادھوری چھوڑ کر اٹھ گیا، یہ الگ بات کہ اس کے دل پہ بوجھ سا آ پڑا تھا، اسے جانے کیوں نندنی اگروال پہ غصہ آئے جا رہا تھا۔

☆☆☆

''تمہارے کوئی تو رشتے دار وغیرہ ہوں گے یا تم جان بوجھ کے نہیں بتاتیں۔'' نندنی اپنے کپڑے استری کر رہی تھی جب وہ دروازے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا مطلب جان بوجھ کے۔'' وہ الجھی۔

''مطلب یہ کہ تمہارا کوئی خاندان وغیرہ تو ہو گا، رشتے دار وغیرہ۔''

”جی یقیناً ہوگا۔“ اس نے سر ہلایا۔
”ریلیٹوز بھی ہوں گے۔“
”تو کچھ اتہ پتہ بھی ہوگا تمہارے پاس۔“
”افسوس کے نہیں ہے۔“
”کیوں؟“ اس نے ابرو اچکا کر کاہی رنگ کے لباس میں ملبوس اس شعلہ جوالہ کو دیکھا جو بے نیازی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔
”ممی اور ڈیڈ نے لو میرج کی تھی، گھر والوں کی مرضی کے بغیر اس لئے سب نے ان سے رابطے ختم کر دیئے تھے۔“ اس کے لہجے میں سچائی تھی۔
”مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“
”اس لئے کہ میں تمہیں تمہارے اپنوں کے حوالے کر آؤں، تمہارے رشتے داروں میں تمہیں چھوڑ آؤں۔“ اس کی بات پر ایک لمحے کے لئے نندنی کا ہاتھ استری کے ہینڈل پہ کانپا تھا۔
”چھوڑنے کے لئے لے کر آئے تھے؟“ لب بھی کانپ گئے۔
”یقیناً۔“ وہ ہنوز سخت لہجے میں گویا تھا۔
”میں ہمیشہ کے لئے تو تمہیں ساتھ نہیں لایا تھا۔“
”چھوڑ کے آنا تھا تو لائے کیوں تھے؟“
”مجبوری تھی، اور امیر صاحب کا حکم، لیکن یہ مجبوری گلے کا ڈھول بن جائے گی اندازہ نہیں تھا۔“ وہ اندر آ گیا۔
”یقیناً تمہارے والدین نے لو میرج ہی کی ہوگی اس لئے تم بھی اتنی ہی بے باک ہو۔“ نندنی نے چونک کر اسے دیکھا وہ آنکھوں میں بے پناہ نفرت لئے اسے دیکھ رہا تھا۔
”محبت کرنا کوئی جرم تو نہیں۔“ اس نے خود سے کہا تھا یا اس سے۔
”فضول بات مت کرو، میرے گھر میں اس قسم کے بے ہودہ لفظ کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔“ اس نے گھر کا۔
”بے ہودہ لفظ۔“ اسے پھر حیرت ہوئی۔
”بغیر کسی محرم رشتے کے میں اس قسم کی خرافات کو بے ہودگی سمجھتا ہوں۔“
”تو رشتہ بنانے پر بھی آپ کو اعتراض ہی ہے، اس کے لئے کون سا آپ آمادہ ہیں۔“ اس کا لہجہ قدرے تلخ تھا۔
”میرا تم سے صرف ایک ہی رشتہ ہے صرف نفرت کا۔“ اس نے نفرت پر زور دیا۔
”میں ان تمام لوگوں سے نفرت کرتا ہوں جو میرے خطہ کشمیر کو مصلوب دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور تو تم عملی طور پر بھی حصہ لیتی رہی ہو۔“ حتی الامکان اس نے اپنی آواز نیچی رکھی تھی۔
”وہ سب میرا ماضی تھا، میں اس کے لئے جواب دہ نہیں ہوں۔“ بہت دن بعد وہ اپنی سابقہ جون میں پلٹی تھی۔
”اور اگر آپ کی یہی اچھا ہے کہ میں آپ کے گھر سے چلی جاؤں تو ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گی۔“ اس نے سوئچ آف کیا۔
”کہاں جاؤ گی؟“ بے ارادہ اس کے لبوں سے پھسلا، نندنی نے پلٹ کر اسے دیکھا تو وہ خجل سا ہو کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔
”اس بات سے یقیناً آپ کو کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔“ وہ اس کے قریب آ کر رکی، کچھ کہنے کے لئے لب وا کیے مگر اگلے ہی لمحے ہونٹ بھینچ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

اگلی صبح جب وہ اپنے دھلے ہوئے تین جوڑے ایک شاپنگ بیگ میں رکھ رہی تھی تو زرمینے نے حیرت سے اسے دیکھا، وہ اس وقت بکریوں کے لئے چارہ نکال رہی تھی اور یونہی ایک کام یاد آنے پر اندر آئی تو فخشینہ کو تیاری کرتے پایا۔
”فخشینہ تم کہیں جا رہی ہو؟“
”ہاں۔“ اس نے مختصر جواب دیا۔
”کہاں جا رہی ہو؟“ زرمینے کو غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔
”پتہ نہیں۔“ اس کے لہجے میں نمی گھلی تھی۔
”کیا مطلب پتہ نہیں، تمہیں ہوا کیا ہے آخر۔“ وہ الجھ کر رہ گئی۔
”کچھ نہیں مجھے کیا ہونا ہے؟“
”تو کپڑے کیوں شاپر میں رکھ رہی ہو؟“
”کہنا نا جا رہی ہوں۔“
”وہی تو پوچھ رہی ہوں کہاں؟“
”کہیں بھی، اتنی بڑی دنیا ہے کہیں تو ٹھکانا مل جائے گا، کسی ویلفیئر ٹرسٹ یا دار الامان میں چلی جاؤں گی۔“ اس نے بدقت تمام آواز کو بھیگنے سے بچایا۔
”یہ صبح صبح تمہیں ہو کیا گیا ہے، کیوں پاگلوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔“ وہ فخشینہ کے قریب آئی۔
”کمال ہے زری! میں سادہ اور صاف لہجے میں تمہیں بتا رہی ہوں اور تم۔“ وہ مصنوعی ہنسی ہنسی۔
”میری طرف دیکھ کر بات کرو فخشینہ۔“ زرمینے نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی مانند اس کے شانے سے لگ کر سسکنے لگی، زرمینے پریشان ہو گئی، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یکدم اسے ہو کیا گیا ہے، گھر میں تو کوئی ایسی بات ہوئی بھی نہیں تھی، جس کی بناء پر وہ انتہائی فیصلہ کر لیتی۔
”اف ہو...... فخشینہ! یوں پاگلوں کی طرح روئے ہی چلی جاؤ گی یا مجھے کچھ بتاؤ گی بھی، میں پریشان ہو رہی ہوں۔“ اس نے فخشینہ کا چہرہ اوپر کیا۔
”کسی نے کچھ کہا ہے تمہیں؟“ وہ خاموش رہی۔
”بتاؤ گی تو کچھ سمجھ آئے گی مجھے، کیا حمزہ بھائی نے کچھ کہا ہے۔“ یکایک اس کے ذہن میں کوندا سا لپکا۔
”ہوں۔“ فخشینہ نے روتے ہوئے سر ہلایا۔
”اوہ...... ایسا بھی کیا کہہ دیا انہوں نے کہ تم گھر سے جا رہی ہو۔“ زرمینے نے دروازے کی سمت دیکھا جہاں عظام شاہ ہاتھ میں شلوار اور ازار بند لئے کھڑے تھے، وہ یہاں کس وقت آئے تھے اندازہ نہیں ہو سکا تاہم ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، یقیناً وہ ان کی کچھ باتیں سن چکے تھے۔
”انہوں نے کہا ہے کہ میں اس گھر سے چلی جاؤں، کہیں بھی، کیوں کہ وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔“ اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔
”وہ مجھے بے باک اور بیہودہ سمجھتے ہیں کہتے ہیں نامحرم ہو۔“
”حمزہ شاہ کہاں ہے زرمینے؟“ عظام شاہ کی بھاری بھرکم آواز فخشینہ کی پشت پر ابھری تھی وہ بوکھلا کر سیدھی ہوئی۔
”وہ کچھ سودا سلف لانے گھر سے نکلے تھے، آتے ہی ہوں گے۔“ زرمینے ان کی دبنگ آواز سن کر خائف سی ہو گئی تھی جبکہ فخشینہ کا چہرہ سفید لٹھے کی مانند ہو گیا تھا۔

☆☆☆

جب عظام شاہ نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کلمہ توحید پڑھنے کے لئے کہا تو وہ

حیرت سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔
''پڑھو بیٹا، لا الہ اللہ۔'' وہ دوبارہ کلمہ دہرا رہے تھے، اب کی بار اس نے ان کے الفاظ دہرا دیئے تھے۔
''محمد رسول اللہ۔'' انہوں نے کلمے کا اگلا حصہ پڑھا تو وہ بھی ساتھ پڑھتی گئی، اس کے ذہن و دل خالی تھے بالکل، وہ اپنی کیفیت کو کوئی نام نہ دے سکی۔
''الحمدللہ...... الحمدللہ...... مبارک ہو بیٹی۔''
وہ بے حد خوش تھے، پھر وہ حمزہ شاہ کی طرف متوجہ ہوئے جس کے وجیہہ چہرے پر ناقابل فہم تاثرات تھے اور ہونٹ بھینچے زمین کو گھور رہا تھا۔
''اب تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔''
انہوں نے لہجہ سخت ہی رکھا تھا۔
''بابو جی زبردستی کا کوئی اسلام نہیں ہوتا۔'' وہ تنگ کر بولا۔
''کیوں فخشینہ بیٹا تمہیں کوئی قباحت ہے اسلام قبول کرنے میں، کوئی بھی مسئلہ ہے تو بلا جھجک کہو، شاباش۔''
''نہیں بابو جی۔'' وہ جیسے حواسوں میں پلٹی تھی۔
''میں بہت خوش ہوں اور شاید میں بہت دنوں سے ایسا چاہ رہی تھی۔''
''سن لیا جواب، زرمینے بیٹی مٹھائی منگواؤ حذیفہ سے، میں اپنے صاحبزادے کا نکاح خود ہی پڑھاؤں گا۔'' طویل مدت بعد زرمینے نے انہیں اتنا خوش دیکھا تھا، وہ فوراً ہی باہر لپکی تھی۔
''اپنی ماں کو بھی یہیں لے آؤ، کیا کر رہی ہے وہ۔'' وہ اس کے پیچھے آئے۔
''اپنی پیٹی میں سے کوئی بھاری بھرکم سوٹ نکال رہی ہیں فخشینہ کے لئے۔'' زرمینے مسکراتے ہوئے بولی۔
''نیک بخت! کیوں اس عمر میں خود کو مصیبت میں ڈال رہی ہو، پیر پھسل گیا تو ہاتھ پیر تڑوا بیٹھو گی۔''
''آئے ہائے، خوشی کے اس موقعے پر بد فال تو مت نکالیں منہ سے۔'' وہ ان سے بھی زیادہ کھلی پڑ رہی تھیں۔
''سارے ہی خوش ہیں ماشا اللہ، سوائے نوشے میاں کے۔'' عظام شاہ کو اپنے سپوت پر پیار آ رہا تھا دل ہی دل میں پیچ و تاب تو کھا رہا تھا مگر ان کی بات ٹالنے کی ہمت نہیں تھی اس میں اول تو اسے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ عظام شاہ بھی زینت کی طرح جذباتی پن کا مظاہرہ کر سکتے ہیں اور دوئم وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حمزہ شاہ ان کی بات نہیں ٹال سکتا اس لئے وہ خود ہی اس سے ایسے کام کے لئے نہیں کہتے تھے جو اس کی طبیعت اور مزاج کے بر خلاف ہوتا، لیکن زندگی کے اس اہم موڑ پر ان کے بے لچک انداز حمزہ شاہ کو ورطہ حیرت میں ڈال گیا تھا، وہ ان سے تو کچھ کہہ نہیں سکا، البتہ فخشینہ کو بار بار جتلا رہا تھا، کہ یہ نکاح سراسر مجبوری کا بندھن ہے وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو اور فخشینہ تو ابھی تک کسی جادوئی حصار میں قید تھی، اسے لگ رہا تھا کہ یہ سب ایک حسین خواب ہے، ایک ایسا خواب جسے وہ کئی ہفتوں سے اپنی سنہری آنکھوں پہ سجائے ہوئے تھے، وہ حقیقت کا روپ دھار لے گا، تعبیر کی معراج کو پہنچ جائے گا، اسے گمان تک بھی نہ تھا اس کے تو پاؤں زمین پر نہ پڑ رہے تھے ساری رات وہ خوشی کے مارے سو نہ سکی تھی، مجبوراً ہی سہی حمزہ شاہ نے اسے قبولیت کی سند عطا تو کی تھی، وہ اپنے بخت پہ کیوں نازاں نہ ہوتی۔

☆☆☆

حمزہ شاہ منہ اندھیرے ہی چلا گیا تھا، وہ سب سے ہی خفا تھا لیکن سب جانتے تھے یہ وقتی غصہ ہے کچھ وقت گزرے گا تو اس کے مزاج خود ہی درست ہو جائیں گے، اس لئے زیادہ پرواہ نہ کی تھی، تاہم زرمینے جو اس اچانک افتاد پر خوشگوار حیرت میں گھری ہوئی تھی، موقع ملتے ہی فخشینہ کے سر ہو گئی۔
''اف اتنا کامیاب ڈرامہ، تم کتنی تیز ہو لڑکی۔'' دھپ سے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے فخشینہ کو گھورا جو صبح ملکہ جذبات بنی ہوئی تھی اور آج کھلی پڑی تھی۔
''کوئی ڈرامہ نہیں، مجھے خود نہیں علم تھا کہ یہ سب اس طرح ہو جائے گا بلکہ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی تمہارے بھائی صاحب میرا نصیب بھی بن سکتے ہیں۔''
''ہیں...... ہیں...... اس کا مطلب ہے تم پہلے سے یہی چاہتی تھیں۔'' زرمینے اچھلی۔
''تو اور نہیں تو کیا۔''
''مگر یار! یہ سب کیسے، پہلے تو سخت خلاف تھیں تم حمزہ بھائی کے انہیں قاتل، بے رحم اور جانے کیا کیا کہتی تھیں۔''
''کہتی تھیں نا، اب تو نہیں کہتی، پہلے میں انہیں اتنا جانتی نہیں تھی اب جان گئی ہوں۔''
''اچھا، اب کتنا جان گئی ہو، ذرا مجھے بھی تو پتہ چلے۔'' وہ شوخ ہوئی۔
''چھلو مت، یہ دل کے معاملات ہیں۔'' اس نے جواباً گھورا پھر سنجیدہ ہوتے بولی۔
''یار! سچ کہوں تو مجھے خود بھی پتہ نہیں چلا کہ وہ دھیرے دھیرے مجھے اتنے اچھے کیوں لگنے لگے پہلے میں سخت ناپسند کرتی تھی انہیں، مگر پھر جانے کب یہ ناپسندیدگی، پسند میں بدل گئی، مجھے ان کی شخصیت نے بے پناہ متاثر کیا، کیا گریس فل پرسنیلٹی ہے ان کی اور جب جب اپنے بھگوان میرا مطلب ہے رب کی عبادت کرتے تھے تو کتنے اچھے لگتے تھے، میں انہیں اکثر چھپ کر دیکھتی، ان کی باتیں، لہجہ، اپنے کشمیر سے اس درجہ محبت مجھے یہ سب باتیں ان کی گرویدہ کرتی چلی گئیں، میں نے سنا تھا کہ مجاہدین بہت ظالم ہوتے ہیں، وحشی درندے، میں اننگ وادیوں سے بہت نفرت کرتی تھی اس لئے تو زبردستی فوج میں آئی تھی، لیکن جب وہاں ہائیڈ آوٹ میں رہی تو ان کے اسرار کھلے گئے، عورت کو اتنا احترام اور عزت دیتے ہیں کہ میں من ہی من میں متاثر ہوئی تھی اور پھر جب یہاں آئی تو ایک کشمیری گھرانے سے مجھے اتنا پیار محبت مان اور عزت دتوقیر ملی کہ سب بھول گئی۔''
''ہوں۔'' زرمینے نے ہنکارا ابھرا۔
''تو اس کا مطلب ہے تم کب سے نظر رکھے ہوئے ہو میرے معصوم بھائی پر۔''
''ہونہہ، پتہ نہیں کہاں سے معصوم ہیں وہ؟'' اس نے ناک چڑھائی۔
''معصوم ہی ہیں، ورنہ بابو جی کی بلیک میلنگ کا شکار نہ ہوتے۔''
''بابو جی کے سامنے تو فرمانبرداری اور اطاعت کی مثال قائم کر دی اور اب جو میری جان ناتواں پہ تاک تاک کر حملہ بازی کریں گے، دل جلائیں گے بار بار احسان جتائیں گے وہ کس کھاتے میں؟''
''بھئی اب اتنا تو برداشت کرنا پڑے گا ہی تمہیں، سنا نہیں کہ یہ عشق نہیں آسان بس اتنا سمجھ لیجئے۔''
''ہاہ، اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کر جانا ہے۔'' فخشینہ نے شعر مکمل کیا تھا پھر دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دیں۔

☆☆☆

"خیریت تو ہے حمزہ بھائی! میں کئی دن سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ بہت چپ چپ اور الجھے الجھے سے ہیں، کوئی پریشانی کی بات ہے، گھر میں تو سب خیریت ہے نا۔" حمزہ شاہ پہاڑوں پر پگھلتی برف کو بے دھیانی میں دیکھ رہا تھا جب عبداللہ ڈار نے اس کے قریب رکھے بڑے سے پتھر پر بیٹھتے ہوئے پوچھا، وہ اپنے ہی دھیان میں گم تھا اس لئے عبداللہ کی آواز سن کر بے طرح چونکا تھا۔

"آں، ہاں ٹھیک ہوں، سب خیریت ہے۔" وہ بے ربط جملے بول گیا۔

"دیکھا خیریت نہیں ہے اس لئے آپ جیسے نہایت چاق و چوبند اور چوکنا شخص کی حساست کی غیر حاضری کھٹک رہی ہے مجھے، میں نے کیمپ میں بھی آپ کو اسی طرح خیالوں میں گم دیکھا تھا۔"

"بس ایسے ہی طبیعت کچھ بوجھل سی ہے۔"

"تو مزید ریسٹ کر لیتے آپ، ابھی تو زخم پوری طرح بھرے بھی نہیں تھے کہ آپ دوبارہ محاذ پر چلے آئے۔"

"ہوں، عبداللہ ایک بات تو بتاؤ۔" اس نے پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر سے نگاہیں پہاڑوں پر گاڑ دیں۔

"جی پوچھئے، میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

"کئی دنوں سے پوچھنا چاہ رہا ہوں مگر جھجک سی ہے۔" اس نے دائیں ہاتھ سے پیشانی مسلی۔

"جھجک کیسی، جو بھی کہنا ہے کھل کر کہیں، آپ تو میرے فیملی ممبر کی طرح ہیں۔"

"وہ تمہارا شادی وادی کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔" وہ جلدی سے کہہ ہی گیا۔

"جی۔" اسے یکدم عجیب سا احساس ہوا غالباً وہ توقع نہیں کر رہا تھا کہ حمزہ شاہ اس سے اتنی ذاتی نوعیت کا سوال بھی پوچھ سکتا ہے، کیونکہ اس نے عام مجاہدین کی نسبت اسے بہت ریزرو پایا تھا، اپنے آپ میں مگن اور اپنے کام سے کام رکھنے والا۔

"کیا ہوا؟ کچھ غلط پوچھ لیا۔" اس نے پلٹ کر عبداللہ کا چہرہ دیکھا جس پر گہری شام کا عکس مکمل طور پر چھلک رہا تھا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔" کچھ دیر بعد وہ نفی میں سر ہلا کر بولا۔

"تو پھر۔"

"تو پھر یہ کہ میں نے اس بارے میں سوچا ہی نہیں نہ سوچنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہاری حالت کا اندازہ کر سکتا ہوں کہ کس طرح فیملی سے علیحدگی کے بعد تم نے مکمل طور پر خود کو بدل لیا مگر یہ بھی تو ایک ضرورت ہے دوست۔" وہ دھیمی سے مسکراہٹ اپنے گلابی لبوں پر سجائے کہہ رہا تھا۔

"بے شک مجھے شادی کی اہمیت سے انکار نہیں مگر میں خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتا، یہ بہت اہم فریضہ ہے۔" وہ نظریں چرا کر بولا۔

"ارے تم نے وہی بات کر دی جو میں اپنے والدین سے کہتا ہوں۔"

"اچھا۔" عبداللہ نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"تو اس کا مطلب ہے آپ بھی شادی نہیں کرنا چاہتے۔"

"بالکل نہیں کرنا چاہتا تھا مگر کر چکا ہوں۔"

"مطلب...... آپ نے شادی کر لی کب۔" عبداللہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"پچھلے سوموار کو، زبردستی نکاح پڑھا دیا، بابو جی نے۔" اس نے بے چارگی سے کہا، اس

وقت فشینہ کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے آیا تھا، اس نے سرعت سے سر جھٹک دیا۔

"کیا بات ہے، کیا ڈرامائی سچوئیشن ہو گی، ویسے کہاں کیا؟ آپ نے زبردستی کا نکاح؟ میرا مطلب ہے اچانک اس طرح کس سے۔"

"اپنی اسی کزن سے۔"

"ہونہہ نام نہاد کزن۔"

"بہت خوشی کی بات ہے حمزہ بھائی، بہت بہت مبارک ہو، آپ ایک ہفتے سے یہ بات پیٹ میں چھپائے بیٹھے ہیں کہ کہیں مٹھائی نہ کھلانی پڑ جائے۔"

"ارے نہیں ایسی بات نہیں۔" اسے ہنسی آ گئی تھی، جانے کتنے عرصے بعد سنگلاخ پہاڑوں اور برف پوش چوٹیوں نے اس کی ہنسی کی آواز سنی تھی۔

☆☆☆

میں نے سبز سرورق پر لکھے نام "ستم گزیدہ" کو نہایت عقیدت سے چوم کر کتاب ٹیبل پر رکھ دی، میری آٹھ ماہ اور سات دن کی محنت کتابی صورت میں میرے سامنے تھی، یہ میری پہلی کتاب ہرگز نہیں تھی مگر میرے ذاتی ادارے سے شائع ہونے والی پہلی کتاب ضرور تھی اور تھی بھی ایسے موضوع پر جو میرا پسندیدہ ترین موضوع رہا تھا ہمیشہ سے ہی۔

"یازش تمہیں ایک گڈ نیوز دینی ہے۔" میں نے میسج ٹائپ کیا۔

"کیا آپ کی لاٹری نکل آئی۔" خلاف توقع وہ خوشگوار موڈ میں تھی۔

"یا آپ کے کھوئے ہوئے دس روپے مل گئے۔" اس کا دوسرا میسج بھی ساتھ ہی آ گیا۔

"نہیں یہ سب تو بہت عام سی خبریں ہیں، جو خوشخبری میں سنانا چاہ رہی ہوں وہ بہت اہم ہے۔"

"اچھا، تو پھر سنائیں۔"

"تم گیس کرو۔"

"نہیں بھئی، یہ کسوٹی کسوٹی نہیں ہونے کی۔"

"دماغ کو بھی تو استعمال میں لے آیا کرو یار۔"

"بہت دماغ تھا ہمارے پاس، سارا آپ پر خرچ کر دیا۔" اس نے اسمائیلی دی۔

"بس یہی سوچ کر خوش ہوتی رہتی ہمیشہ۔"

"اوہ ہو، چڑ کیوں رہے ہیں، گڈ نیوز تو سنا دیں۔"

"یعنی تم نے گیس نہیں کرنی۔"

"کر لی۔"

"کیا؟" میں بے تاب ہوا۔

"ستم گزیدہ، آپ کے ہاتھوں میں آ گئی ہے نا۔" سو فیصد درست اندازہ تھا اس کا میں بے حد خوش ہوا۔

"واہ......تم تو نجومی بن گئی ہو یار۔"

"نکالیں ہماری فیس۔"

"ہاہاہا۔" میں دل کھول کر ہنسا۔

"ویسے مبارک ہو بہت بہت، پہلی ذاتی کامیابی ہمیں بھی اس کتاب کا بہت انتظار رہا ہے، پہلی فرصت میں بھیج دیں۔"

"تمہیں ٹی سی ایس کروا کر ہی گھر آیا ہوں، صبح مل جائے گی۔"

"اوہ گڈ، یہ دوسری خوشخبری ہے۔"

"اب کوئی خوشخبری تم بھی سنا دو۔" میں نے شرارت سے کہا۔

"ہماری مثال نیوز چینل کی طرح ہے، جہاں بریکنگ نیوز تو بہت ساری ہیں، گڈ نیوز کوئی نہیں۔"

"درست سر تسلیم خم ہے۔"
"ایسی باتوں پر تو آپ اپوزیشن کی طرح فوراً اتفاق کرتے ہیں۔"
"خیر یہ بتاؤ کچھ نیا لکھا۔"
"جی...... بھیج بھی دیا، سنا دی گڈ نیوز۔"
"گڈ۔" میں نے اتنا لکھا تھا کہ میرے گرافکس ڈیزائنز کا فون آنے لگا، میں نے سیل کان سے لگایا اور صوفے پر نیم دراز ہو گیا، تالیف حیدر رسمی بات کرنے کا عادی تھا۔

☆☆☆

اس بار وہ پورے تین ماہ بعد گھر آیا تھا، وہ بھی بابو جی کا ناراضگی بھرا فون سن کر، وہ زرمینے کی بات طے کرنے جا رہے تھے اور وہ بوکھلا گیا تھا، اس نے تو عبداللہ کو شادی کے لئے قائل بھی کر لیا تھا، گو کہ عظام شاہ کا انتخاب کسی بھی طرح کم نہیں ہو سکتا تھا مگر عبداللہ کے لئے اس کے دل میں جو محبت پیدا ہو چکی تھی وہ اس سے قریبی تعلق قائم کرنا چاہتا تھا اور اس خواہش کا اظہار وہ عبداللہ کے سامنے بھی کر چکا تھا، اگر عبداللہ کہیں اور شادی کرنا چاہتا تو وہ ہرگز اسے امتحان میں نہ ڈالتا مگر وہ تو سرے سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا، اس کے دلائل دینے اور سمجھانے پر وہ رضا مند ہوا تھا اور اب بابو جی نے اسے اطلاع دی تھی کہ انہوں نے اپنے ایک دوست کے بیٹے کو پسند کر لیا ہے، بلکہ نہ صرف پسند کر لیا تھا زبانی کلامی نسبت بھی ٹھہرا دی تھی۔
دروازہ نخشینہ نے کھولا تھا اور اسے دیکھ کر خوشگوار حیرت میں گھر گئی۔
"کیا پتھرا گئی ہو؟" اس کا موڈ پہلے ہی آف تھا۔
"لگ تو یہی رہا ہے، آپ اس طرح یوں اچانک......" وہ پیچھے ہوئی۔
"اطلاع دے کر آتا تو تم نے شادیانے بجانے تھے۔" وہ اندر آتے ہی غسل خانے کی سمت بڑھا۔
"کوئی سوٹ نکال دو میرا۔"
"شاید بجا ہی لیتی، کم از کم چراغاں تو کر لیتی۔" وہ بے حد مسرور تھی، حمزہ شاہ غسل خانے میں گیا تو وہ زرمینے اور ماں جی کو اطلاع دینے بھاگی، زیادہ خوشی اس بات کی ہوئی تھی کہ اس نے پہلی بار خود سے کوئی کام کہا تھا اسے۔
"اب آ گیا ہے جب......" زینت بڑبڑائیں، وہ اس سے خفا تھیں کہ دوبارہ پلٹ کر نہیں آیا، عظام شاہ نے اپنی پسند سے زرمینے کا رشتہ طے کر دیا تھا جبکہ انہیں عبداللہ ڈار جی جان سے پسند آیا تھا گو کہ اسد بن صفوان بھی ہر لحاظ سے بہتر تھا مگر عبداللہ کی بات الگ تھی، یہ تو شکر تھا کہ انہوں نے زرمینے سے کوئی بات نہ کی تھی ورنہ اس کے جذبات کو بھی ٹھیس پہنچتی۔
"تم کیا کر رہی ہو؟" زرمینے اس کے پیچھے آئی۔
"کپڑے نکال رہی ہوں ان کے۔" وہ الماری کھول کر کھڑی ہو گئی۔
"اوئے ہوئے۔" زرمینے نے شرارت سے کہا تو وہ جھینپ گئی۔
"کیا اوئے ہوئے، کپڑے نکالنے میں کیا ہے۔"
"یقیناً بھائی نے تم سے کہا ہو گا، ورنہ تم اور خود سے ان کا کوئی کام کر دو ناممکن۔"
"ہاں تو خود سے کیوں کروں۔" وہ سرمئی رنگ کا سوٹ نکال کر استری اسٹینڈ کے پاس چلی آئی۔
"یہ کپڑے میں پریس کر دیتی ہوں تم چائے بنا لو۔" زرمینے نے کہا تو وہ نفی میں سر

ہلانے لگی۔
"نہیں بھئی، مجھ سے تمہاری طرح کی چائے نہیں بنتی، بلکہ تم مجھے سکھا ہی دو تو بہتر ہے، اب تو ویسے بھی تمہیں چلے ہی جانا ہے۔" اب وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔
"کہیں نہیں جا رہی ہوں میں۔" زرمینے شرما کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

"تمہیں مجھ سے بات تو کرنی چاہئے تھی۔" عظام شاہ تحمل سے اس کی بات سن کر بولے تھے۔
"میں کرنا چاہتا تھا بابو جی مگر آپ۔" اسے پھر سے وہی دن یاد آ گیا تھا جب وہ عبداللہ ڈار کے سلسلے میں ان سے بات کرنے کے لئے مناسب الفاظ ذہن میں ترتیب دے رہا تھا اور وہ اس سے سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اسے مژدہ سنا گئے تھے کہ کچھ دیر میں وہ نخشینہ سے اس کا نکاح کرنے والے ہیں اور وہ دم بخود رہ گیا تھا، عظام شاہ کو بھی وہی دن یاد آیا تھا اس لئے ان کے لب مسکرا دیئے۔
"میں جانتا تھا کہ تم اس روز مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتے تھے میں منتظر بھی تھا مگر جب میں نے نخشینہ بیٹی کی باتیں سنیں تو دل کو بہت دکھ پہنچا، وہ مجھے بالکل زرمینے کی طرح عزیز ہو گئی ہے، اس کا ماضی کیا تھا، میں بھول چکا ہوں، مگر اس کا حال میرے سامنے ہے، مجھے یہ لڑکی دل سے پسند ہے اور یقیناً تم بھی میری پسند کو سراہو گے، انشاء اللہ۔" انہیں یقین تھا۔
"آپ پھر اس کا قصہ لے کر بیٹھ گئے۔" وہ زچ ہو گیا۔
"اچھا اچھا معذرت چاہتا ہوں، لیکن بیٹا جوڑے تو آسمانوں پر طے ہوتے ہیں، یہ تو تم نے سنا ہی ہو گا۔" وہ اسے شریر نظروں سے دیکھ رہے تھے۔
"اور پھر تمہاری ماں بھی یہی چاہتی تھیں۔"
"یہ رشتہ آپ کی بھی پسند تھی بابو جی۔"
"یقیناً مگر تم یہ بھی تو دیکھو کہ نخشینہ کس طرح، ہمارے گھر آئی اور پھر فیملی کا حصہ بن گئی، یہ سب میری پلاننگ تو نہیں تھی نا۔" اب کے وہ لاجواب ہوا تھا۔
"بہر کیف، اسد کو میں میں پچھلے تین سالوں سے جانتا ہوں بہت ہی نیک نیت شخصیت ہے اور میرے عزیز دوست فصی اللہ کا بھتیجا بھی ہے، فصی اللہ نے خود ارادہ ظاہر کیا تا اور میرے پاس انکار کا کوئی جواز بھی نہیں تھا۔" وہ اپنے ٹھہرے ہوئے انداز میں اسے قائل کر رہے تھے اور وہ ہو بھی گیا۔
"چلیں جو ہوا یقیناً بہتر ہی ہوا۔"
"یقیناً مجھے اپنے رب پر کامل بھروسہ ہے، میں اور تمہاری ماں استخارہ بھی کر چکے ہیں، اس نے مجھے دبے دبے الفاظ میں کہا تھا کہ عبداللہ کو بھی ذہن میں رکھیں مگر یہ سب اتنا اچانک ہوا جلدی ہوا کہ میں خود بھی حیران رہ گئی، اب تو وہ لوگ تاریخ مانگ رہے ہیں بس سادگی سے نکاح کی تقریب ہو گی۔"
"جی بہتر۔" وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

☆☆☆

"ارے یہ آپ نے اپنی بک کا انتساب کس کے نام کیا ہے؟" میں آفس سے نکل ہی رہا تھا جب یازش کی کال آ گئی۔
"اسی کے نام، جس کے نام زندگی لکھ دی، بس اتنا ہی تو لکھا ہے۔" میں نے جذب سے کہا۔
"بہت سرپرائزنگ ہے ہمارے لئے،

ہمیں کچھ دیر پہلے ہی کتابیں ملی ہیں، پہلے صفحے پر نظر پڑتے ہی حیران رہ گئے اور فوراً آپ کو کال کی۔"

"حق ہاہ، زندگی میں بمشکل چھ سات بار تم نے اپنا بیلنس خرچ کیا ہوگا مجھ نا چیز پر، بہت بہت شکریہ محترمہ۔"

"جی نہیں، اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔" وہ ہنس دی۔

"ایسی ویسی باتیں تو بہت ساری ہیں ڈیئر، جن کا وقت قریب آچکا ہے۔" میرا لہجہ جذبات سے بوجھل ہوا تو وہ گھبرا گئی۔

"اوکے پھر بات ہوگی۔"

"ایک منٹ سنو تو شرما، شہر جانے میں تو شاید اٹھارھویں صدی کی ہیروئنز کی بھی مات دے رکھی ہے تم نے۔"

"جی سنائیں۔"

"اگلے ہفتے تک ابا کو بھیج رہا ہوں تمہارے گھر۔"

"وہ کیوں؟"

"تاکہ میری امانت جلد از جلد میرے حوالے کر دیں تمہارے گھر والے۔"

"ارے نہیں اتنی جلدی نہیں۔" وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔

"ابھی بھی جلدی ہے۔" میں نے فون کو یوں گھورا جیسے سامنے یازش اصرار ہو۔

"تو اور کیا؟ ابھی تو۔"

"ہاں کہو، ابھی ہماری عمر ہی کیا ہے؟" میں نے منہ بنا کر کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اوکے بھیج دیں۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا، اب میں ہنس پڑا تھا اور گنگناتے ہوئے سیڑھیاں اترنے لگا۔

غم ہے یا خوشی ہے تو میری زندگی ہے تو

☆☆☆

کوئی تبدیلی نہیں آئی، سب کچھ ویسا ہی ہے، اتنی دہائیاں گزر گئیں، ہمیں تحریک آزادی میں حصہ لیتے مگر کوئی امید نہیں نظر آتی مزاکرات، حق خود ارادیت، اقوام متحدہ، نرے ڈھکوسلے ہیں سب، کسی کو غلامی میں جکڑے لوگوں کی پرواہ نہیں، انسانیت مر چکی ہے۔" فخشینہ کو حذیفہ کے لبوں سے یہ سب تن کر قطعی حیرت نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ اکثر و بیشتر ایسی ہی باتیں کرتا تھا۔

"کون سا دن ہے ایس جب یہاں کی گلیوں سے کوئی جنازہ نہیں گزرتا ہم لوگ نفسیاتی طور پر تباہ حال ہو چکے ہیں، کوئی تو اٹھ کھڑا ہو ہماری تقدیر کا فیصلہ لے کر، کوئی تو آزادی کی نوید لے کر آئے، میرا دوست ہے نا قیصر، اس کا بھائی کل انڈین آرمی کی جیپ کے نیچے آ کر شہید ہو گیا، یہ خونی درندے، نشے میں دھت ڈرائیونگ کرتے انے کتنوں کو روند کر گزر جاتے ہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی ماچس کو یوں بھینچا جیسے وہ آرمی کی جیپ ہو۔

"میرے اختیار میں ہو تو پورے انڈیا کو پٹرول چھڑک کر آگ لگا دوں، غاصب قاتل ملک، عفریت بن کر ہماری جان کو چمٹا ہوا ہے، پتہ نہیں مالک نے ہر فیصلہ روز محشر ہی کرنا ہے یا ہم بھی کبھی آزادی کی فضا میں سانس لے سکیں گے۔"

"ضرور سانس لیں گے انشا اللہ۔" فخشینہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا اور حمزہ شاہ جو عجلت میں اندر آیا تھا اس کی بات پر حیرت زدہ ہو کر اسے دیکھنے لگا، وہ اتنی بدل چکی تھی، اسے جانے کیوں یقین نہیں آتا تھا۔

مگر وہ سرتاپا بدل چکی تھی، اسے حمزہ شاہ کی محبت نے مکمل بدل دیا تھا، وہ نندنی اگروال نہیں

رہی تھی، نخشینہ حمزہ بن چکی تھی، پہلی بار حمزہ شاہ نے اپنے دل میں اس کے لئے نرم گوشہ محسوس کیا تھا، پھر وہ فوراً ہی باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''عبداللہ ڈار جام شہادت نوش کر گئے ہیں۔'' وہ واپس پہنچا ہی تھا جب خبر ملی۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون۔'' اس کی آنکھوں کی سطح نم ہو گئی تھی۔

''کب کی بات ہے یہ؟''

''پرسوں رات شہید ہوئے وہ، مقام پر ایک کامیاب حملہ کیا وہ تنہا ہی سترہ فوجیوں کو جہنم واصل کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔'' حبیب الرحمٰن بتا رہے تھے۔

''وہ مجھ سے شادی کا وعدہ کر چکا تھا لیکن یہ میرے علم میں نہیں تھا کہ اس نے حوروں کے ساتھ شادی کے لئے آمادگی ظاہر کی تھی، ابھی تو کم عمر تھا وہ۔'' وہ ملول ہو رہا تھا۔

''بہت خوش قسمت تھا جو ہم سب سے پہلے مراد پا گیا۔''

''بے شک۔'' وہ خاموش ہو گیا، اسے مصلحت خداوندی پر ایک بار پھر حیرت ہوئی تھی کہ کس طرح زر مینے کا رشتہ اسد بن صفوان سے طے ہوا تھا، وہ عبداللہ کو آمادہ کر رہا تھا مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے جانے کے چند ہفتوں بعد ہی وہ خالق حقیقی سے جا ملے گا۔

وہ عبداللہ ڈار جس کی زندگی ایک آزمائش سے کم نہیں تھی اس کے لئے آج اپنے مقصد میں سرخ رو ہو کر فردوس بریں کا مہمان بن چکا تھا، اسے عبداللہ ڈار پہ بہت رشک آتا تھا، وہ تو خیر ماں کی کوکھ سے ہی کشمیر کی آزادی کے لئے جان کی بازی لگا دینے کا عزم لے کر آیا تھا، مگر عبداللہ ڈار جو بھارت نواز شخص کا لاڈلا بیٹا تھا، اس نے اپنی زندگی تج کر دی تھی، اصل قربانی تو اس نے دی تھی وطن کے لئے۔

اس رات وہ عبداللہ ڈار کے متعلق ہی سوچتا رہا تھا، پھر اگلے کچھ دنوں میں وہ عبد الصمد ڈار سے ملا تو وہ بے تابی سے پوچھ بیٹھے۔

''حمزہ میں نے مسلسل تین دن عبداللہ کو خواب میں دیکھا ہے، وہ بہت خوش نظر آ رہا ہوتا ہے مگر پھر رونے لگ جاتا ہے، میں نے رابعہ کو بھی دیکھا اس کے ساتھ اپنی بیٹی کو، کیا وہ خیریت سے ہے؟''

''عبداللہ رب کی جنتوں کا مہمان بن چکا ہے صمد صاحب، وہ دو ہفتے قبل ایک معرکے میں شہید ہو گیا ہے۔''

''الحمدللہ۔'' ان کے لبوں سے نکلا تھا مگر وہ فوراً زمین پر بیٹھ گئے تھے، کہ کھڑا ہونا دشوار لگ رہا تھا۔

''تو اس کا مطلب ہے عبداللہ نے اپنی منزل پالی، میرے بچے نے، وہ بچپن سے حیران کرتا رہا ہے مجھے، اتنا سعادتمند، لائق فائق اور قابل بھتیجا تھا میرا۔'' وہ خود کلامی کر رہے تھے، حمزہ شاہ نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دلاسہ دیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے، انہیں جانے کیا کیا یاد آ گیا تھا۔

☆☆☆

''جی ماں جی، حمزہ بات کر رہا ہوں، خیریت ہے آج خود فون کر رہی ہیں۔'' اس نے امیر کے ہاتھ سے ریسیور لیا۔

''ہاں ہاں پتر خیریت ہی ہے، خیر سے تو باپ بن گیا ہے ماشا اللہ سوہنے نے بیٹا دیا ہے تجھے، ماشا اللہ اتنا سوہنا ہے کہ نظر نہیں ٹھہرتی۔'' وہ بے حد خوش تھیں۔

''الحمدللہ۔'' وہ مسرت سے گھر گیا۔

''پتر جلدی سے گھر کا چکر لگا، ہم سے تو خوشی سنبھالے نہیں جا رہی زر مینے بھی آئی ہوئی ہے۔''

''جی ماں جی، میں کوشش کروں گا۔''

''اچھا میں فون رکھتی ہوں، بس یہی بتانا تھا تجھے۔''

''ماں جی۔'' اس نے بے ساختہ پکارا۔

''ہاں ہاں پتر بول، ماں صدقے۔''

''میرا عبداللہ آیا ہے ماں جی، اس کا نام عبداللہ رکھئے گا۔''

''کیوں نہیں، کیوں نہیں، جو تو چاہے، بس رب سوہنا خیر رکھے۔'' وہ جلدی میں تھیں، وہ ریسیور رکھ کر وہیں بیٹھ گیا۔

''مبارک ہو حمزہ۔'' حبیب الرحمٰن کو اس کی باتوں سے اندازہ ہوا تھا۔

''آپ کو بھی مبارک ہو، میری ماں کہتی تھیں کہ تمہارے بعد تمہاری کلاشنکوف کون تھامے گا اور آج اللہ نے اس کا انتظام بھی کر دیا ہے ایک اور بھیج دیا ہے۔''

''ماشا اللہ۔'' پھر وہ دونوں اٹھ کر باہر آ گئے، نئی صبح کا نیا سورج سرمئی پہاڑوں کی کوکھ سے طلوع ہو رہا تھا، ایک نئی امید حوصلے اور عزم کا پیغام لئے حمزہ شاہ محویت سے اس منظر کو دیکھنے لگا جو تاریکی اور ظلمت کو دبوچ رہا تھا۔

''ایک ایسا ہی سورج کشمیر کی آزادی کا پیغام لے کر طلوع ہو گا انشا اللہ۔'' حبیب الرحمٰن نے اس کا ارتکاز محسوس کر کے کہا۔

''انشا اللہ، اے میرے کشمیر، تجھے سلام۔'' حمزہ شاہ اب اپنے قدموں سے مٹھی بھر مٹی اٹھا کر اس کا بوسہ لے رہا تھا۔

☆☆☆

سچ کی سولی

سندس جبیں

موسم بدل گیا تھا، مگر دل کا موسم وہیں رک گیا تھا، نجانے کتنے دن بیتے، یا شاید مہینے بیت گئے تھے، وہ اپنے خول میں سمٹتے سمٹتے مکمل بند ہو چکی تھی، رنگ زندگی یوں بدلا تھا کہ اسے خود کو سنبھالنے میں زمانے لگنا تھے، احمد کے ساتھ اس کے تعلق میں ایک واضح دراڑ آ چکی تھی، وہ ایک چھت اور ایک کمرے میں رہنے کے باوجود صدیوں کے فاصلوں پر چلے گئے تھے، یہ دوری دن بدن بڑھتی جا رہی تھی، احمد اور نور العین کی بڑھتی چپقلش اور سرد مہری اماں جان کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکی تھی۔

زبیدہ خاتون کے دو ہی بیٹے تھے، یہ 1980ء کا زمانہ تھا اور پسند کی شادیوں اور خصوصاً پڑھی لکھی لڑکیوں کے لئے مڈل کلاس میں خاص ناپسندیدگی پائی جاتی تھی اور احمد سے نور العین کی شادی میں یہ دونوں قباحتیں تھیں، اماں جان کو نور

ناولٹ

العین شروع سے ہی پسند نہیں آئی تھی، ان کے بیٹے کو کتنے آرام سے ہتھیایا تھا اس نے اور احمد ان کا عزیز از جان بیٹا جوان سے کہتا تھا کہ وہ نور العین سے شادی اس لئے کر رہا ہے کیوں کہ وہ اس سے محبت تو کرتا ہی ہے مگر وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھے طریقے سے سمجھتے ہیں اور یہ نظریہ اس کا اماں جان کو سمجھ نہیں آتا تھا مگر انہوں نے کبھی احمد کی فرمائش نہیں ٹالی تھی، سو خاموشی سے نور العین کو بہو بنا کے لئے آئیں اور یہ پڑھی لکھی بہو، جس نے آتے ہی اپنے کمرے کے ساتھ اٹیچڈ باتھ روم نہ ہونے پر ایک تماشا کھڑا کر دیا تھا ہمیشہ کے لئے ان کی ناپسندیدگی کی حقدار ٹھہری۔

دوسرا اعتراض انہیں اس کے مزاج پر تھا، وہ کم گو تو تھی ہی مگر اس کے ساتھ ہی تنہائی پسند بھی تھی، وہ ایک خوشحال اور صاحب ثروت خاندان

سے تعلق رکھتی تھی اور ماڈرن لڑکی تھی۔

جو ٹیبل پر چمچ اور کانٹے کے ساتھ کھانا کھاتی تھی، ہاتھ دھونے کی بجائے نزاکت سے ٹشو سے پونچھتی تھی، جنک فوڈ اور آئسکریم پسند کرتی تھی، شکسپیئر کے ڈراموں اور Dockens کے ناولوں کی شیدائی تھی۔

حالانکہ اس زمانے میں اور ان کے طبقے میں بھی اس قسم کی ''ماڈرن لڑکی'' کی جگہ نہیں تھی اور یہ ماڈرن لڑکی اگر ان کی گھر ایڈ جسٹ کر گئی تھی تو اس میں سراسر کمال احمد اور اماں جان کا تھا، احمد اس کی ہر بات ماننے کا عادی تھا اور اماں جان کی عادت تھی کہ وہ ناپسندیدہ چیزوں کو نظر انداز کر دیا کرتی تھیں، اس طرح وہ نورالعین سے مکمل لاتعلق ہو گئیں تھیں، ایسا نہیں تھا کہ قطع تعلقی کر لیتیں مگر بس وہ اس کے کاموں میں مداخلت سے گریز ہی کرتیں تھیں، دوسری اہم وجہ یہ بھی تھی کہ ان کا بڑا بیٹا کافی سالوں سے اسلام آباد شفٹ تھا ورنہ یہ ماڈرن لڑکی شاید اس جوائنٹ فیملی سسٹم پر بھی اعتراض کرتی، بیٹی کی پیدائش سے پہلے ہی اس کے اور احمد کے کئی جھگڑے جاب کو لے کر ہوئے تھے اور بالآخر نورالعین نے اپنی بات منوالی تھی۔

بنیادی طور پر نور العین ایک Ambitious اور کیریئر وومن تھی، اس کا خیال تھا کہ مرد کا دست نگر رہنا عورت کی سراسر توہین ہے، حالانکہ احمد ایسا مرد نہیں تھا، وہ بالکل بھی میل شاونسٹ نہیں تھا، مگر نور العین کو کون سمجھاتا؟ وہ زندگی میں آگے بڑھنے اور کچھ کرنے پہ یقین رکھتی تھی، جبکہ احمد...... احمد وہی اپنی گھسی پٹی نوکری سے چمٹا ہوا تھا جس کے ساتھ وہ سمجھوتہ نہیں کر سکتی تھی۔

اماں جان کو اس کے جاب کرنے پہ اچھا خاصا اعتراض تھا، ان کی سوچ تنگ نہیں تھی مگر وہ اتنی آزاد خیال نہیں تھیں کہ بہو کو یوں نوکری کرنے کی اجازت دے دیتیں، ان کی کلاس کی عورتیں نوکریاں نہیں کرتی تھیں بلکہ گھر سنبھالتی تھیں۔

بہو نے نوکری کر لی، بچی کو ان کے حوالے کرتی اور خود تیار شیار ہو کر احمد کے ساتھ کار پہ بیٹھتی اور یہ جا وہ جا، ان کے عزیز رشتہ داروں اور آس پڑوس کے لوگوں نے اچھا خاصا اعتراض کیا تھا مگر انہوں نے یہ کہہ کر دامن بچالیا کہ یہ میاں بیوی کا آپس کا معاملہ ہے وہ مداخلت نہیں کر سکتیں۔

معاملہ یہاں تک بھی ان کی برداشت میں تھا مگر جب ایک دن ان کی پوتی نے انہیں بتایا کہ۔

''دادو! ابو، امی کے ساتھ کیوں نہیں رہتے؟'' ننھی چھ سال کی گڑیا جیسے یکدم بیس سال کی ہو گئی تھی۔

''ایسی بات نہیں میری بچی! وہ ساتھ ہی تو رہتے ہیں۔'' وہ انجانے خدشوں سے لرز کر بولیں تھیں۔

''نہیں دادو! ابو تو اسٹڈی میں سوتے ہیں۔'' وہ زور و شور سے بولی تھی۔

اس دن انہیں معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا تھا اور اس رات انہوں نے احمد کو پاس بٹھایا تھا اور بڑے تحمل سے صرف یہ سمجھایا تھا کہ۔

''جو لڑکی وہ اپنی پسند سے بیاہ کر لایا ہے اب اس کی فرمائشیں بھی پوری کرے، اپنے جھگڑے کا نقصان وہ نہیں جانتا مگر اسے اپنی بچی کا دھیان ضرور رکھنا چاہیے، اس کا معصوم ذہن ابھی ان سب باتوں کو نہیں سمجھتا۔''

اور احمد بڑا شرمندہ سا اٹھ کر اپنے کمرے کی

طرف بڑھ آیا تھا، اس کے اندر گہرا ملال اترتا جا رہا تھا، یہ اس کی بیوی تھی جس نے کبھی اسے منانے کی زحمت نہیں کی تھی، یہ نورالعین جو اس کی بڑی من چاہی تھی، اب اس سے یوں لاتعلق ہو گئی تھی جیسے کسی اجنبی کے گھر رہ رہی ہو۔

وہ کسی طور اپنی بات سے ہٹنے کو تیار نہ تھی، یہی نہیں اس نے احمد سے کسی قسم کی کوئی معذرت کرنے کی دوبارہ کوشش ہی نہیں کی تھی، اگر احمد کا رویہ لاتعلقی اور سرد مہری لئے ہوئے تھا تو نورالعین بھی کم نہیں تھی، وہ جیسے ہٹ دھرمی پہ اتر آئی تھی، مگر بے وقوف یہ نہیں جانتی تھی کہ ضد اور انا سے صرف گھر ٹوٹتے ہیں بنتے نہیں، کیونکہ۔

تعلقات کے درمیان
انائیں جب بھی بولتی ہیں
عمریں مٹی میں رولتی ہیں

☆☆☆

طالعہ نے فاروق احمد سے کچھ بھی ڈسکس نہیں کیا تھا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کا دل خاور کی طرف سے کھٹا ہو اور اب جبکہ تاحال خاور اس سے رابطے میں نہیں تھا، ان دونوں کی کوئی ڈسکشن نہیں ہوئی تھی کسی بھی حوالے سے تو اس نے بہتر ہی سمجھا کہ وہ خاور کو ہی موقع دے اور وہ سب کچھ خود ہی اپنے چاچو کو بتا دے۔

اسی شش و پنج میں اس کے پرپولیس کے فائنل سمیسٹرز سٹارٹ ہو گئے، وہ بری طرح مصروف ہو گئی، اس کے لاسٹ دو ایگزیمز رہ گئے تھے جب یونیورسٹی میں دو مخالف گروپ آپس میں متصادم ہو گئے، وہ بے حد پریشان تھی، اس کے دو پیپر داؤ پہ لگ گئے تھے کیونکہ عموماً اس قسم کے حالات میں یونیورسٹی کی انتظامیہ امتحانات ملتوی کر دیا کرتی تھی اور چند دن کی چھٹی دے یونیورسٹی بند کر دی جاتی تھی، اس کا دل خوف و ہراس سے لرزتا رہتا تھا کہ خدا معلوم اس بار بھی ایسا ہی نہ ہو جائے۔

ایک اداس شام وہ کتابوں میں گھری لان میں بیٹھی تھی جب اسے خاور کی گاڑی کا مخصوص ہارن سنائی دیا، وہ بری طرح چونکی، وہ کافی سارے دنوں کے بعد آیا تھا، اس نے نظریں گاڑی پہ جما دیں، موو شرٹ اور سیاہ پینٹ میں وہ بہت جچ رہا تھا، خاور نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور اب وہ اسی کی طرف آ رہا تھا۔

''کیسی ہو طالعہ؟'' وہ اس کے نزدیک آ کر اپنے مخصوص خوبصورت اور خوش گلو انداز میں اس سے مخاطب تھا، لبوں پہ وہی دھیمی سی فتح کرنے والی مسکراہٹ تھی۔

طالعہ نے دل ہی دل میں اس مسکراہٹ کی اثر پذیری تسلیم کی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ مسکرانا نہیں چاہتی تھی مگر مسکرا رہی تھی اسے خود پہ حیرت ہو رہی تھی، اب وہ اس کے مقابل چیئر کھینچ کر بیٹھ چکا تھا۔

''ایگزامز کیسے ہو رہے ہیں؟''

''اچھے ہو رہے ہیں، مگر مجھے لگ رہا ہے کہ لاسٹ ٹو، جو رہ گئے ہیں وہ رہ ہی نہ جائیں۔'' وہ اپنی پریشانی شیئر کر رہی تھی۔

''وہ کیوں؟'' وہ حیران ہوا۔

''ہنگامے ہو رہے ہیں یونیورسٹی میں۔'' اسے جیسے خاور کی لاعلمی پہ حیرت ہوئی تھی۔

''ارے...... وہ سر اونچا کر کے ہنس دیا۔'' یہ معمول ہیں وہاں کا۔''

''مگر خاور! آخر تم کچھ کرتے کیوں نہیں ہو، اس سے پہلے تو معاملات کبھی اتنے خراب نہیں ہوئے۔'' وہ کچھ جھلا کر کہہ رہی تھی۔

''میں؟'' وہ حیران ہوا۔

''میں کیا کر سکتا ہوں طالعہ؟''

''خاور! اس سے پہلے بھی تو تم نے سب کچھ کنٹرول کر لیتے تھے، تمہارے پاس اختیارات ہیں، آخر کیوں تم کچھ نہیں کر سکتے؟'' طالعہ اس سے الجھ پڑی۔

''نہیں طالعہ! پہلے کی بات اور تھی اور پہلے معاملات بھی اتنے خراب نہیں تھے۔'' دفعتاً وہ سنجیدگی سے بولا۔

''تمہارا مطلب ہے تم کچھ نہیں کر سکتے۔'' وہ بھنویں اچکا کر بولی تھی۔

''ہاں میں کچھ نہیں کر سکتا۔'' وہ حتمی انداز میں بولا۔

''خاور! میں تم سے یہ Expect نہیں کر رہی تھی۔'' وہ افسوس سے بولی تھی خاور چونکا۔

''کیا مطلب؟''

''مشتعل ہجوم کو کنٹرول کرنا تو تمہارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے خاور! تم اگر کچھ کرنا نہیں چاہتے تو الگ بات ہے ورنہ تم کر سکتے ہو خاور! بس تم کرنا نہیں چاہتے۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولی تھی، خاور کے ماتھے پہ ایک شکن آ گئی۔

''شاید ایسا ہی ہو، مگر میں اس سب سے تنگ آ چکا ہوں، یہ لوگ کبھی نہیں بدل سکتے، اب تک تین طالب علموں کی اموات سامنے آئیں ہیں اور بیس پچیس زخمی ہوئے ہیں، تو میں ان سب کا کیا کروں؟ تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ ان لوگوں میں کس قدر غصہ اور تعصب بھرا ہے یہ لوگ قطعاً ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے روادار نہیں۔'' وہ تلخی سے بولا تھا۔

طالعہ کو اس کے لہجے نے حیران کر دیا تھا، یہ تلخی قطعی طور پر خاور کے رویے کا حصہ نہ تھی۔

''تعصب غصہ......؟'' وہ حیرت سے بڑبڑائی۔

''تم جانتے ہو یہ ان نو جوانوں کے اندر ہوتا تو ہے مگر اسے مختلف عناصر اپنے اپنے حق کے لئے استعمال کرتے ہیں۔''

''سو واٹ؟ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا طالعہ! میں سوچتا ہوں آخر یہ لوگ کب کسی مسیحا کسی نجات دہندہ کا انتظار کرنا چھوڑیں گے، آخر یہ لوگ کب خود کچھ کر سکیں گے، کیا انہیں سمجھ نہیں آئی کہ انہیں استعمال کیا جاتا ہے۔'' وہ اسی طرح بول رہا تھا۔

طالعہ اب خاموشی سے پلکیں جھپکائے بنا اسے دیکھ رہی تھی، اسے ایک بار پھر معیز سے ملنا تھا، اس سے پوچھنا تھا کہ ان ہنگاموں میں خاور کا کیا کردار تھا؟ وہ کیا چاہتا تھا؟ وہ کیا کر رہا تھا؟ اور جو ہو رہا تھا وہ اسے کیوں نہیں روک رہا تھا؟

☆☆☆

میں نے اس کے بدلے ہوئے لہجے کی
وضاحت پوچھی
کچھ دیر خاموش رہا
پھر مسکرا کر بولا
پاگل
جب لہجے بدل جائیں
تو وضاحتیں کیسی؟؟

احمد اور نور العین کے باہمی تعلقات میں سوائے اس کے کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی کہ اس نے پھر سے بیڈ روم میں سونا شروع کر دیا تھا، اماں کی بات سو فی صد درست تھی، ان کے درمیان کچھ بھی ہوتا اس کا علم اور اثر کم از کم ان کی بیٹی پر نہیں ہونا چاہیے تھا۔

انہی بیزار کن دنوں میں احمد نے نور العین میں عجیب سی تبدیلیاں نوٹ کرنا شروع کیں، وہ مرد تھا اور اسے نور العین کے ساتھ رہتے بارہ سال گزر چکے تھے، کالج جاتے وقت تیار تو وہ پہلے بھی بہت اچھے طریقے سے ہوتی تھی مگر آج کل تو وہ خوب بن سنور کر جانے لگی تھی، اپنا دھیان بھی پہلے سے زیادہ رکھنے لگی تھی، پہلے اسے تھکن کے باعث روم میں آتے ہی سونے کی پڑ جاتی تھی مگر آج کل تو پابندی سے کلینزنگ کی جانے لگی تھی، اپنی پچھلی تنخواہوں میں سے وہ احمد کے لئے بھی شاپنگ کیا کرتی تھی اور گھر کی کچھ چیزیں وغیرہ لے آیا کرتی تھی مگر اس بار اس نے اپنی ساری تنخواہ اپنی ڈریسنگ پہ خرچ کر دی تھی، ایک سے بڑھ کر ایک اور شاندار قیمتی جوڑا خریدا تھا اور اس شاپنگ کے لئے اس نے احمد کو قطعی زحمت نہیں دی تھی، بلکہ کسی کولیگ کے ساتھ جا کر وہ یہ سب خرید کے لائی تھی، ہیر کٹ بھی چینج کیا گیا تھا، وہ احمد سے بہت بے نیاز ہو گئی تھی۔

احمد کے لئے یہ سب کچھ بہت انوکھا اور ناقابل قبول تھا، وہ اس لئے کیونکہ اس کے کہیں بہت اندر یہ گھنٹی بجنے لگی تھی کہ یہ تبدیلیاں کسی مرد کی مرہون منت تھیں، مگر وہ اسے قبول کرنے سے ہچکچا رہا تھا، متعامل تھا، جانتا تھا یہ اس کی اپنی تذلیل تھی توہین تھی کہ وہ یہ مان لے کہ اس کی بیوی کسی اور میں انٹرسٹیڈ ہے یا انوالو ہے یا ہو رہی ہے، وہ کیسے مان لیتا؟ یہ اس کی مردانگی پہ سوالیہ نشان تھا۔

نور العین کے بدلے ہوئے رنگ ڈھنگ اسے چونکا رہے تھے، ہراساں کر رہے تھے اور وہ صرف اسے نظر انداز کر رہا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بدترین خدشات سچ ثابت ہوں مگر کب تک؟

ایک دھند بھری صبح اسے اطلاع ملی کہ اس کی بیٹی اس کی ننھی گڑیا اسکول میں سیڑھیوں سے پھسل گئی تھی، وہ اندھا دھند گاڑی لے کے بھاگا تھا اسکول کی طرف اور یہ دیکھ کر اس کے طوطے اڑ گئے تھے کہ گڑیا کا چہرہ بری طرح خون آلودہ تھا، اس کے ناک سے خون بہہ رہا تھا، ہونٹ پھٹ گیا تھا اور ماتھے پہ گہرے نیل واضح تھے، اسکول میں اسے فرسٹ ایڈ دی گئی تھی مگر وہ یقینی طور پہ اتنی کارگر نہیں ثابت ہوئی تھی، وہ اسے لے کر اسپتال بھاگا تھا، جہاں اسے ایڈمٹ کر لیا گیا اسے ڈرپس لگائی گئی تھیں اور صحیح طریقے سے بینڈیج کی گئی تھی، جیسے ہی اسے ہوش آیا وہ ماں کو پکارنے لگی، احمد کو جیسے پہلی بار نور العین یاد آئی تھی، وہ اماں کو اس کے پاس چھوڑ کر نور العین کو لینے اس کے کالج گیا تھا۔

چوکیدار نے اسے خاصی طنزیہ اور استہزائیہ نظروں سے گھورا تھا، احمد کو عجیب سا احساس ہوا جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکا۔

''نور العین احمد کو بلائیں۔'' احمد نے اس کی نگاہیں نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''خو تم اس کا کیا لگتا ہے؟'' وہ اپنے مخصوص پٹھانی لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''وہ میری بیوی ہے۔'' احمد کو غصہ آ گیا، یہ چوکیدار کئی بار اسے نور العین کے ساتھ دیکھ چکا تھا پھر بھی یہ تفتیش چہ معنی دارد؟

''وہ...... وہ تمہارا، بی بی...... اے...... جاؤ صاب...... کیوں جھوٹ بولتا اے؟'' وہ ہکا بکا سا کہہ رہا تھا، شدید پریشانی کے باوجود احمد کو ہنسی آ گئی۔

''دیکھو خان! فضول باتیں بعد میں کر لینا، پہلے اسے بلاؤ گھر میں کچھ ایمرجنسی ہے اور مجھے اسے ساتھ لے کر جانا ہے۔'' احمد نے تحمل سے اسے سمجھایا۔

''وہ تو ٹھیک ہے پر ابھی ام اس کو نہیں بلا سکتا۔'' وہ بے چارگی سے بولا۔

''لیکن کیوں؟'' احمد حیران ہوا۔

''وہ ادھر ہوئے گا تو بلائے گا نا۔'' وہ ہنسا

تھا۔

''کیا مطلب؟ کہاں ہے وہ؟'' احمد کے سر پر بم سا پھٹا تھا۔

''خو تم کیسا مردا ہے احمد صاب! تم کو اپنی بی بی کا کچھ ہوش نہیں اے، وہ جو ایدر (ادھر) کا پرنسپل اے نا اس کے ساتھ تمارا بی بی کا وہ چل رہا ہے، وہ جس کو ''معاشقہ'' بولتا اے۔'' چوکیدار کے چہرے پہ بتاتے ہوئے تاسف تھا احمد کا سارا خون دماغ کو چڑھ گیا۔

''کیا بکواس ہے یہ۔'' وہ پھنکارا تھا۔

''ام صحیح کہتا صاب، اب بھی وہ ایدر نہیں اے، موٹر میں کہیں گئی اے اس کے ساتھ۔'' اس کا اشارہ غالباً نہیں یقیناً پرنسپل کی طرف تھا۔

''کون ہے وہ؟'' احمد نے لہو رنگ آنکھوں کے ساتھ اس سے دریافت کیا تھا۔

''وہ ٹھیک ہے، امارا مطلب کہ اچھا آدمی ہے اے، عمر بھی کوئی چالیس پینتالیس سال ہوگا، بہت امیر اے۔'' چوکیدار اپنی ہانکنے لگ گیا۔

''اور کب سے چل رہا ہے یہ سب؟'' اس کی رگیں تن رہی تھیں۔

''بوت دیر سے، کم سے کم بھی کوئی پانچ سے چھ مہینہ تو ہو گیا ہوئے گا۔'' اس نے انگلیاں کھڑی کر کے بتایا تھا۔

احمد ساکت سا چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر تیزی سے گاڑی بیک کی اور زن سے بھگا لے گیا، کالج سے گھر تک کا راستہ جانے کیسے طے ہوا تھا، وہ بس اتنا جانتا تھا کہ اس کا سر چکرا رہا ہے اور آنکھوں کے سامنے سرخ چادر سی تنی ہوئی تھی۔

''احمد! تم اتنے Unaxmbitious کیوں ہو؟'' وہ ہمیشہ جھنجھلایا کرتی تھی۔

''انسان کو زندگی میں کچھ Achieve کرنا چاہیے۔'' وہ بڑے طنز سے کہا کرتی۔

''تم بہت Startling ہو۔'' اس کا اعتراف۔

''کوئی Mutal compatibility نہیں ہمارے درمیان۔'' احمد کو اپنا جھنجھلانا آج بھی یاد تھا۔

بارہ سال ساتھ رہنے کے باوجود بھی وہ اس عورت کو نہیں جان سکا تھا، وہ جو اس کی محبت کا دم بھرتی تھی، اس کی بیٹی کی ماں تھی، کیا کوئی اتنا گر سکتا ہے؟ کیسے؟ اسے اپنا آج دیا جانے والا لیکچر یاد آیا۔

Is it possible?
That so cruel intend
So hasty heat and so soon spent,
From love to hate and thence for to relent?
Is it possople?
That any may find,
Within one heart so diverse mind
To change or turn as weather and wind,
Is it possible?

اس کے اندر سرد برف جم رہی تھی۔

اسے Earl of surry کی یہ پوئم بہت پسند تھی، یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ اس کی زندگی کا عنوان بن جائے گی، دوپہر کے بعد وہ لوگ اسپتال سے گھر آ گئے تھے، نور العین بھی آ چکی تھی، وہ گڑیا کی بینڈیج دیکھ کر پہلے تو ہکا بکا رہ گئی پھر احمد سے الجھ پڑی۔

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟''

''میں نے ضروری نہیں سمجھا۔'' اس کے

انداز نے نور العین کو جامد سا کر دیا۔

''شٹ اپ احمد! تمہارا دماغ درست ہے نا؟'' وہ چلا اٹھی تھی۔

''جسٹ شٹ اپ۔'' وہ بھی دھاڑا تھا۔

''تم مجھے کالج انفارم کر سکتے تھے۔'' وہ پھر سے بولی۔

''امی! ابو آپ کو کالج سے لینے گئے تھے۔'' اسی دوران ننھی گڑیا بولی تھی، نور العین نے جھٹکے سے پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر احمد کو جو بڑے سکون سے اب بیڈ پہ بیٹھا جوتے اتار رہا تھا۔

''احمد! تم مجھے لینے گئے تھے؟'' وہ سرسراتی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

احمد نے سر نہیں اٹھایا، صرف آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہاں۔'' اس نے جوتے اتار کر پرے پھینک دئے اور اٹھ کر اسٹڈی کی طرف بڑھ گیا، نور العین بھی اس کے ساتھ ہی گئی تھی، اب وہ جگ میں سے پانی بھر رہا تھا، گلاس تھام کر وہ کرسی پہ بیٹھ گیا، گھونٹ گھونٹ پیتے وہ خاموشی سے سامنے موجود کتابوں کے ریک میں کچھ کھوج رہا تھا۔

''ہاں میں گیا تھا تمہیں لینے مگر تم وہاں نہیں تھیں، تم کہاں تھیں نور العین؟'' وہ اس سے جواب طلب کر رہا تھا۔

''میں...... میں......'' اسے جواب نہیں سوجھا تھا، اس نے ماتھے پہ آئے بال کان کے پیچھے اڑسے، یہ نئی ہیر کٹ اسے کافی تنگ کر رہی تھی۔

''تم کہیں گئیں ہوئی تھیں، ہوں؟'' اس نے تصدیق چاہی۔

''ہاں...... وہ......'' نور العین کا چہرہ فق ہو گیا۔

''ڈرو مت نور العین! مجھ سے مت ڈرو، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔'' اس کا لہجہ غیر معمولی نرم تھا۔

''میں اسے پسند کرتی ہوں احمد! وہ بہت اچھا انسان ہے۔'' وہ دل کڑا کے بولی تھی، احمد اسی طرح بے تاثر انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

''تو پھر اب کیا ارادہ ہے؟'' وہ اب کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔

''کیا مطلب؟'' اس نے زبان خشک ہونٹوں پہ پھیری۔

''انسان میں اتنی ہمت ہونی چاہیے نور العین! کہ جب وہ کوئی قدم اٹھائے تو پھر لڑکھڑائے نہیں اس پہ مضبوطی سے جما رہ سکے، کیا اس ''اچھے'' انسان کو اپنی زندگی میں شامل کرنا ہے یا صرف ڈیٹس تک ہی محدود رکھنا ہے۔'' اس کے انداز میں کیا تھا؟ نور العین کو پتا نہیں چل سکا۔

''احمد! میں...... وہ......'' وہ پھر سے ہکلا گئی، احمد اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''میں تم سے باز پرس کرنے کا حق کھو چکا ہوں نور العین! سارے سوالات غیر حل شدہ رہنے دو۔'' وہ ہنسا مگر اتنی زہر خند ہنسی، نور العین کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''نہیں احمد! تم......'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، احمد نے تیزی سے بات قطع کر دی۔

''میرا نام ''فاروق احمد'' ہے نور العین مصطفیٰ۔'' وہ اس سے اپنے نام کا فخر چھین چکا تھا۔

''بد کردار عورت کی جگہ مرد کے دل میں ہوتی ہے نہ گھر میں، میں نہیں چاہتا میری گڑیا پر تمہارا سایہ بھی پڑے، میں تمہارے لئے بہت برے الفاظ استعمال کر سکتا ہوں، تمہیں گالی بھی

دے سکتا ہوں مگر کیسے دوں؟ ابھی تم میری بیوی ہو، میں نہیں چاہتا جس عورت سے میں نے محبت کی تھی اسے میں ذلیل کروں اس کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کروں جن پر مجھے تاعمر ندامت ہو، اس لئے آؤ نور العین ایک دوسرے کو خوشی خوشی خدا حافظ دے دیں۔" وہ بڑے مضبوط اور مستحکم لہجے میں کہہ کر واپس مڑ گیا تھا، نور العین کے ذہن میں صرف دو لفظ اٹک کر رہ گئے۔

"محبت کی تھی۔" وہ بے ساختہ آگے بڑھی اور اس کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

"نہیں ...... احمد نہیں، خدا کے لئے میں صرف تم سے پیار کرتی تھی، صرف تم سے محبت کرتی ہوں احمد! مجھے کہیں نہیں جانا، مجھے تمہیں چھوڑ کے کہیں نہیں جانا...... تم مجھے مارو...... مجھے گالیاں دے، مگر مجھے تم سے الگ نہیں ہونا۔" وہ رو رہی تھی۔

احمد کا شانہ بھیگ چکا تھا، مگر وہ خاموشی سے سر جھکائے رائٹنگ پیڈ پہ کچھ لکھ رہا تھا، فارغ ہو کر اس نے سر اٹھایا اور آہستگی سے نور العین کو خود سے الگ کر دیا۔

"بس کرو نور العین! یہ ڈرامہ اگر شادی کے آٹھ سال بعد ایک بیوی اپنے شوہر سے یہ کہے کہ وہ کسی اور کو پسند کرنے لگی ہے تو اس کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہو گا، مجھے تم سے کوئی شکائیت نہیں، اب تو سب کچھ ختم ہو چکا اور سنو، میری بیٹی صرف میری ہے، اس پر تمہارا کوئی حق نہیں۔" اس کا لہجہ سرد اور بے مہر تھا، اس نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ نور العین کو تھما دیا۔

"طالعہ صرف میری بیٹی ہے، مجھے امید ہے تم اس کے حق کے لئے کورٹ میں نہیں جاؤ گی، تم یہاں سے کچھ لے جانا چاہو تو ضرور لے جاؤ، کورٹ کے پیپرز چند دنوں تک تمہیں مل جائیں گے۔" وہ مستحکم قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

وہ زرد چہرے اور لرزتی ٹانگوں سمیت فرش پہ بیٹھ گئی، اس نے ساکت اور دھندلی نگاہ ہاتھ میں پکڑے کاغذ پہ دوڑائی، اس کا رک رک کر چلتا دل تھم سا گیا تھا، اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

"میں فاروق احمد بقائمی ہوش و حواس، نور العین مصطفیٰ کو طلاق دیتا ہوں۔"

"فاروق احمد۔"

☆☆☆

"آج خاور آیا تھا ابو!" رات کے کھانے پہ طالعہ نے انہیں اطلاع دی تھی۔

"اوہ اچھا تو پھر؟" وہ بدستور کھانے میں مشغول پوچھنے لگے۔

"میں بہت ڈبل مائنڈڈ ہو رہی ہوں ابو مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا میں کس پہ اعتبار کروں، سچ کہوں، کبھی کبھی تو لگتا ہے کہ خاور کی بڑی دوغلی شخصیت ہے، وہ جو دکھائی دیتا ہے اصل میں اس کے بالکل برعکس ہے۔" وہ بڑی الجھی ہوئی سی کہہ رہی تھی۔

فاروق احمد نے چونک کر اسے دیکھا اور چمچ پلیٹ میں رکھ دیا، اس کا یہ مطلب تھا کہ اب وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے، تشویش ان کے چہرے سے ظاہر تھی۔

"طالعہ! کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ؟ مجھے سمجھ نہیں آ رہی؟" وہ پریشان ہو اٹھے تھے اور یہ ان کے چہرے سے عیاں تھا۔

"ابو! خاور میں بہت زیادہ الجھاؤ ہے، مجھے اس کی سمجھ نہیں آتی، کیا توقع کرتے ہیں آپ ایسے انسان سے جس کی نزدیک سچ اور جھوٹ کا کوئی پیمانہ نہ ہو؟" وہ ان کی رائے جاننا چاہ رہی تھی۔

"اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ہمیشہ مجھ سے جھوٹ بولتا ہے۔" اس کے انداز میں گہرا افسوس در آیا تھا۔

فاروق خاموشی سے اسے دیکھتے رہے، وہ غالباً اس کا موقف پورے طور پر جاننا چاہ رہے تھے۔

"ایک ایسا Reformer ہے وہ جس کے نزدیک مورلیٹی اور مورل ویلیوز ہمیشہ ہٹ لسٹ ہوتی ہیں مگر اس نے مجھے ڈس ہارٹ کیا ہے کہ میں بتا نہیں سکتی۔" اس کے انداز میں تلخی آ رہی تھی، فاروق کے چہرے پہ تفکر کے سائے گہرے ہوتے گئے۔

"ایک ایسا انسان جو کہتا کچھ ہے اور کرتا اس کے بالکل برعکس ہے؟ وہ یونین لیڈر ہے اور اس حوالے سے اس کی ذمہ داریاں کیا مجھے یاد دلانی ہیں اسے؟ کیا یہ اس کی ذمہ داری نہیں کہ وہ یونیورسٹی میں امن و امان کی صورت حال برقرار رکھے؟"

"بالکل ہے بیٹا! لیکن ہوا کیا ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں آپ بتدریج اس کے مخالف سمت میں جا رہی ہیں، آپ یہ سب باتیں اس سے کیوں نہیں ڈسکس کرتیں؟ شاید وہ آپ کو بہتر طور پر ڈیفائن کر سکتا۔" انہوں نے نرمی اور تحمل سے سمجھایا۔

"جی ابو! آپ ٹھیک کہتے ہیں، عنقریب میں اس سے ہی بات کروں گی۔" وہ کہہ کے اٹھ گئی۔

فاروق اسی طرح بیٹھے اسے دیکھتے رہے، وہ ان کی اکلوتی اور بے حد لاڈلی بیٹی تھی، مگر فی الوقت وہ اس کی زندگی میں کسی طوفان کی آمد دیکھ رہے تھے، انہوں نے نفرت سے سر جھٹکا۔

"اب کوئی طوفان میری بیٹی کی زندگی کا رخ نہیں کر سکتا، شاہ خاور! اگر تم نے کچھ غلط کرنے کی کوشش کی نا، تو یاد رکھنا......؟" وہ بڑبڑا رہے تھے۔

☆☆☆

طالعہ ہاسپٹلائز تھی، وہ پھر سے پھسل کر گری تھی، اگر احمد پریشان تھا تو اماں جان اس سے زیادہ پریشان تھی، وہ کتنی بار نور العین کا پوچھ چکی تھیں مگر احمد کے لبوں پہ وہی ایک چپ۔

"فاروق! بیٹا بتاؤ تو سہی آخر بات کیا ہے؟ بچی ٹھیک نہیں ہے اس کی ماں کدھر ہے؟" وہ جھلا ہی تو گئیں تھیں۔

"اماں جان! میری بات سنیے میں نے اسے چھوڑ دیا ہے، کیوں؟ یہ سوال کبھی مت پوچھیئے گا، طالعہ صرف میری بیٹی ہے، سنا آپ نے، اس لئے دوبارہ میرے سامنے نور العین کا ذکر مت کیجئے گا۔" وہ ان کے ہاتھ تھامے کہہ رہے تھے، وہ ہکا بکا سا اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"فاروق احمد! ہوش میں تو ہو، کیا کہہ رہے ہو؟"

"اب اس بات کو رہنے دیجئے اماں جان، میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔" وہ بے اعتنائی سے کہہ کر اٹھ کر چلا گیا، اماں جان بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئیں تھیں، فاروق احمد میں یہ انتہا پسندی کب آئی؟ وہ نہیں جانتی تھیں، وہ تو بڑا نرم مزاج تھا اور نور العین؟ نور العین تو اس کی بڑی چہیتی اور لاڈلی بیوی تھی، آخر ایسا کیا ہو گیا تھا دو ہی دنوں میں؟ جس نے اسے اتنی انتہا پہ اترنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

طالعہ ٹھیک بھی ہو گئی اور گھر بھی آ گئی مگر اس کے لبوں سے انہوں نے دوبارہ کبھی ماں کا نام نہ سنا، اللہ جانے احمد نے اسے کیا سمجھایا تھا، وہ دادو سے بھی کم ہی گھلتی ملتی تھی، دن بدن فاروق سے

ہی اٹیچ ہوتی گئی، انہیں یاد تھا، جب وہ 8th سٹینڈرڈ میں تھی تب وہ بے حد بیمار پڑ گئیں، ساری روٹین کا ستیاناس ہو گیا تھا، فاروق کو گھر کا کھانا کھانے کی عادت تھی، ہوٹل سے کھانا آنے لگا تو جلد ہی انہیں خرابی طبع کی شکایت ہو گئی، طالعہ ازحد پریشان ہو گئی، باپ کو بیمار دیکھنا کوئی ایسا خوشگوار تجربہ نہ تھا، وہ دادو کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''آپ مجھے بتائیں دادو؟ کھانا کیسے بنتا ہے؟ میں سب کروں گی۔''

وہ حیرانی سے اپنے سامنے کھڑی چودہ سالہ طالعہ کو دیکھتی رہ گئیں، وہ اتنا اصرار کر رہی تھی کہ وہ رہ نہ سکیں، وہ اس کے پاس ہی کچن میں بیٹھ گئیں، وہ ان کی ہدایات پہ عمل کرتی گئی، شام تک اچھا خاصا کھانا تیار ہو چکا تھا، فاروق احمد آئے تو اماں جان نے انہیں سب کچھ بتا دیا، وہ حیرت آمیز خوشی سے کھانے کی میز تک چلے آئے، کھانا محنت کے ساتھ بنا تھا جبھی ذائقہ دار تھا، وہ بے انتہا خوش ہوئے تھے۔

''طالعہ! بیٹا مجھے آپ پہ فخر ہے۔'' انہوں نے اسے ساتھ لگا کر اس کا ماتھا چوما تھا۔

''تھینکس ابو!'' اس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا تھا اور یہ صرف آغاز تھا، رفتہ رفتہ اس نے کتنی ساری ذمہ داریاں اپنے ناتواں کاندھوں پہ لے لیں۔

انہیں صبح یونیورسٹی جانا ہوتا تو انہیں کپڑے بہترین حالت میں تیار شدہ ملتے، جوتے پالش چمکدار، بمعہ ٹائی اور رومال، وہ گھر آتے تو کھانا تیار ہوتا، شام کی چائے وہ خاموشی سے ان کے کمرے میں دے جاتی، رات کو وہ اگر فارغ ہوتے تو میز تک آ جاتے ورنہ وہ انہیں کھانا بھی کمرے میں ہی پہنچا دیتی، وہ اگلے دن کا لیکچر تیار کر رہے ہوتے تو وہ جو بڑے شوق سے انہیں اپنی پورے دن کی روداد سنانے آتی، دو چار باتیں کرتیں اور ٹیسٹ کا بہانہ بنا کے دوڑ جاتی، وہ اس کے باپ تھے اس کی معصوم ادا پہ فدا ہو جاتے، وقت گزر رہا تھا۔

اس نے میٹرک کیا تو رزلٹ آنے سے پہلے ہی وہ اس کے لئے ڈھیر سارے کالجز کے پراسپیکٹس وغیرہ لے آئے، اسی دوران اماں جان کی وفات نے انہیں اچھا خاصا ڈسٹرب کر دیا، یہ طالعہ ہی تھی جس نے انہیں ہمت اور دلاسہ دیا تھا، ان کی دلجوئی کی تھی، انہیں آج بھی یاد تھا جب وہ انہیں تسلی دلاسہ دیتے رو پڑی۔

''ابو جان! آج آپ اور میں ایک ہی صف میں آ گئے، میں نے سات سال کی عمر میں اپنی ماں کی موت پہ رو لیا تھا، آپ تو اتنے بڑے ہیں، آپ تو حوصلہ کریں۔'' وہ گنگ سے رہ گئے تھے۔

''نور العین مری نہیں تھی طالعہ! تم سے کس نے کہا بیٹا کہ وہ؟'' وہ بات پوری نہ کر سکے، وہ روتے روتے ہنس دی، بڑی تلخ ہنسی تھی ان کی۔

''وہ مر چکی ہیں ابو جان! ہم دونوں کے لئے، یہاں ان کی ایک بھی یاد نہیں۔'' اس نے اپنے دل کی طرف اشارہ کیا۔

''یہاں صرف نفرت ہے، بے پایاں نفرت۔'' اس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔

''طالعہ! یہ کیا کہہ رہی ہو؟'' وہ ششدر سے تھے۔

''کچھ نہیں ابو جان! آپ کچھ دیر ریسٹ کر لیں میں آپ کو چائے دے جاتی ہوں۔'' وہ فوراً اٹھ گئی غالباً جواب نہیں دینا چاہتی تھی، حالانکہ وہ انہیں بتانا چاہتی تھی کہ جس رات انہوں نے نور العین کو طلاق دی تھی اس رات وہ دوبارہ پھسلی نہیں تھی بلکہ اس نے دروازے سے لگ کر وہ سب باتیں سن لیں تھیں اور اس کا ننھا ذہن ان تلخ سچائیوں کو برداشت نہ کر پایا تھا جس کے نتیجے میں وہ وہیں چکرا کے گری اور حواس کھو بیٹھی تھی۔

اس نے دوبارہ کبھی باپ سے ماں کے متعلق جاننے کی کوشش نہیں کی تھی، اسے کچھ نہیں جاننا تھا وہ۔

ہمدردیاں خلوص دلاسے تسلیاں
دل ٹوٹنے کے بعد تماشے بہت ہوئے

☆☆☆

طالعہ نے معیز کا نمبر ملایا اور خود چیئر پہ جم گئی، حسب توقع کچھ دیر بعد فون اٹھا لیا گیا۔

''ہیلو۔'' اس کی بھاری آواز ابھری۔

''کیسے ہو معیز؟'' وہ نرمی سے بولی تھی۔

''آپ کیسی ہیں طالعہ؟'' وہ ہمیشہ کی طرح پوچھ رہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' طالعہ نے ایک طویل سانس بھری، بعض لوگ کبھی نہیں بدلتے۔

''آپ کے ایگزام ٹھیک ہو رہے ہیں؟''

''ہوں، تم کہاں ہوتے ہو؟ ابو تمہیں یاد کر رہے ہیں کافی دنوں سے۔''

''میں اسلام آباد میں ہوں۔''

''اچھا؟'' وہ ہنسی تھی۔

''طالعہ! اس بار میں واقعی اسلام آباد میں ہوں۔'' وہ شرمندہ سا وضاحتیں دے رہا تھا۔

''اوکے اوکے یہ بتاؤ آؤ گے کب؟'' وہ ہنسی فوراً روک کر پوچھنے لگی۔

''بس یہی ایک دو دنوں میں۔'' اس نے بتایا۔

''میں کچھ پریشان ہوں معیز! یونیورسٹی میں ہنگامے ہو رہے ہیں، صبح میرا ایگزام ہے مجھے نہیں لگتا میں دے پاؤں؟'' وہ اپنے مطلب کی بات پہ آ گئی۔

''لیکن انگلش ڈیپارٹمنٹ تو اس میں انوالو نہیں ہے۔'' وہ بے ساختہ بولا، طالعہ نے ایک طویل سانس لیا، تو اس کا مطلب معیز کے علم میں ساری سچویشن تھی۔

''انوالو ہوتے کون سی دیر لگتی ہے؟ اور ابو کا پتا ہے نا تمہیں، وہ ان حالات میں کبھی بھی نہیں جانے دیں گے مجھے۔'' اس نے کہا۔

''آپ بے فکر رہیں طالعہ! خاور وہاں ہے۔'' اس نے اپنی دانست میں تسلی دی۔

''اسی بات کا تو ڈر ہے۔'' وہ بے ساختہ بولی۔

''کیا مطلب؟'' وہ ٹھٹھک گیا۔

''وہ یہ سب روک کیوں نہیں رہا معیز؟'' وہ بہت حاکمانہ انداز میں کہہ رہی تھی یا پوچھ رہی تھی، وہ جان نہیں سکا، دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

''وہ یہ سب ہوتے دیکھ رہا ہے معیز! کہیں...... کہیں وہ خود...... وہ خود تو انوالو نہیں؟'' اس نے اندر چھپے ہوئے خدشات باہر نکال دیئے۔

''میں...... میں کیا کہہ سکتا ہوں؟'' وہ لاتعلقی سے بولا تھا۔

''معیز! ایک منٹ، مجھے ایک نتیجے پہ پہنچنے دو، جن دو گروپوں کے درمیان یہ تصادم ہو رہا ہے ان دونوں کا تعلق خاور کے مخالف گروپ سے ہے؟ کہیں یہ سب وہ خود...... وہ خود تو نہیں کروا رہا؟'' وہ سہمی سہمی سی بولی تھی، کس قدر اذیت ناک تھا شاہ خاور کے بت کو گرتے دیکھنا اس کا دل ڈر رہا تھا۔

''طالعہ! میں چند دنوں تک آؤں گا، ہم پھر یہ سب تفصیل سے ڈسکس کریں گے۔'' وہ بڑے تحمل سے بولا تھا۔

''تم بات کو ٹال رہے ہو معیز۔'' وہ روہانسی

ہوگئی۔

''میں آپ کی بات ٹال سکتا ہوں؟'' وہ اتنے مان سے پوچھ رہا تھا کہ طالعہ شرمندہ سی ہو گئی۔

''او کے معیز! پلیز جلدی آنا۔''

''ضرور اب اجازت۔'' اس نے اجازت چاہی۔

''او کے۔'' طالعہ نے فون بند کر دیا اور دونوں گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ لئے، اس کے دماغ میں بگولے سے چل رہے تھے اور دل جیسے آندھی کی زد میں آئے بے مایا پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

''اگر اس سب میں تمہارا ہاتھ ہوا نا خاور! تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' اس نے آنکھیں بند کر کے سر گھٹنوں پہ دھر دیا تھا۔

شام میں وہ کھانا بنانے میں مصروف تھی جب فاروق احمد چلے آئے۔

''گڈ ایوننگ ابو جان۔'' وہ قصداً مسکرائی تھی۔

''گڈ ایوننگ بیٹا! چائے مل سکتی ہے؟'' انہوں نے اسے مصروف دیکھ کر سکتی پہ زور دے کے کہا۔

''کیوں نہیں ضرور۔''

''ٹھیک ہے میں اپنے کمرے میں ہوں۔'' وہ کہہ کر واپس مڑ گئے، جب وہ چائے لے کر گئی تو وہ بستر پہ دراز تھے، لحاف اوڑھے، گلاسز لگائے گود میں کوئی کتاب رکھے۔

اس نے چائے کا مگ سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا اور ان کے پاس بیٹھ گئی۔

''لایئے مجھے دکھایئے اپنی بک۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر کتاب ان کے ہاتھ سے لے لی۔

''The old curiosity shop۔'' اس نے بلند آواز میں کتاب کا ٹائٹل پڑھا۔

''Charlas dickens۔'' آپ کو بہت پسند ہے نا ابو جان!'' وہ مسکرا رہی تھی، اس نے اکثر فاروق کو Dickens کے ناولز پڑھتے دیکھا تھا اور وہ ایک کتاب کو کئی بار پڑھنے کے عادی تھے۔

''ہوں۔'' انہوں نے کہتے ہوئے مگ تھام لیا۔

''آج تو آپ کسی سیمنار میں شرکت کے لئے گئے تھے نا؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''ہوں۔'' ان کا وہی مختصر جواب۔

''تو پھر کیسا رہا؟ آپ نے بتایا تھا کہ لاہور اور اسلام آباد سے بھی پروفیسرز اور لیکچررز آ رہے ہیں۔'' وہ کہنے لگی۔

''ہوں ٹھیک رہا، طالعہ!'' انہوں نے مختصر جواب دے کے اسے مخاطب کیا۔

''جی ابو!''

''بیٹا! میری بات تحمل سے سننا۔'' انہوں نے ذرا ٹھہر کر اس کا چہرہ دیکھا جو حیرانی کی تصویر بنا ہوا تھا۔

''کون سی بات؟'' انہوں نے چائے کا مگ ٹیبل پہ رکھ دیا، پیار سے اسے قریب کیا، ماتھے کو چوما، طالعہ کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

''ابو جان! پلیز جو بھی بات ہے فوراً بتا دیں، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ جو پہلے ہی خاور کے حوالے سے ہراساں تھی مزید پریشان ہوگئی۔

''بیٹا! آج مجھے سیمنار میں نور العین ملی تھی۔'' وہ بڑے سکون سے دھماکہ کر کے اسے دیکھ رہے تھے، وہ ساکت انہیں دیکھتی رہ گئی۔

''تو......؟'' کچھ دیر بعد اس نے سرسراتی آواز میں پوچھا تھا۔

''وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔'' ان کا لہجہ بتدریج پرسکون ہی تھا۔

''کیوں؟'' اس نے سرد مہری سے کہا۔

''وہ آپ کی ماں ہے۔'' وہ جیسے اسے یاد دلا رہے تھے۔

''ابو پلیز!'' وہ احتجاجاً بولی تھی مگر نہ لہجہ بلند ہوا تھا، نہ تمیز کا دامن چھوڑا۔

''طالعہ! آپ میری بیٹی ہیں جس طرح اس حقیقت کو کوئی نہیں بدل سکتا اسی طرح اس سچائی سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ آپ کی ماں ہیں۔'' ان کا لہجہ قدرے سخت ہوا تھا، وہ بے بسی سے انہیں دیکھتی رہی۔

''آپ سے ملنا چاہتی ہیں وہ، آج شام سات بجے آئیں گی۔'' انہوں نے جیسے کوئی نیوز بلیٹن پڑھا تھا۔

''میں کسی سے نہیں ملوں گی۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولی تھی۔

''آپ آج ان سے ضرور ملیں گے اور یہ میرا حکم ہے طالعہ!'' ان کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

وہ حیرانی سے انہیں دیکھتی رہ گئی، بے یقینی سے بے یقینی تھی، اس لہجے میں وہ کبھی اس سے بات نہیں کرتے تھے۔

''مگر ابو...... میں......'' وہ کچھ کہنے کی کوشش کرتی رو پڑی۔

''طالعہ! میرا بیٹا بہت بہادر ہے، میرا مان رکھے گا ناں؟'' وہ اسے ساتھ لگا کے کہہ رہے تھے۔

''میں ان سے صرف ایک بار ملوں گی، دوبارہ آپ مجھے فورس نہیں کریں گے۔'' وہ بڑے دور کی کوڑی لائی تھی۔

''یہ آپ دونوں کا آپس کا معاملہ ہے آپ جو بھی ڈیسائیڈ کریں۔'' انہوں نے صاف ہاتھ اٹھا لئے۔

''تھینکس۔'' وہ خفا خفا سی بولتی باہر نکل گئی، اپنے کمرے میں آ کر منہ ہاتھ دھوئے کپڑے بدلے اور کھانے کی تیاری چیک کرنے کے لئے کچن میں چلی گئی حالانکہ سچ تو یہ تھا کہ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کر رہی تھی اسے کیا کرنا تھا اور اس سے کیا ہو رہا تھا؟ وہ تو فاروق احمد پہ حیران تھی جو کتنے پرسکون تھے، کتنے آرام سے اور تسلی سے انہوں نے اسے بتایا کہ وہ نور العین سے ملے اور کتنے مزے سے وہ اسے کہہ رہے تھے بلکہ حکم دے رہے تھے کہ وہ اسے لازمی اس سے ملنا ہوگا، اس کے ذہن میں جیسے سائیں سائیں ہو رہا تھا۔

سات بجتے دیر ہی کون سی لگتی ہے، کھانا تیار ہو چکا تھا جب اسے فریدہ نے آ کر بتایا کہ اس سے کوئی ملنے آیا ہے، یہ کون ہو سکتا تھا؟ وہ اچھی طرح جانتی تھی، اس کے دل کی دھڑکن بڑھنے لگی۔

''ابو کدھر ہیں؟'' اس نے فوراً پوچھا۔

''وہ تو اپنے کمرے میں ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔'' اس کا حوصلہ جیسے ماند پڑنے لگا، وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گئی، دروازے کے اندر قدم رکھتے ہی اس کی نظر سامنے صوفہ پہ پڑی، سیاہ ساڑھی میں کندھوں پہ گرم شال ڈالے نور العین پہلے سے زیادہ خوبصورت اور باوقار لگ رہی تھیں ان کے پاس زمین پہ ڈھیر سارے شاپنگ بیگز پڑے تھے، وہ طالعہ کو دیکھ کر کھڑی ہو گئیں۔

''السلام علیکم۔'' طالعہ نے آہستہ سے کہا، وہ آگے بڑھ آئی۔

نور العین کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں، اس نے آگے بڑھ کر طالعہ کا چہرہ ہاتھوں میں تھا، اور

اسے جھکا کر باری باری اس کے دونوں گال چوم لئے، طالعہ کے ہاتھ سنسنا اٹھے، یہ لمس کتنا نیا تھا؟ کتنا اجنبی؟

''بالکل احمد جیسی ہو، شاندار اور دراز قد۔'' نورالعین نے مسکرا کر کہا، نورالعین سرد مہری سے اسے دیکھتی رہی۔

''تشریف رکھیے۔'' اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی اجنبیت اور تکلف تھا، نورالعین کو دھچکا سا لگا تھا، وہ پھر سے صوفہ پہ بیٹھ گئی۔

''کیسی ہو طالعہ؟'' اس نے بڑی الفت سے پوچھا تھا۔

''الحمدللہ۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''کیا کرتی ہو؟''

''ماسٹرز کر رہی ہوں انگلش میں۔''

''ویری گڈ۔'' اس کے لہجے میں ستائش تھی۔

''انگیجڈ ہو یا کمیٹڈ؟'' بے تکلفی سے پوچھ گیا۔

''انگیجڈ۔'' طالعہ نے بنا چونکے کہا تھا۔

''واؤ...... کون ہے وہ؟'' وہ بہت خوش ہوئی تھی۔

''تایا ابو کا بیٹا خاور۔'' اس کا جواب مختصر تھا۔

''اوہ! حیات احمد کا بیٹا، احمد بھی نا! خاندان سے باہر نکلنا گوارا ہی نہیں کیا۔'' اس کے لہجے میں ناگواری در آئی، طالعہ کا ضبط جواب دینے لگا۔

''پلیز!'' اس نے تلخی سے ٹوکا تھا۔

نورالعین نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، پھر فوراً ٹون بدل لی۔

''یہ میں کچھ چیزیں لائی تھی تمہارے لئے۔'' اس نے پاس پڑے بیگز کی طرف اشارہ کیا۔

''ایکسکیوز می! مجھے ان کی ضرورت نہیں۔'' اس کے انداز میں کسی قسم کی رعایت نہ تھی۔

''لیکن بیٹا! بات ضرورت کی نہیں چاہت کی ہے۔'' نورالعین کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

''چاہت؟ آپ کو میری کتنی چاہت ہے؟ میں اچھی طرح جانتی ہوں یہ آپ کو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔'' وہ گہرے طنز سے بولی تھی۔

''تمہیں بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی احمد نے؟'' وہ بلبلا کر بولی تھی، طالعہ بے ساختہ کھڑی ہو گئی۔

''یہ میرے والد کے سکھائے ہوئے آداب ہی ہیں جو میں اتنی دیر سے آپ کے ساتھ بات کر رہی تھی۔'' اس کا لہجہ سرد اور دوٹوک تھا، نورالعین ساکت سی اسے دیکھتی رہی۔

''تم میری بیٹی ہو طالعہ! میری گڑیا...... میرے ساتھ ایسا مت کرو، میں بس کبھی کبھار تم سے ملنا چاہتی ہوں۔'' وہ نم آنکھوں اور لجاجت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

''لیکن میں آپ سے ملنا نہیں چاہتی، میں ایک آزاد ملک کی باسی ہوں اور بالغ ہوں کوئی مجھے مجبور نہیں کر سکتا۔'' اس کے انداز میں صرف بےزاری نہیں تھی نفرت بھی تھی۔

''طالعہ! ایسا مت کرو۔'' نورالعین کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔

''مجھے ابو جان نے حکم دیا تھا میں آج آپ سے مل لوں، دوبارہ وہ مجھے کبھی فورس نہیں کریں گے، ورنہ میں تو آج بھی آپ سے نہ ملتی، ہماری زندگی میں آپ کی کوئی جگہ نہیں ہے اور آپ اچھی طرح جانتی ہوں گی کہ جگہ بنائی جاتی ہے چھینی نہیں جاتی۔'' وہ کہہ رہی تھی اور نورالعین کو لگ رہا تھا کہ اس کے سامنے احمد کھڑا ہو، اس پہ ہنستا ہوا، اس کا تمسخر اڑاتا ہوا۔

''یہ زہر تمہارے دل میں احمد نے بھرا ہے نا طالعہ۔'' وہ بلند آواز میں چلائی تھی۔

''آہستہ آواز میں بات کیجئے، اس گھر کے مکینوں کو بلند آواز سننے کی عادت نہیں ہے اور پلیز ابو جان کے بارے میں اس طرح بات مت کریں ورنہ میں سارے ادب آداب بھول جاؤں گی۔'' اس نے بے رحمی سے کہا وہ اس عورت کو قطعی طور پر بخشنے کو تیار نہ تھی جو اس کے باپ کی ویران زندگی کی ذمہ دار تھی۔

''میں تمہاری ماں ہوں۔'' نورالعین نے جتایا تھا۔

''کاش میں اس حقیقت کو بدل سکتی۔'' طالعہ نے مٹھیاں بھینچ کر کہا تھا، نورالعین کا رنگ فق ہو گیا۔

''تم ایسا کیوں کر رہی ہو طالعہ؟''

''کیونکہ آپ یہ ڈیزرو کرتی ہیں۔'' وہ پھنکار اٹھی تھی۔

''دیکھو طالعہ! میں...... میں تم سے کوئی ڈیمانڈ تو نہیں کر رہی نا تو پھر پلیز......'' طالعہ نے تیزی سے اس کی بات قطع کر دی۔

''آپ یقیناً ایک پرسکون اور خوشحال زندگی گزار رہی ہیں آپ کے Out let سے اندازہ ہوتا ہے اس لئے آپ اپنی اور ہماری زندگیاں ڈسٹرب مت کریں، آپ تشریف لے جائیے کیونکہ میرے خیال سے کرنے کے لئے مزید کوئی بات نہیں رہی خدا حافظ۔'' وہ صاف گوئی سے کہتی مضبوط اور مستحکم قدم اٹھاتی باہر نکل گئی۔

اور نورالعین کو لگا وہ ایک کامیاب کریئر، کامیاب ازدواجی زندگی تین سوتیلے بچوں سوئیٹ اینڈ کیوٹ ماں ہونے کے باوجود اپنی زندگی کی سب سے بڑی بازی ہار گئی ہو، اس کا دل خالی ہو گیا ہو۔

☆☆☆

کھانے کی میز پر بہت خاموشی تھی، وہ بڑی کسی سوچ میں گم تھی اور فاروق بہت گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھے، وہ جانتے تھے وہ غصہ میں تھی، پریشان تھی ان سے کچھ شیئر کرنا چاہتی تھی مگر پھر بھی وہ اسے مخاطب نہیں کر رہے تھے۔

''خاور کی کال آئی تھی۔'' انہوں نے نارملی اسے بتایا۔

''بتا رہا تھا کہ وہ شام کی فلائٹ سے نیو یارک جا رہا ہے۔'' انہوں نے طالعہ کو بدستور مصروف اور نو لفٹ کا بورڈ دیکھ کر خود ہی تفصیل بتانی شروع کی۔

''کہہ رہا تھا کچھ کام ہیں اور ممی پاپا سے ملنا ہے، بہت مس کر رہا تھا انہیں، معیز بھی جا رہا ہے اس کے ساتھ۔'' ان کی آخری بات پہ اس نے حیرانی سے سر اٹھایا۔

''معیز تو اسلام آباد میں ہے۔'' اس نے کہا۔

''ہوں، مگر خاور بھی صبح کا اسلام آباد جا چکا ہے، کچھ ایمرجنسی میں جانا پڑا اسے، جبھی ملنے نہیں آ سکا، اسلام آباد سے ہی فلائٹ ہے اس کی۔'' وہ اسے مزید بتا رہے تھے۔

''معیز کیوں جا رہا ہے اس کے ساتھ؟'' اسے عجیب سی جھلاہٹ ہوئی تھی، اسے معیز سے کتنا کچھ ڈسکس کرنا تھا۔

''وہ دونوں ہمیشہ ساتھ میں ہوتے ہیں۔'' وہ مسکرائے تھے۔

''ہمیشہ......؟ نہیں ابو! شاید آپ نہیں جانتے کہ معیز کا عملی اور کاغذی دونوں طور پر یونین سے کوئی تعلق نہیں، وہ صرف خاور کا دوست ہے۔'' اس نے تصحیح کی تھی۔

''مگر اس کے باوجود معیز ہمیشہ اس کا ساتھ دیتا ہے۔''

''ساتھ کیا دینا ہے، چمچہ گیری کی عادت پڑ گئی ہے اسے۔'' وہ جھلا کر بڑبڑائی تھی۔

''آپ سویٹ ڈش لے لیں طالعہ! اگر آپ کا کھانا کھانے کا موڈ نہیں ہے۔'' وہ اسے نوٹس کر رہے تھے۔

اسے بہانہ مل گیا جلدی جان چھڑانے کا، وہ کمرے میں گئی تو اس کے ذہن سے نور العین سے ہونے والی ملاقات بالکل محو ہو چکی تھی اسے صرف یوں اچانک معیز کا خاور کے ساتھ بغیر کسی وجہ کے جانا الجھا رہا تھا اور مستزاد وہ اسے کچھ بھی بتا کر نہیں گیا تھا۔

اس کا کچھ بھی پڑھنے کو دل نہیں کر رہا تھا وہ کتابیں اور نوٹس بکھرائے خالی خالی نظروں سے سب کو گھور رہی تھی جب ہلکی سی دستک کے بعد فاروق احمد اندر چلے آئے، وہ کرسی سے کھڑی ہو گئی۔

''طالعہ! نیوز دیکھیں آپ نے؟'' وہ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں پوچھ رہے تھے۔

''جی نہیں ابو! کوئی خاص بات؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''یونیورسٹی انتظامیہ نے صبح ہونے والے تمام پرچے کینسل کر دیے ہیں۔'' انہوں نے دھماکہ کیا۔

''اوہ نو، وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔'' وہ پیر پٹخ کر بولی تھی، آخر کار اس کا خدشہ صحیح نکلا تھا۔

''اور مزید یہ بھی کہ فی الحال یونیورسٹی میں عام تعطیل کا اعلان کر دیا گیا ہے۔'' وہ بولے۔

طالعہ کا موڈ بری طرح خراب ہوا تھا، اس کا پیپر رہ گیا تھا۔

''ابو! یہ غلط بات ہے۔'' وہ روہانسی سی ہو گئی تھی۔

''بس بیٹا کیا کیا جا سکتا ہے۔'' وہ تسلی آمیز انداز میں اس کے سر پہ ہاتھ دھر کر بولے تھے۔

''اور آپ نے دیکھا کہ خاور نے کس قدر غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے، ان حالات میں اسے یہاں ہونا چاہیے تھا مگر اسے تفریحات سوجھ رہی ہیں۔'' وہ پھٹ پڑی تھی۔

''طالعہ! تسلی رکھیے، وہ اکیلا کتنا کچھ سنبھال سکتا ہے؟'' وہ اسے کول ڈاؤن کرنے لگے، خاور کے اس طرز عمل نے انہیں بھی حیران اور پریشان کر دیا تھا مگر وہ فی وقت خاموش تھے۔

''وہ اکیلا نہیں ہے ابو جان! اس کے ساتھ پورا نیٹ ورک کام کرتا ہے اور بالفرض محال یہ سمجھ بھی لیا جائے کہ وہ اکیلا ہے تو وہ خود تو ''اکائی کی طاقت'' کے بڑے دعوے کرتا ہے وہ سب صرف کیا زبانی جمع خرچ ہے؟'' وہ قطعی اسے بخشنے کے موڈ میں دکھائی نہیں دیتی تھی۔

''طالعہ بیٹا! آپ ذہنی طور پر اسے لے کر نیگٹیو ہو چکی ہیں جب ہی صرف منفی سوچ رہی ہیں اس طرح کرتی رہیں تو چند دنوں میں ہی آپ اس کے خلاف محاذ کھڑا کر لیں گی۔'' وہ ہنسے تھے۔

وہ صرف سوچ سکی کہہ نہ سکی کہ ایسا ہو چکا تھا اب تو اسے صرف معیز کا انتظار تھا۔

وہ کچھ دیر مزید اسے سمجھانے بجھانے کے بعد چلے گئے، وہ سب کچھ سمیٹ کر رکھنے لگی، اس کا ذہن مختلف سمتوں میں بٹا ہوا تھا، اسے اتنی شدت سے غصہ آ رہا تھا کہ حد نہیں اور یہ غصہ شاید سب پہ تھا، خاور پہ جو جانے کب سے اسے دھوکہ پہ دھوکہ دیے جا رہا تھا، اسے مسلسل اندھیرے میں رکھ رہا تھا، نور العین پہ جو برسوں کے فرائض ایک شام میں نبھانے آ گئیں تھیں اور شاید سب سے زیادہ معیز پہ تھا جو اس سے آنے کا کہہ کر خاور کے ساتھ چلا گیا تھا اور وہ بھی بنا بتائے، اسے فاروق احمد پہ غصہ تھا جن کے ساتھ وہ نور العین سے ہونے والی گفتگو ڈسکس کرنا چاہتی تھی مگر وہ کوئی لفٹ نہیں کروا رہے تھے، انہوں نے اس سے کوئی بات نہیں پوچھی تھی بلکہ الٹا بڑی مہارت سے موضوع بدل گئے تھے۔

اگلے چند دن مزید اسی طرح گزر گئے الجھے الجھے بے زار مگر اچھی بات یہ ہوئی کہ پانچ دن بعد یونیورسٹی انتظامیہ کی طرف سے رہ جانے والے پرچوں کے دوبارہ ہونے کی نوید سنائی گئی جو کہ طالعہ کے بے حد خراب موڈ کو کسی حد تک صحیح کرنے کا سبب بنی تھی، اس کے آخری دو ایگزام ہو گئے تو اسے خاصا سکون آ گیا، اب وہ تسلی سے ذہن کھپا سکتی تھی کہ معیز کی متعدد بار آنے والی فون کالز کو آخر وہ کیوں نہیں اٹھاتی؟ یہ بھی سوچ کر پریشان ہو سکتی تھی کہ آخر یہ خاور کدھر تھا؟

☆☆☆

وہ شام کی چائے لے کر اکیلی ہی لان میں چلی آئی، فاروق احمد کو بینک میں کچھ کام تھا اور ان کے جلد آنے کا کوئی امکان نہیں تھا، تبھی وہ چائے کا مگ تھام کر جھولے پہ بیٹھ گئی، آج ان دونوں کو گئے گیارہ دن ہو چکے تھے مگر ان کی کوئی اطلاع نہیں تھی، طالعہ بھی بے نیاز بن گئی تھی، وہ چائے کے آخری گھونٹ لے رہی تھی جب اس نے گیٹ کھلتے دیکھ، وہ مگ ٹیبل پہ رکھ کر واپس جھولے پہ بیٹھ گئی اور نظریں آنے والے پہ جما دیں، اگلے ہی پل اسے جھٹکا لگا۔

یہ تو معیز کی گاڑی تھی۔

وہ اسی طرح سامنے دیکھتی رہی، اب وہ گاڑی پورچ میں پارک کرکے باہر نکل آیا تھا، اس کے ہاتھ میں شاپر تھا اور بلیک پینٹ شرٹ میں وہ غضب ڈھا رہا تھا، چلتے ہوئے وہ اسی کی طرف آ رہا تھا، طالعہ نے سر سیدھا کر لیا، اس کا معیز سے بات کرنے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا، اب وہ اس کے قریب آ چکا تھا۔

''السلام علیکم!'' اس نے کیک میز پہ رکھ دیا اور جھولے کی سمت بڑھ آیا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا، طالعہ بدستور خاموش تھی۔

''مجھے پتا ہے آپ ناراض ہیں، مگر ایسی بھی کیا ناراضگی طالعہ؟ نہ فون کالز پک کیں نہ سلام کا جواب۔'' وہ جھولے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا تھا، طالعہ خاموشی سے فرش کو گھورتی، جھولا جھولتی رہی۔

''خاور کا فی الحال آنے کا کوئی موڈ نہیں وہ اپنے پیرنٹس کے پاس چلا گیا تھا میں نے سوچا واپس چلنا چاہیے، میرا کام تو وہاں ختم ہو گیا تھا۔'' وہ اس کی خاموشی کے باوجود مزید بتائے گیا۔

''انکل سے میری بات ہوتی رہی، انہوں نے بتایا کہ آپ کے ایگزامز دوبارہ سے کنڈکٹ ہو گئے، ذیٹس گڈ، اب آپ فری ہیں؟'' وہ اب بھی اسی طرح بول رہا تھا، اطمینان و سکون کے ساتھ۔

''تمہیں سمجھ نہیں آ رہی کہ مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔'' وہ جھلا کر بولی، معیز کا قہقہہ بے ساختہ تھا، ورنہ وہ یوں بہت کم ہنستا تھا۔

''آئم سوری طالعہ پلیز رئیلی سوری، آئی ڈڈنٹ مینٹ ٹو ہرٹ یو۔'' وہ بے چارگی سے بولا تھا۔

''میں نے تم سے وضاحت مانگی؟'' وہ ترچھی نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔

''اوکے مگر میں آپ کو صحیح بات بتا رہا ہوں، آپ تو خاور کو جانتی ہیں آپ کو پتا ہی ہو گا کہ

کے پروگرامز کتنے اچانک اور جلدی جلدی بن جاتے ہیں، میں تو اس شام واپس کراچی آ رہا تھا مگر......'' وہ بڑے تحمل سے اسے تفصیل بتا رہا تھا مگر طالعہ نے اس کی بات قطع کر دی۔

''تم اس کے ساتھ کیوں گئے تھے؟'' وہ تیکھے انداز میں بولی تھی، معیز ایکدم سے خاموش ہو گیا، اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا، طالعہ جو بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی چونک سی گئی۔

''معیز! بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟'' طالعہ نے اسے جھولے میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''نہیں ایسے ہی ٹھیک ہے۔'' وہ سینے پہ ہاتھ باندھے سامنے درختوں کے جھنڈ میں کچھ کھوج رہا تھا۔

''مجھے بارہا احساس ہوا معیز! کہ تم کچھ پراسراری شخصیت ہو، بعض دفعہ تو مجھے تمہیں لے کر تحفظات بھی رہے مگر میں نے کبھی تم سے یہ بات نہیں کی۔''

''کون سے تحفظات؟'' معیز کی آنکھیں حیران سی تھیں۔

''سب سے پہلے تو بیٹھ جاؤ۔'' طالعہ نے جھولتے ہوئے اسے بیٹھنے کا کہا۔

''ایسے اچھا نہیں لگتا۔'' وہ نفی میں سر ہلا کر بولا۔

''کیوں؟'' وہ جھلا ہی تو گئی تھی۔

''میں آپ کے برابر نہیں بیٹھ سکتا۔'' اس کے لہجے میں کیا تھا؟ طالعہ ساکت ہی تو رہ گئی تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' اسے بے انتہا غصہ آیا تھا۔

''طالعہ! آپ یہ بات رہنے دیں، آپ مجھے کچھ بتانا چاہ رہی تھیں۔'' وہ سنجیدگی سے بات بدل گیا تھا۔

''معیز!'' وہ کھڑی ہو گئی، اس کا رنگ سرخ پڑ رہا تھا۔

''طالعہ پلیز!......'' وہ بے بس سا ملتجی انداز میں بولا تھا، پھر تیزی سے آگے بڑھا اور جھولے پہ بیٹھ گیا، طالعہ بھی دھم سے جھولے میں بیٹھ گئی۔

''تم میرے برابر نہیں بیٹھ سکتے، مجھے اس قابل نہیں سمجھتے یا خود کو؟'' اس کا لہجہ سرد تھا۔

''خود کو۔'' معیز نے تیزی سے کہا، طالعہ نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تم...... حیران کن ہو۔'' اس نے نچلا لب دانتوں میں دبا لیا۔

''شاید مگر بعض چیزوں کی کبھی وضاحت نہیں کی جا سکتی۔'' وہ آہستگی سے بولا تھا۔

جھولے کی حرکت رکی ہوئی تھی، طالعہ نے اسے حرکت دینے کی کوشش کی، معیز نے بھی اس کا ساتھ دیا، جھولا آہستہ آہستہ ہلنے لگا۔

''میں اپنے بارے میں بات کرنے نہیں آیا۔'' وہ دھیمی آواز میں بولا تھا۔

''مگر میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتی ہوں معیز۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولی تھی۔

''یہ اتنا ضروری نہیں ہے۔''

''کیوں؟''

''میں اتنا اہم نہیں ہوں۔'' اس کا لہجہ پھر سے لاپرواہ اور لاتعلقی ہو گیا تھا۔

''مگر معیز! میں تم سے......''

''طالعہ! میں آپ کی بات کاٹ رہا ہوں سوری مگر اس سب پر ہم پھر بھی بات کریں گے۔''

''اور وہ پھر کبھی نہیں آئے گی۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''ایسا نہیں ہے، میں آپ کے سارے سوالوں کے جواب دوں گا تب، وعدہ رہا۔'' وہ سنجیدہ تھا، طالعہ خاموش رہی، معیز نے خود بات دوبارہ شروع کی۔

''میں آج یہاں خاور کے بارے میں بات کرنے آیا تھا۔'' طالعہ نے طویل سانس لے کر اسے دیکھا۔

''میں چائے یا کافی کا کہہ دوں۔'' وہ اٹھنے لگی۔

''نہیں، اس...... کی ضرورت نہیں۔'' معیز نے اسے اٹھنے سے روکنے کے لئے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

طالعہ نے حیرانی سے اسے دیکھا، معیز کو اپنی بے اختیاری حرکت پہ ازحد شرمندگی و ندامت ہوئی تھی اس نے فوراً اپنا ہاتھ اٹھا لیا، اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

''آئم سوری...... رئیلی سوری...... میں...... میں پھر آ جاؤں گا۔'' وہ پھیکی آواز اور کپکپاتے لبوں سے اٹھا اور تیز تیز چلتا گیا۔

شام کے ملگجے اجالے میں طالعہ ششدر سی بیٹھی تھی اسے معیز کے ردعمل کی قطعی سمجھ نہیں آئی تھی۔

☆☆☆

دن کو مسمار ہوئے رات کو تعمیر ہوئے
خواب ہی خواب فقط روح کی جاگیر ہوئے
تمام عمر لکھتے رہے پھر بھی ورق سادہ رہا
جانے کیا الفاظ تھے جو ہم سے نہ تحریر ہوئے
یہ الگ دکھ ہے کہ ہیں تیرے دکھوں سے آزاد
یہ الگ قید کہ ہم کیوں نہ زنجیر ہوئے

رات نجانے کتنی بیت گئی تھی مگر اس کی آنکھوں سے نیند ہنوز دور تھی، سردی کی تھپیڑے اس کے نائٹ سوٹ کی شرٹ سے پار ہو رہے تھے مگر وہ بے حسی سے کھڑا تھا، سلائیڈنگ ونڈو کھلی ہونے کی وجہ سے پورا کمرہ سرد ہو رہا تھا، اسے یہاں کھڑے کتنی دیر بیت گئی تھی وہ نہیں جانتا تھا۔

اس کی جلتی آنکھیں لان کے اندھیروں میں ساکت تھیں اور ان شہد رنگ جھیل جیسی آنکھوں میں بتدریج سرخیاں اتر رہی تھیں۔

''کیسے اتنی جرأت کی میں نے؟'' اس نے اپنے بائیں ہاتھ کو دیکھا اور نفرت و کراہت کے ایک شدید ریلے کی ذد میں آ کر زور سے ونڈو کی چھوکھٹ سے ٹکرا دیا، درد کی ایک شدید لہر اٹھی اور بس...... یہ تو آغاز تھا، وہ پےدرپے اپنا ہاتھ ٹکراتا چلا گیا، یہاں تک کہ اسے ''کڑچ'' کی آواز کے ساتھ اپنی شہادت کی انگلی کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز آئی، اس کے ہونٹ بھینچ گئے اور ماتھے کی سبز رگ ابھر آئی تھی وہ رک گیا، فرش پہ خون قطرہ قطرہ گر رہا تھا اور اس کا ہاتھ خون سے بھیگا ہوا تھا۔

''اتنی ہمت کرنے کی کم سے کم بھی اتنی سزا تو بنتی ہی ہے۔'' اس کے لبوں پہ عجیب خود اذیت پسندانہ مسکراہٹ تھی۔

''میں نے آپ کے برابر بیٹھنے کی جرأت کی تھی نا، کاش میں خود کو اس کی کوئی سخت سی سزا دے پاؤں، کاش میں اپنے آپ کو مار سکتا۔'' وہ جیسے جان کنی کے عالم میں تھا۔

''لیکن اگر میں نے ایسا کوئی قدم اٹھا لیا تو...... وہ...... آپ کے ساتھ مزید غلط کرے گا، آہ کاش میں کچھ کر پاؤں۔'' اس کی آنکھوں سے بےبسی بہہ رہی تھی۔

''مجھے کچھ کرنا ہو گا ورنہ وہ زہریلا سانپ...... آپ کو ناپاک کر دے گا، آپ کا خالص پن، آپ کی پاکیزگی اور آپ کی سچائی

سب سے زیادہ قیمتی ہے طالعہ! اور میرے لئے یہ سب سے زیادہ قیمتی اور عزیز ہیں۔'' اس کے ہر ہر مسام سے پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔

''میں آپ کے سامنے اس کا اصل چہرہ لا کے رہوں گا، خواہ مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔'' اس نے عزم کیا تھا۔

بائیں ہاتھ کا درد اب دل کے راستے پورے وجود میں لہریں پھیلا رہا تھا اور وہ بے حسی ایزی چیئر پہ جھول رہا تھا۔

امید کا سایہ ہے نہ رستہ ہے نہ منزل
ہم کتنے اکیلے ہیں محبت کے سفر میں

☆☆☆

''معیز آیا تھا آج۔'' حسب معمول شام کے کھانے پہ اس نے فاروق احمد کو بتایا، اس کی ساری باتیں شام کو ہی فاروق سے ڈسکس ہوتی تھیں وہ حیران سے رہ گئے۔

''وہ نیو یارک سے لوٹ آیا؟ آپ نے اسے کھانے کے لئے تو روکنا تھا۔'' وہ بولے۔

''اسے جلدی تھی جانے کی، چائے پر بھی نہیں رکا۔'' طالعہ نے بتایا۔

''اوہ اچھا، خاور سے بات ہوئی آپ کی؟''

''نہیں۔'' اس نے یک لفظی جواب دیا۔

''مجھے بھی کافی دنوں سے فون نہیں کیا اس نے۔''

''ابو جان! آپ یہ کباب ٹرائی کریں، میں نے نئی ریسپی ٹرائی کی ہے۔'' وہ بڑے آرام سے بات بدل گئی، انہوں نے نوٹ کیا مگر کچھ بولے نہیں، خاموشی سے کباب اپنی پلیٹ میں رکھنے لگے۔

''آپ اپنی چھٹیاں انجوائے نہیں کر رہیں طالعہ؟''

''پتا نہیں کیا بات ہے ابو! مجھے سمجھ نہیں آ رہی میں کیا کروں؟'' وہ بے بسی سے بولی تھی۔

''آپ فرینڈز وغیرہ کے ساتھ آؤٹنگ کا پروگرام بنا لیں۔'' انہوں نے مشورہ دیا۔

''آپ جانتے ہیں ابو جان! چار سالوں سے صرف میرے دو ہی دوست ہیں، خاور نیو یارک میں ہے اور معیز بہت بزی۔'' اس نے بے چارگی سے شانے اچکائے۔

''تو بھئی معیز کو بلائیں کل، اس سے کہیں اپنی مصروفیت ذرا کم کر لے۔'' انہوں نے کہا۔

''جی کروں گی کال۔'' طالعہ نے کہا۔

اگلے دن دوپہر کے وقت طالعہ نے اسے فون کیا، بہت دیر تک بیل جاتی رہی اور آخر کار اس نے فون اٹھا ہی لیا۔

''ہیلو۔'' اس کی نیند میں ڈوبی آواز آئی تھی، طالعہ کو افسوس ہوا، اس نے معیز کی نیند خراب کر دی تھی۔

''تم سو رہے تھے، سوری......'' وہ جھجک کر بولی تھی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' نیند میں ڈوبی آواز ایکدم سے الرٹ ہو گئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں اور تم کیسے ہو؟''

''پتا نہیں۔'' اس نے گہری سانس لی۔

''معیز! آج آ جاؤ نا، ابو تمہیں بہت یاد کر رہے ہیں، کیا ایسا نہیں ہو سکتا شام کا کھانا تم ہماری طرف کھاؤ؟''

''جی ضرور میں آ جاؤں گا۔''

''اور دیکھو پلیز ذرا جلدی آ جانا، مجھے بھی تھوڑی کمپنی دے دینا میں بہت بور ہو رہی ہوں۔'' اس نے بڑے لاڈ سے فرمائش کی تھی، دوسری طرف جیسے اس کا دل رک گیا۔

''ضرور۔'' اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

''تھینک یو معیز، تم بہت اچھے ہو، اوکے میں

ویٹ کروں گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے فون رکھ دیا۔

اسے خوشی تھی حالانکہ معیز ہمیشہ اس کی بات مانتا تھا مگر آج کچھ کچھ الگ سی خوشی محسوس ہو رہی تھی، وہ بڑی مگن سی کھانا بنانے میں مگن تھی جب فاروق احمد کا فون آ گیا، انہیں ایمرجنسی میں کسی دوست کے ساتھ جانا پڑا تھا اور انہوں نے معذرت کرتے ہوئے اس سے کہا تھا کہ وہ معیز کو اچھی سی کمپنی دے، وہ کھانا کھا کے ہی آئیں گے، طالعہ کا خوشگوار موڈ بجھ سا گیا۔

شام ڈھل رہی تھی جب معیز آیا، طالعہ کچن میں تھی، ملازمہ نے اسے آ کر بتایا کہ مہمان آ چکا ہے، طالعہ ڈرائنگ روم کی سمت چلی آئی، وہ صوفہ پہ بیٹھا ہوا تھا، اسے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیسے ہو معیز! یہ...... یہ کیا ہوا؟'' طالعہ جو بڑی مگن سی اندر آئی تھی جیسے ہی اس کے پٹیوں میں جکڑے ہاتھ پہ نظر پڑی، حیرانگی اور خوفزدگی کے عالم میں اس کی طرف بڑھ آئی۔

''کچھ نہیں...... کچھ بھی نہیں ہوا۔'' معیز نے بوکھلاہٹ میں اپنا زخمی ہاتھ تقریباً پشت کے پیچھے چھپا دیا۔

طالعہ رک گئی، چند لمحے کھوجنے والے انداز میں اسے دیکھتی رہی پھر اپنی نشست پہ دھنس گئی، حسب معمول ٹیبل پہ بکے نظر آ رہا تھا اور سائیڈ پہ بیگ جس میں غالباً وہ نیو یارک سے اس کے لئے شاپنگ کر کے آیا تھا، اس کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔

''آپ کیسی ہیں طالعہ؟'' وہ بڑے محتاط انداز میں نظریں جھکا کر پوچھ رہا تھا۔

''میں تو ٹھیک ہی ہوں مگر تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے۔'' وہ بڑی باریک بینی سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

''ہاتھ پہ چوٹ لگوالی ہے، آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں، یقیناً رات دیر تک جاگتے رہے ہو گے، منہ بھی کچھ سوجا ہے، آئی مین فریش نہیں لگ رہے۔'' طالعہ نے اس کی تجزیاتی رپورٹ پیش کی تھی وہ خاموش رہا اور طالعہ اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگی مگر ندارد، اسی دوران فریدہ چائے کے لوازمات لے آئی، طالعہ اس کے لئے چائے بنانے لگی، جبکہ وہ اب تک خاموش تھا۔

''معیز! مجھے تمہاری طبیعت واقعی ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' اس نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھا اور ناراضگی سے کہا۔

''میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنے آیا ہوں طالعہ۔'' اس کا لہجہ دھیما تھا ہمیشہ کی طرح۔

''کون سی باتیں؟'' وہ چونک اٹھی۔

''خاور کے متعلق۔'' اب وہ دائیں ہاتھ سے ٹیبل کی سطح کھرچ رہا تھا۔

''حالانکہ میرا اس وقت خاور کے متعلق بات کرنے کا ذرا بھی موڈ نہیں ہے اینی وے، تم کہو، کل بھی تو یوں چلے گئے تھے، ویسے کل تمہیں کیا ہوا تھا معیز! میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا تھا جس پہ تم ناراض ہو جاتے۔'' وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''میں آپ سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔'' اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

''میں جانتی ہوں معیز!'' وہ ہنس دی تھی۔

''میں نہیں جانتا آپ میری بات کا کیا ردعمل پیش کریں گی، آپ اسے سن کر کیا اسٹریٹیجی پلان کریں گی، میں کچھ نہیں جانتا، مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ سچ جان لیں۔'' بات شروع کرتے ہوئے اس نے انداز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی، طالعہ نے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔

''سچ؟ کون سا سچ؟''

''میں جانتا ہوں یہ آپ کے لئے بہت تکلیف دہ ہوگا مگر...... میں آپ کو مستقبل کی اس تکلیف سے بچانا چاہتا ہوں جو آپ کی زندگی کا ایسا ناسور بن جائے گی جسے آپ اپنے وجود سے الگ نہیں کرسکیں گی، طالعہ! میں...... میں آپ کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔'' اس نے بال دائیں مٹھی میں جکڑے تھے۔

''میں...... مجبور ہوں طالعہ! بہت مجبور...... مجھے معاف کردیجئے گا۔'' بے بسی کی شدت سے اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

''ایسی کیا بات ہے معیز! مجھے ڈر لگ رہا ہے، کون سا سچ؟ کیسی تکلیف؟ تم تو یہاں خاور کے بارے میں بات کرنے آئے تھے۔'' وہ ڈرے ڈرے لہجے میں بولی تھی، اسے معیز کی جذباتیت نے گنگ کردیا تھا۔

''ہاں، اسی کے بارے میں بات کرنی ہے مجھے۔'' وہ پھر سے حوصلے مجتمع کرنے لگا۔

''کیا بات؟ اور ایسی کون سی بات ہے جو تم یوں ری ایکٹ کررہے ہو۔'' وہ سہمی ہوئی سی بولی تھی۔

''میں خاور کو فرسٹ ائیر سے جانتا ہوں، نیا نیا کالج سٹارٹ ہوا تھا، ہم دونوں ملے تو پتا بھی نہ چلا کہ کب دوستی ہوگی، آپ خاور کو جانتی ہی ہیں وہ دوسروں کو متاثر کرنا جانتا ہے، میں اس کے سحر میں بری طرح جکڑا گیا، وہ بہت خوبصورت باتیں کرتا تھا، بہت نرم دل، بے حد خوش مزاج، وہ اتنا اچھا تھا کہ بہت عرصہ مجھے یہ سوال تنگ کرتا رہا کہ آخر اس نے مجھ سے دوستی کیوں کی؟ بہت دیر بعد مجھے اس سوال کا جواب مل گیا تھا، وہ تو سب کا دوست تھا، وہ تو سب کے ساتھ مہربان اور نرم مزاج تھا، وہ تو سب کا ہمدرد تھا، یہ تو اس کی نیچر تھی، اس کی عادت...... اور میں یہ سمجھتا رہا کہ وہ صرف میرا دوست تھا، مگر حیرت انگیز طور پر اس کے بارے میں جاننے کے بعد میری فیلنگز اس کے بارے میں بدلی نہیں تھیں، مجھے وہ پہلے سے زیادہ عزیز ہوگیا، میں جانتا تھا اسے میری ضرورت نہیں تھی، اسے تو ہر کوئی چاہتا تھا ہر کوئی اس کے ساتھ دوستی کرنا چاہتا تھا اور وہ سب کو ویلکم کہا کرتا تھا یہ اس کا شوق بھی تھا اور عادت بھی، کالج میں ہر کوئی اسے پسند کرتا تھا، ہر کوئی اس کا دوست تھا مگر میں...... واحد تھا جو اس کے اس قدر نزدیک تھا کہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا، لوگوں کو عجیب وغریب بیماریاں اور شوق لاحق ہوتے ہیں طالعہ! آپ کو پتا ہے سب کا مسئلہ رزق حلال پیسہ اور محبت نہیں ہوتی، ان سب میں سے کوئی مسئلہ بھی خاور سے تعلق نہیں رکھتا تھا، اسے پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی، اس کے والدین امریکہ میں تھے اور ہر ماہ اس کے اکاؤنٹ میں ایک خطیر رقم کا چیک جمع ہوجایا کرتا تھا، وہ کوئی گرا پڑا نہیں تھا، خوش شکل تھا بلکہ ایک بہت چارمنگ پرسنالٹی رکھتا تھا اور ایک بہت ہی دلکش طرز تخاطب رکھتا تھا، میں نے لوگوں کو اس پر یوں جھپٹتے دیکھا جیسے شہد کی مکھیاں مٹھاس پہ اسے لوگوں کو گرویدہ بنانے کا فن آتا تھا، کالج میں دن بدن اس کے متاثرین کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، وہ لڑکے لڑکیوں میں یکساں مقبول تھا، اس کی بے شمار لڑکیوں سے دوستی تھی مگر یہ دوستی بڑی صاف ستھری سی تھی، یا شاید مجھے لگتا تھا، کالج کے دو سال کیسے گزرے پتا ہی نہ چلا، یونیورسٹی سٹارٹ ہوئی، ایک حیرت انگیز اور وسیع دنیا اور تب میں نے خاور کو پہلی بار عجیب موڈ میں دیکھا، ظاہر ہے نیا ماحول، نئے لوگ اور افسوس ناک بات یہ تھی کہ یہاں اس کا حلقہ متاثرین بہت کم تھا، اسے راجا اندر بنے رہنے کی عادت تھی، میں

نے بتایا نا کہ خاور کو کوئی مسئلہ نہ تھا، پیسہ اس کے ماں باپ کما رہے تھے اور محبت تو اس سے ہر کوئی کرتا تھا اس کو بڑا عجیب وغریب مسئلہ تھا، اسے لوگوں میں گھرا رہنا پسند تھا، اسے دوسروں کو اپنے پیچھے پاگل دیکھنا بہت اچھا لگتا تھا، مگر اس وقت مجھے خاور کی اس بیماری کا علم نہیں تھا، یونیورسٹی کا پہلا سال ختم ہونے تک یہاں بھی اس کے دوستوں کی قطار شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہوتی گئی اور دن بدن ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا تھا، وہ حیرت انگیز حد تک مہربان اور یار باش انسان تھا اور شاید یہ سب یونہی چلتا رہتا اگر سراج درانی کا معاملہ نہ کھڑا ہوجاتا ''سراج درانی'' خاور کا دوست تھا، اچھا انسان تھا، مگر خدا معلوم پنجابیوں سے کیوں خار کھاتا تھا، شہزاد گجر کے ساتھ اس کے اس وقت میں کئی جھگڑے ہوئے، جنہیں خاور نے ہی ختم کروایا، اگرچہ ان کے درمیان دوبارہ کوئی تنازعہ کھڑا نہیں ہوا مگر ایک اتفاق کے نتیجے میں، میں نے سراج اور خاور کی باتیں سن لیں اور تب پہلی بار مجھے خاور کی دوغلی شخصیت کا علم ہوا۔'' یہاں تک بات کرکے معیز رک گیا، طالعہ پھیلی آنکھوں اور بھینچے لبوں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

''شاہ خاور حیات کی دوسری شخصیت میرے لئے کتنی شاکنگ اور قابل نفرت ثابت ہوئی وہ ایک لمبی داستان ہے ان دنوں میرا دل چاہتا تھا کہ میں ساری دنیا کو بتا دوں کہ یہ شاہ خاور جھوٹا، مکار اور دھوکے باز ہے اور یہ سب صرف اپنی گڈول کے لئے کرتا ہے آپ کو پتا ہے وہ سراج کے ساتھ مل کر پنجابیوں کے خلاف زہر اگل رہا تھا، انہیں غاصب اور چور کہہ رہا تھا اور یہی شاہ خاور دوسرے دن شہزاد کو سمجھا رہا تھا کہ سراج پاگل اور نفسیاتی مریض ہے، اس کی ماں پنجاب سے تھی اور اس کے باپ کو چھوڑ گئی تھی، جبھی وہ اس طرح ری ایکٹ کرتا ہے، وہ بڑے سکون سے سراج کے بارے میں شہزاد کو بریف کر رہا تھا اور میں...... میں شاید کہیں خلا میں معلق ہو چکا تھا، اتنا دھوکہ، اتنا جھوٹ اور اتنی سیاسیت، میں حیران تھا، انہی دنوں ایک اور واقع ہوا جس نے میری شاہ خاور سے بے زاری میں اضافہ کیا، ہم دونوں کیمپس سے لوٹ رہے تھے، راستے میں تنظیم کے کچھ لڑکے ایک طالب علم کو بری طرح پیٹ رہے تھے، علاقہ سنسان تھا جبھی وہ بے چارا بری طرح مدد کے لئے چلا رہا تھا گر وہاں کوئی ہوتا تو آتا، میں نے خاور سے گاڑی روکنے کا کہا مگر اس نے یہ کہہ کر اسپیڈ بڑھا دی کہ۔''

''مرنے دو اس کو، کس نے کہا تھا کہ تنظیم سے پنگا لے'' وہ لڑکا چیختا رہا مگر خاور نے بڑے اطمینان سے گاڑی وہاں سے نکال لی، اس پوری رات میں سو نہیں سکا، میرے کانوں میں اس لڑکے کی کراہیں اور چیخیں گونجتی رہی اور میرا دل روتا رہا اگلے دن میں سوچ چکا تھا کہ میں اس سے دوستی ختم کردوں گا، مگر میں اپنی سوچ پر عمل پیرا نہ ہو سکا، کیوں کہ یونیورسٹی میں نیو ایڈمیشن ہوا اور آپ...... آپ یونیورسٹی میں آ گئیں۔'' وہ ایک بار پھر رک گیا، طالعہ نے اس کی آنکھوں سے سرخیاں گہری ہوتی دیکھیں، اب وہ بے دردی سے ہونٹ کچل رہا تھا۔

''میرا اور خاور کا ریلیشن خواہ جس بھی مقام پر ہوتا آپ میرے لئے بہت محترم تھیں، آپ اس کی فیانسی تھیں...... اور...... اور میں اسے چھوڑ نہیں سکا، مجھے ہمیشہ سے لگتا تھا کہ وہ سب کو دھوکہ دے سکتا ہے، وہ سب کے ساتھ جھوٹ بول سکتا ہے وہ سب کے ساتھ غلط کرسکتا ہے مگر آپ کے ساتھ نہیں، آپ اس کی شریک حیات

بننے والی تھیں، مگر میری دیگر توقعات اور گمانوں کی طرح یہ گمان بھی جلد ہی زمین بوس ہو گیا، غلط ثابت ہو گیا، اس نے سٹوڈنٹ یونین لیڈر شپ کے لئے ہی تو اتنی محنت کی تھی، آپ ناراض ہوتی یا برا مانتی وہ وہی کرنے والا تھا جو وہ طے کر چکا تھا، اس لئے اس نے آپ کو صرف بتایا، وہ یونیورسٹی میں اپنے مخالفوں کو سبق سکھا سکتا تھا اس سے کوئی نہ پوچھتا مگر اس سے اس کی ساکھ متاثر ہو سکتی تھی اس کی ''امن پسندی'' مشکوک ہو جاتی جبھی اس نے ایسا چکر چلایا کہ اس کے مخالف آپس میں ہی لڑ مریں، بحثیت لیڈر کے اس کی ذمہ داری تھی کہ یونیورسٹی میں امن و امان بحال کرے مگر وہ ایسا کیوں کرتا؟ اس نے منظر سے غائب ہو جانا ہی بہتر سمجھا، وہ آپ سے جھوٹ بولتا تھا، وہ آپ کو دھوکہ دیتا تھا، وہ آپ کو صحیح بات نہیں بتاتا تھا، یہ ساری باتیں تو آپ بھی جانتیں ہی تھیں مگر۔''

''میں نہیں جانتا کہ وہ آپ سے محبت کرتا ہے یا نہیں، میں نہیں جانتا مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جن سے محبت کی جاتی ہے انہیں دھوکہ نہیں دیا جاتا، آپ نے ایک دن پوچھا تھا نا کہ جھوٹ کیا ہے؟ اور میں نے کہا تھا کہ جھوٹ برائی کی جڑ ہے اور جو شخص جھوٹ بول سکتا ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے، ہر برا کام اور خاور! ہا...... خاور نے اس بات کو سچ کر دکھایا طالعہ!'' معیز کی آنکھوں کے زیریں کنارے نم ہو رہے تھے، طالعہ کسی مجسمے کی طرح ساکت ہو چکی تھی۔

معیز نے اپنا سیل فون نکال لیا، اب وہ اس سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا، کچھ دیر بعد اس نے فون اٹھایا اور درمیانی ٹیبل پہ رکھ دیا جہاں چائے کے لوازمات پڑے پڑے ٹھنڈے ہو چکے تھے۔

''بتانے کے اور بھی بہت کچھ ہے مگر میں آپ کی تکلیف میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا اس لئے آپ یہ دیکھ لیں اس میں کچھ ہے جو میں آپ کو دکھانا چاہتا ہوں اور اس کے بعد فیصلہ کیجئے گا ایسے کردار کے مالک انسان کے ساتھ زندگی گزاری جا سکتی ہے؟''

''آپ کی سچائی، آپ کی پاکیزگی بہت قیمتی ہے طالعہ! اور ان قیمتی جواہرات کو کم از کم ایسے شخص کے ہاتھ نہیں لگنا چاہیے جو کرپٹ ہو۔'' اس کے لہجے میں تپش تھی۔

طالعہ نے حیرت سے فون کو دیکھا، اس میں کیا ہو سکتا ہے؟ اس نے سرد پڑتے ہاتھوں کو سکیڑتے ہوئے سوچا

''میں اسلام کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا اور نہ ہی میں کوئی بہت مذہبی آدمی ہوں مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ حلال اور حرام کبھی ایک نہیں ہو سکتے اور یہ تو اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے کہ۔''

''بدکردار عورتیں، بدکردار مردوں کے لئے ہیں۔'' وہ مضبوط اور مستحکم انداز میں بولتا اٹھ کر کھڑا ہو گیا، طالعہ زرد رنگت لئے اسے دیکھتی رہی، وہ اسے کیا بتانا چاہ رہا تھا؟

''مجھے پورا اعتماد ہے آپ پر، آپ کی تربیت بہت بہترین اور مکمل خطوط پر ہوئی ہے طالعہ! میں آپ کے بہترین اور درست فیصلے کا انتظار کروں گا۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہتا واپس مڑا اور باہ نکلتا چلا گیا۔

طالعہ کسی مجسمے کی مانند اٹھی، فون اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ سیدھی اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی، اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اس نے معیز کو ڈنر پہ انوائٹ کیا تھا، اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اس نے معیز کا لایا ہوا بیگ وہیں چھوڑ دیا تھا، شاید اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا، اور پتا نہیں فاروق

اب تک کہاں تھے؟ وہ ناک کی سیدھ میں چلتی اپنے کمرے میں آ گئی، دروازہ بند کر کے اس نے لائٹس جلا دیں اس کا کمرہ جگمگ کر اٹھا، وہ کسی روبوٹ کی طرح بیڈ پہ بیٹھ گئی، سیل فون اس کے دائیں ہاتھ میں تھا، اس نے سیل کی تاریک اسکرین کو دیکھا، اس نے اسکرین کو دائیں انگلی سے پش کیا، اسکرین جگمگا اٹھی، اس کے ساتھ ہی ایک وڈیو اوپن ہو گئی۔

طالعہ کی ساری حسیاست بصارت میں ڈھل گئیں، کسی اپارٹمنٹ کا بہت خوبصورت لیونگ روم تھا، برائٹ ریڈ اور لائٹ پنک کلر اسکیم کی سٹینگ بہت شاندار تھی، طالعہ کی نظریں نظر آتے منظر پہ جم کے رہ گئیں، صوفے پر ایک لڑکی بیٹھی تھی اور اس کے قریبی صوفے پہ خاور براجمان تھا، تیسرا شخص وڈیو میں موجود نہیں تھا مگر اس کی ٹانگیں ٹیبل پہ دھری نظر آ رہی تھیں، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ وہ معیز ہی تھا جو یقیناً وڈیو بنا رہا تھا۔

خاور اس لڑکی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا، طالعہ نے آنکھیں اس لڑکی پہ مرکوز کر دیں، وہ بہت خوبصورت تھی، اس کے سنہرے بال شانوں پہ بکھرے تھے اور وہ سرخ رنگ کی خوبصورت اور سٹائلش ٹاپ کے ساتھ بلیک جینز میں ملبوس تھی، جینز گھٹنوں تک موڑی ہوئی تھی، منظر میں موجود دوسری جھٹکا دار چیز اس لڑکی کی مصروفیت تھی وہ ٹیبل پہ آلتی پالتی مار کر بیٹھی تھی اور سامنے پڑی بوتل میں سے مشروب گلاس میں انڈیل رہی تھی، پھر اس نے گلاس خاور کو تھما دیا، طالعہ کی رگوں میں خون جمنے لگا۔

وہ مشروب کون سا تھا، اسے زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں تھی، خاور اب گھونٹ لیتے ہوئے مسکرا کر اسے کچھ کہہ رہا تھا، طالعہ نے والیوم بڑھا دیا، وہ انگلش میں بات کر رہے تھے اور وہ اس سے کیا کہہ رہا تھا طالعہ کا دل رکنے لگا، وہ اس کی سبز آنکھوں کی تعریف کر رہا تھا، لڑکی نے مسکراتے ہوئے پیار سے خاور کے بال بکھیرے خاور اب اس لڑکی کو انگلش میں معیز کی خشک مزاجی پر ایک سیر حاصل لیکچر دے رہ تھا جو وہ ہنستے ہوئے سن رہی تھی، پھر اس نے ہنستے ہوئے معیز کے پیر کو چھیڑا تھا، معیز کو غالباً جھٹکا لگا تھا، کیمرے کا منظر ایک بار سارا ہل کر رہ گیا تھا، معیز نے فوراً پیر نیچے کھینچے تھے۔

اب وہ بلند آواز میں اسے تنبیہ کر رہا تھا، خاور کا بے ساختہ قہقہہ اس کی آواز دبا گیا، خاور اب اس لڑکی سے کہہ رہا تھا کہ معیز اسے ہی پاکیزہ ہے جیسے کوئی دوشیزہ۔

طالعہ کا خون کھول رہا تھا اور اس کی دھڑکن بڑھتی جا رہی تھی، لڑکی نے خاور کی بات کو کافی انجوائے کیا تھا اب وہ خاور سے جھک کر سرگوشی میں کچھ کہہ رہی تھی، خاور ہنستا ہوا سر ہلا رہا تھا، وہ دونوں اب پھر سے ڈرنک پینے میں مصروف ہو چکے تھے، لڑکی کی پوز میں ہلکی سی تبدیلی آئی تھی اس نے دائیں ٹانگ سیدھی کر کے خاور کی گود میں رکھ دی، طالعہ کی مٹھیاں پسینے میں بھیگ رہی تھیں، طالعہ کا دل کہیں پاتال میں گرنے لگا تھا، یکدم ماحول میں آکسیجن کم ہو گئی تھی اس کا سانس گھٹنے لگا، اسے سے زیادہ دیکھنا اس کے بس میں نہیں تھا، اس نے یکدم اسکرین پر الٹے سیدھے ہاتھ مار دیئے، اللہ جانے کون کون سے فنکشن کھلے اور کیا کیا ڈیلیٹ ہو گیا، اس کے ہاتھ لرز رہے تھے اور وہ ان پر قابو نہیں کر پا رہی تھی، پھر یکدم فون اس کے ہاتھ سے پھسلا اور کارپٹ پہ گر گیا، اس نے خالی نظر کمرے میں دوڑائی، کیا تھا اردگرد؟ تاریکی، وحشت، احساس تذلیل،

شاید سب کچھ۔

وہ آنکھیں بند کر کے کارپٹ پہ گر گئی، اس کا دل چاہا کاش اس کے اندر اترنے والی تاریکی پوری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے لے، اسے کچھ نظر نہ آئے، اسے کوئی نہ دیکھ سکے، وہ اپنے لرزتے ہاتھوں پہ قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی مگر ناکام تھی، بری طرح ناکام، اس کے آنسو بے اختیار بہتے جا رہے تھے اور وہ خود کو ایسا کرنے سے روکنے میں بھی ناکام تھی، اس کا سر چکرا رہا تھا، وہ آنکھیں کھولنا چاہتی تھی وہ تاریکی میں سے نکل کر روشنی میں آنا چاہتی تھی، وہ اس وڈیو کو مکمل دیکھنا چاہتی تھی مگر وہ سب میں ناکام تھی۔

وہ کہتی تھی وہ صرف ''فاروق احمد'' کی بیٹی ہے، اس نے کبھی ماں کا حوالہ دیا نہیں رکھا تھا، اسے نور العین کا ذکر قطعی پسند نہیں تھا، وہ صرف اپنے باپ کی بیٹی کہلانا چاہتی تھی، نور العین نے بھی تو یہی کہا تھا کہ ''وہ بالکل احمد جیسی تھی، شاندار اور دراز قد۔''

''ہاں، وہ واقعی فاروق احمد جیسی تھی اور اس کی قسمت بھی اپنے باپ جیسی ہی ہے، اس کے باپ کے حصے میں وہ عورت آئی تھی جوان کے ساتھ آٹھ سال گزار کر بھی کسی اور کو پسند کرنے لگی تھی۔''

''طالعہ فاروق احمد۔'' کی قسمت بھی ویسی ہی تھی، اس کی زندگی میں جو مرد آیا تھا وہ بھی بدکردار تھا، طالعہ چار سال سے اس کے ساتھ تھی مگر وہ اس کی شخصیت اور فطرت کا یہ گھناؤنا پہلو جان ہی نہ پائی تھی، اسے یاد تھا کچھ ہلکا ہلکا مدھم سا ڈرامہ کی کلاس تھی، پروفیسر عظمیٰ فرہادان کی ڈرامہ کی ٹیچر تھیں، وہ ان دنوں آسکر وائلڈ کا The importance of being earnest پڑھ رہے تھے، ڈرامہ کا ایک کریکٹر Algernon ایک فقرہ کہتا ہے۔

''All girls beccome like their mothers, and this is their tragedy۔'' اس فقرے کو لے کر پوری کلاس میں بحث چھڑ گئی تھی، طالعہ نے اس Proverb کو مشرقی معاشرے کے لحاظ سے بالکل غلط قرار دیا تھا اس کا کہنا تھا کہ ہمارے معاشرے میں لڑکیاں اپنے فادر کو آئیڈیلائز کرتی ہیں اور وہ ہمیشہ اپنے شریک حیات میں وہ کوالٹیز ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہیں جو ان کے فادرز میں پائی جاتی ہیں، وہ خود بھی اپنے فادرز جیسا بننا چاہتی ہیں، اس کی دلیل پر کلاس میں ایک نئی بحث کا آغاز ہو گیا تھا، بعض کا کہنا تھا کہ طالعہ کا کہنا بجا ہے اور بعض کا کہنا تھا کہ یہ ایک بے وقوفانہ اور احمقانہ نظریہ تھا، جسے سیدھے سیدھے Electra complex کا نام دیا جا سکتا ہے۔

فاروق احمد کو کس چیز نے ایکدم سے نور العین کے بارے میں اتنا بڑا فیصلہ لینے پہ مجبور کر دیا تھا، اسے اب پتا چلا کہ وہ کیوں نور العین کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتے تھے، اسے اب سمجھ آئی تھی کہ معیز کیوں اسے ناسور کہہ رہا تھا اور وہ بھی (Non cureable)

☆☆☆

اگلے چند دن اس کے لئے بھیانک خواب کی طرح تھے، وہ جیسے کسی آسیب کی گرفت میں آ گئی تھی، اس کے نزدیک ہر چیز بے معنی ہو چکی تھی، وہ سارا دن کمرے بند رہتی، فاروق آتے تو کھانے کی میز پہ ملاقات ہو جاتی، وہ اس کی اس روٹین کو لے کر کتنا پریشان تھے وہ بے خبر تھی۔

خاور واپس آ چکا تھا، یونیورسٹی میں ہونے

والے تصادم کے دوران قتل ہونے والے طالب علموں کے کیس کو لے کر ایک خوفناک میڈیا کمپین چلائی جا رہی تھی، سٹوڈنٹ یونین کی طرف سے وزیر اعلیٰ کے گھر کے سامنے دھرنے کا اعلان کیا گیا تھا، میڈیا بھی ایشو کو خوب اچھال رہا تھا، شاہ خاور کی دھماکے دار پرفارمنس اس کی طوفانی تقریروں میں نظر آ رہی تھی اور اس سارے قصے کے دوران طالعہ کے لئے حیرت انگیز بات صرف یہ تھی کہ معیز اس کے ساتھ نہیں تھا۔

وہ بڑی سرد مہری سے شاہ خاور کو ٹاک شوز میں شاندار تبصرے کرتی دیکھتی رہی، چند دن بعد ایشو کچھ ٹھنڈا پڑ گیا، فاروق کی اس سارے قصے میں کیا رائے تھی وہ لاعلم تھی۔

ایک شام اس نے خاور کو فون کیا اور اس سے ملنے کا کہا، وہ بے حد خوش ہوا تھا اور فوراً حامی بھر لی تھی، دونوں میں طے پایا کہ وہ شام پانچ بجے کافی ہاؤس میں ملیں گے۔

وہ شام میں باہر جانے کے لئے کپڑے بدل کر آئی تو لان میں فاروق احمد اپنے کسی پروفیسر کولیگ کے ساتھ کسی ڈسکشن میں مصروف تھے، وہ آہستہ آہستہ چلتی ان تک آ گئی۔

''ہیلو قریشی انکل۔'' اس نے انہیں کہا۔

''ہیلو طالعہ بیٹا، کیسی ہیں آپ؟'' وہ خوشدلی سے مسکرا کر پوچھ رہے تھے، طالعہ نے صرف سر ہلایا اور فاروق کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''ابو جان! میں ذرا باہر جا رہی ہوں، ایک امپورٹنٹ میٹنگ ہے میری خاور کے ساتھ جلد لوٹوں گی۔'' وہ بے تاثر لہجے میں بولی تھی۔

فاروق نے بے چینی اور اضطراب کے عالم میں اسے دیکھا اور طالعہ کے چہرے پہ جو فیصلہ کن کیفیت انہیں نظر آئی، اس نے انہیں سہما دیا، وہ کیا فیصلہ کر چکی تھی؟ وہ کیا کرنے جا رہی تھی؟

''او کے بیٹا! فی امان اللہ۔'' انہوں نے کہا۔

وہ ہموار قدموں سے چلتی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی، تیرہ سے چودہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ کافی ہاؤس کے اندر موجود تھی، اس کا دل جیسے جلتا آبلہ بنا ہوا تھا اور وہ خاور کو دیکھ کر کیا ری ایکٹ کرے گی وہ نہیں جانتی تھی، چند منٹ بعد اس نے گلاس ڈور سے خاور کو اندر آتے دیکھا، اس نے طالعہ کو دیکھ لیا تھا اور اب وہ اسی کی طرف آ رہا تھا مسکراتا ہوا، خوش باش۔

ہمارے اور تمہارے درمیان
ابھی بھی ایک رشتہ باقی ہے۔
میرے سچ کا مضبوط
اور تمہاری منافقت کا
ہاں بس یہی تو ایک
کچا واسطہ باقی ہے

طالعہ کے اندر تک پھیلی خاموشی میں یہ مصرعے ذہن کے کسی گوشے سے نکل کر خاموشی کے تھال میں سکوں کی مانند کھنکا اٹھے تھے۔

''کیسی ہو طالعہ!'' وہ اس کے مقابل چیئر سنبھال چکا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا اور لبوں پہ کوئی مسکراہٹ نہ تھی۔

''میں کچھ مصروف تھا، دیکھا ہی ہو گا تم نے، وقت ہی نہیں نکال پا رہا تھا، آج تمہاری کال آئی تو میں نے ایک ارجنٹ میٹنگ پوسٹ پون کر دی سوچا طالعہ سے ملنا زیادہ ضروری ہے اور تم سناؤ کیا ہو رہا ہے آج کل؟ ایگزامز کلیئر ہو گئے؟'' وہ برق رفتاری سے ایک موضوع سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پہ آتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

طالعہ اسی طرح بے تاثر انداز میں اسے

دیکھ رہی تھی، خاور اب کافی کا آرڈر دے رہا تھا۔
''مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا تھی۔'' طالعہ نے کہا۔
''ہوں، کہو لیکن پہلے یہ تو بتاؤ معیز سے ملاقات ہوئی تمہاری؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔
''کیوں؟'' طالعہ چونک گئی۔
''وہ اس لئے کہ میری اس سے کافی دنوں سے ملاقات نہیں ہو سکی، اس کا سیل فون بند ہے اور خود پتا نہیں کہاں ہے؟ اس کے گھر بھی گیا تھا میں، اس سے تو نہیں البتہ اس کی مدر سے ملاقات ہوئی میری، کافی پریشان تھیں، اس کا کلیش چل رہا ہے اپنے پیرنٹس کے ساتھ، اس کے فادر اسے پولیس سروس میں لے جانا چاہتے ہیں مگر وہ بالکل نہیں مان رہا، مجھے کہہ رہی تھیں کہ اسے سمجھاؤں، میں نے کہا وہ تو ٹھیک ہے مگر وہ مجھے ملے تو سہی، تم کیا کہناہ چاہ رہی تھیں؟'' وہ اسے معیز کی تفصیل بتانے کے بعد پھر سے پوچھ رہا تھا۔
جبکہ طالعہ اس سیل فون کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اس کے ہینڈ بیگ میں پڑا تھا اور جس میں خاور کا ''کریکٹر سرٹیفکیٹ'' تھا پھر اسے معیز سے ہونے والی گفتگو یاد آئی تھی جس میں اس نے واضح طور پر کہا تھا کہ وہ کوئی ''سروس'' جوائن نہیں کرے گا۔
''طالعہ! تم مجھ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہ رہی تھیں۔'' خاور نے اسے سوچ میں ڈوبے دیکھ کر یاد دلایا تھا۔
طالعہ نے ایک طویل سانس لے کر اسے دیکھا اور پھر نظر کافی کے مگ سے اڑتی بھاپ پر جمادی۔
''برنارڈ شاہ کا ایک قول بہت عرصہ پہلے پڑھا تھا میں نے، تب مجھے سمجھ نہیں آیا تھا مگر آج آ گیا ہے۔'' اس کا لہجہ بے حد سپاٹ تھا۔
''اچھا، ذرا مجھے بھی بتاؤ آخر وہ کون سی چیز ہے جو تمہیں اب سمجھ آئی اور آ بھی گئی تو کیسے؟'' وہ اب پھر سے مسکرا رہا تھا۔
''برنارڈ شاہ کہتا ہے کہ ''سیاست دنیا کا سب سے بڑا فریب ہے'' مجھے سمجھ آ گئی اس کی۔'' اس کے انداز میں سر مو فرق نہیں آیا تھا۔
''اچھا، وہ کیسے؟'' وہ اب سنجیدہ لگ رہا تھا۔
''تمہیں دیکھ کر۔'' طالعہ کے جواب نے خاور کا رنگ بدل دیا۔
''کیا مطلب؟'' خاور کا لہجہ اب بالکل بدل چکا تھا۔
''تمہیں پتا ہے خاور! مجھے تمہارے چہرے پہ کیا نظر آتا تھا، سچائی، تمہاری آنکھوں سے صداقت پھوٹتی تھی اور تمہاری آواز سے حساسیت مگر اب مجھے کچھ نظر نہیں آتا یا شاید جب احساس کی موت ہو جائے تو سب ختم ہو جاتا ہے، میں سوچتی تھی جو لوگ حق کے لئے بولتے ہیں، سچ کی لڑائی لڑتے ہیں وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتے، مجھے لگتا تھا تم غلط نہیں ہو سکتے کیونکہ تم سچے ہو، مگر میں یہ بھول گئی کہ جو شخص جھوٹ بول سکتا ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔''
نبی پاک کا ارشاد ہے۔
''جھوٹ چھوڑ دو ہر برائی سے نجات پا جاؤ گے۔'' مگر تم نے ہمیشہ میرے ساتھ جھوٹ بولا۔'' طالعہ بڑے سکون سے اس کی ذات کے پرخچے اڑا رہی تھی جب خاور نے بلبلا کر اس کی بات کاٹی۔
''انیف طالعہ! آخر اس ساری فضول گفتگو کا کیا مطلب ہے؟'' اس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا، طالعہ اب پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔
''مجھے تمہارے چہرے پر وہ سچائی نظر نہیں

آتی شاہ خاور!'' اس کا لہجہ سرد تھا۔
''شٹ اپ طالعہ! آخر یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ یہ کیا سچ، جھوٹ لگا رکھا ہے؟'' وہ بری طرح جھنجھلایا تھا۔
''یو جسٹ شٹ اپ۔'' وہ غرا اٹھی تھی۔
''مجھے آج پتا چلا ہے کہ ہمارا ملک کیوں ترقی نہیں کرتا کیوں کہ یہاں تمہارے جیسے لوگ ہیں جو دوسروں کی لاشوں پر اپنے خوابوں کے محل کھڑے کرتے ہیں اور اپنی سیاست چمکاتے ہیں۔'' وہ آگ اگل رہی تھی خاور دم بخود سا بیٹھا تھا۔
''تم حد سے زیادہ بڑھ رہی ہو طالعہ۔'' اس کا لہجہ سرد تھا۔
اگر خاور نے طالعہ کا یہ انداز پہلی بار دیکھا تھا تو طالعہ نے بھی اس کا یہ لہجہ پہلی بار سنا تھا۔
''خود ہر حد سے گر جانے والے کو دوسروں پہ حد لگانے کا کوئی حق نہیں۔'' طالعہ کا لہجہ زہر خند تھا، خاور اب لب بھینچے اسے گھور رہا تھا۔
''تم کس بنا پہ اتنا شور مچا رہی ہو؟ آخر میرے کون سے جھوٹ کے پول کھل گئے ہیں اور یہ اچانک تمہیں مجھ سے اتنی شکایتیں کیوں پیدا ہو گئیں ہیں اور یہ ایکدم سے ہی تمہیں مجھ میں کون سی برائیاں نظر آنے لگیں ہیں؟'' وہ چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
''جب تم لاہور گئے تھے تو تم نے کہا تھا کہ میری کال کسی فرینڈ نے کاٹ دی اور تم اپنے فرینڈز کے ساتھ تھے جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، درحقیقت تم اس وقت پارٹی آفس میں تھے۔'' وہ انکشاف کرنے والے انداز میں بولی تھی، وہ سکون سے اس کی بات سنتا رہا۔
''تو......؟'' طالعہ کو اس کی ڈھٹائی نے مشتعل کر دیا تھا۔
''تو یہ کہ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔'' وہ دبی آواز میں چلائی۔
''ہاں بولا تھا۔'' وہ تیزی سے بولا۔
''تم کو ابو جان نے ڈنر پہ انوائیٹ کیا، تم دستیاب نہیں ہوئے تم نے کہا تم بزی ہو، تم کہاں تھے تم ریڈ کلب میں تھے اور اس گندگی کے اڈے پہ کون سی عیاشی ہوتی ہے سب جانتے ہیں۔'' طالعہ کا انداز جارحانہ ہو گیا تھا۔
''تم میری انوسٹی گیشن کرتی پھرتی ہو؟'' وہ غرا اٹھا تھا، طالعہ تمسخرانہ انداز میں اسے دیکھتی رہی۔
''تم نے مجھ سے کہا کہ چند دن یونیورسٹی نہ آؤں کون سا کوئی خاص سٹڈی ہو رہی ہے؟ لیکن حقیقتاً تم مجھے اوائڈ کرنا چاہتے تھے تم مجھ سے چھپانا چاہتے تھے کہ مجھے لے کر معیز اور شہزاد کے درمیان کیا جھگڑا ہوا تھا، تم نے کیسے گوارا کر لیا کہ مجھے تمہاری گرل فرینڈ کہا گیا؟ تم نے اسے بتایا نہیں کیا کہ میرا درحقیقت تم سے کیا رشتہ تھا؟ اور جب یہ سب حادثاتی طور پر میرے علم میں آ ہی گیا تو تب بھی تم نے مجھ سے کسی قسم کا ایکسکیوز کرنا ضروری نہیں سمجھا۔'' اس کا انداز تیکھا ہو گیا، خاور بے تاثر انداز میں اسے دیکھتا رہا۔
''تم نے اپنے مفاد کے لئے ان معصوم نوجوانوں کو استعمال کیا خاور! کیا تمہیں احساس ہے خاور کہ تم کس قدر گر گئے ہو، ہاں تم ٹھیک کہتے تھے ان نوجوانوں میں واقعی بہت غصہ اور تعصب بھر ہوتا ہے مگر اس بار تم انہیں استعمال کر رہے ہو خاور! اپنی الیکشن کمپئین چلانے کے لئے؟'' وہ بدستور زہریلے انداز میں بول رہی تھی۔
''تو پھر......؟'' خاور کا رنگ بدل چکا تھا۔
''تم نجات دہندہ اور مسیحا نہیں ہو خاور! تم کبھی یہ نہیں بن سکتے، ان فیکٹ تم تو Vulture

ہو جو مردار کھاتا ہے۔'' وہ نفرت سے بولی تھی، خاور کا رنگ سرخ پڑ گیا۔
''جسٹ شٹ اپ۔'' وہ مدھم آواز میں دھاڑا تھا۔
''یونیورسٹی میں ہونے والا تصادم درحقیقت ان دو گروپوں کے درمیان تھا جو تمہارے مخالف تھے جبھی تم نے انہیں آپس میں لڑنے دیا اور اب جب سب کچھ انڈر کنٹرول آ گیا ہے تو تم چلے آئے ان کے ہمدرد بن کر ان کی فیور میں بولنے کے لئے؟'' وہ تضحیک آمیز انداز میں بولی تھی۔
''جب تم سب کچھ جانتی ہو تو مجھ سے کیا چاہتی ہو؟'' وہ سرد مہری سے کہہ رہا تھا اس کے انداز میں کسی قسم کی نرمی اور اپنائیت نہیں تھی اور طالعہ یہاں یہ سب ڈھونڈنے آئی بھی نہیں تھی۔
''میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔'' وہ تھکے ہوئے انداز میں بولی تھی۔
''تو مت کرو۔'' اس کا انداز دوٹوک تھا، طالعہ خاموشی سے کافی کے مگ پہ نظریں جمائے کچھ کھوجتی رہی جس میں سے اب بھاپ نکلتی بند ہو چکی تھی، اس نے اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی کو دیکھا جس میں رنگ گزشتہ کئی سالوں سے تھی اور اب تو وہ جیسے اس کی انگلی کا حصہ بن چکی تھی، اس نے بے تاثر چہرے کے ساتھ رنگ اتار کر ٹیبل پر رکھ دی۔
''میں نے سوچا تھا کہ میں تمہارے جھوٹ کے ساتھ رہ لوں گی، تمہاری منافقت کو برداشت کر لوں گی مگر...... دیر سے ہی سہی مجھے یہ احساس ہو گیا ہے شاہ خاور! کہ اسلام میں جھوٹ کی اتنی سختی سے کیوں ممانعت کی گئی ہے؟ منافق کیوں جہنم کے نچلے ترین درجے میں ہوں گے؟ مجھے پتا چل گیا ہے کہ جھوٹا انسان ہر برا کام کر سکتا ہے، وہ صرف ہمارے اعتماد کا خون نہیں کرتا بلکہ وہ ہمارا دل بھی توڑ دیتا ہے، مگر پھر بھی میں سوچتی ہوں کہ شاید کوئی درمیانی راستہ ہو شاید، کوئی سمجھوتہ؟ مگر میں یہ بھول گئی کہ درمیانی راستہ کوئی نہیں ہوتا، راستے ہمیشہ دو ہی ہوتے ہیں حلال و حرام، یہ دونوں کبھی یکجا نہیں ہوتے ان کو کوئی بھی ایک نہیں کر سکتا، میرے والد نے مجھے ساری زندگی حلال کھلایا ہے شاہ خاور! اور میں اگر حرام کا رستہ اپنانے کی کوشش کروں بھی تو نہیں اپنا سکتی، میں مزید تمہارے ساتھ نہیں چل سکتی۔'' اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اسے معیز کے فون میں موجود وڈیو دکھا سکتی، وہ اس معاملے میں معیز کو بالکل انوالو نہیں کرنا چاہتی تھی۔
''میرے اور تمہارے راستے الگ ہو چکے ہیں شاہ خاور۔'' اس کے لہجے میں وہی بے رحمی اور سفاکی تھی جو تب احمد کے لہجے کا حصہ بن گئی تھی جب وہ نورالعین کو فیصلہ سنا رہا تھا، وہ واقعی فاروق احمد کی بیٹی تھی، انہی جیسی تھی، خاور کا رنگ سفید پڑ گیا۔
''تم اتنا بڑا فیصلہ اکیلے کیسے کر سکتی ہو طالعہ! میں تمہارے ساتھ باونڈ ہوں میں نہیں مان سکتا جب میں چاچو سے بات نہ کر لوں۔'' اس ساری گفتگو کے دوران پہلی بار قدرے دھیمے لہجے میں بولا تھا، شاید جھٹکا لگا تھا، وہ خوفزدہ نظروں سے ٹیبل پہ پڑی انگیجمنٹ رنگ کو دیکھ رہا تھا۔
''بے کار ہے، تم جانتے ہو وہ ہر حال میں میرے فیصلے کو تسلیم کریں گے اور ایک بات یاد رکھنا مجھے اموشنلی ایکسپلائٹ کرنے کی کوشش مت کرنا، مجھے کوئی بھی اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔'' وہ ہٹیلے انداز میں بولی تھی۔
''یہ رشتہ ہمارے بڑوں کے درمیان طے ہوا تھا تم اسے کیسے ختم کر سکتی ہو؟'' وہ اب غصے میں نظر آ رہا تھا۔
''یہ میری پوری زندگی کا معاملہ ہے اور ایک بات جان لو شاہ خاور! سمجھوتہ میں کر نہیں سکتی اور زبردستی کوئی میرے ساتھ نہیں کر سکتا۔'' اس نے بڑے پرسکون اور فیصلہ کن انداز میں کہا تھا، خاور ساکت سا اسے دیکھتا رہا۔
''چلتی ہوں۔'' وہ اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتی اٹھ گئی۔

وہ دم بخود اسے جاتا دیکھتا رہا تھا، ابھی ابھی ہاں بالکل ابھی ابھی پانچ فٹ چھ انچ کی وہ لڑکی اسے سچ کی اس سولی پر لٹکا گئی تھی جس پر اسے طبعی موت مرنے تک لٹکے رہنا تھا، جہاں اسے موت نہیں آنی تھی اور برزخ میں کیسے رہا جاتا ہے وہ بخوبی محسوس کر رہا تھا، اس کے پیروں کے نیچے یکلخت ایک خلا نمودار ہوا تھا اور پھر اس کا پورا وجود جیسے کسی پاتال میں دھنستا جا رہا تھا اس کے اردگرد اندھیرا تھا، گھٹن تھی اور تاریکی تھی اور اسے اندھیرے سے بڑا ڈر لگتا تھا، وہ رک نہیں پا رہا تھا گرتے رہنے کا عمل مسلسل جاری تھا۔
جھوٹ، دھوکہ دہی اور حرام کاری جس بشر کے اندر ٹھکانہ کر لیں پھر وہاں کچھ اور نہیں بچتا کیوں کہ یہ گھوم پھر کر وہیں آ جاتے ہیں، انہیں اپنے ٹھکانے سے بہت پیار ہوتا ہے، یہ چور دروازوں سے آتے ہیں اور پھر باقی ہر در بند کر دیتے ہیں۔
اس نے سوچا تھا کہ وہ اسے دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر یہ اس کی غلط فہمی تھی جو کہ سچ کے ریپر میں لپیٹ کر اس کے منہ پہ مار دی گئی تھی۔
زندگی میں ہر غلطی ہر گناہ اور ہر خطا کے لئے انتظار حشر نہیں کرنا پڑتا بعض لوگوں کو دنیا میں ہی انصاف مل جاتا ہے، کیوں کہ بعض لوگ اتنے خالص اتنے پاک اور نایاب ہوتے ہیں کہ انہیں دھوکہ دیا ہی نہیں جا سکتا، ان کے ساتھ غلط کیا ہی نہیں جا سکتا اور ان ہی مقرب لوگوں میں سے ایک ''طالعہ فاروق'' بھی تھی، منصف کے انصاف کی زندہ مثال، وہ مضبوط اور مستحکم قدم اٹھاتی وہاں سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

طالعہ فاروق احمد لوٹ آئی تھی، اس شخص سے رشتہ دل و نظر منقطع کر کے اور دل تھا کہ اب تک بے یقین تھا، اس کے ابو کو سب کچھ بتا دیا، اور اس شب وہ کتنا دکھی تھے، پھوٹ پھوٹ کر رونے کو دل چاہتا تھا مگر بیٹی کے سامنے حوصلہ نہیں ہارنا چاہتے تھے جبھی خاموشی سے پلکیں جھپک کر رہ گئے۔
''ابو! میں نے ٹھیک کیا نا؟'' طالعہ نے خدشوں سے بھرا دل لئے انہیں دیکھا۔
''ہاں ابو کی جان! تم نے بالکل ٹھیک کیا۔'' انہوں نے طالعہ کی پیشانی کو چوما تھا۔
''میں معیز کی شکر گزار ہوں ابو! جس نے مجھے بچا لیا۔'' طالعہ آہستہ سے بولی، انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
''طالعہ! بیٹا یہ معیز کہاں ہے آج کل؟''
''پتا نہیں میں فون کروں گی اس کے گھر، آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' اس نے کہا۔
''ہاں پوچھو۔''
''کیا خاور کے ڈیڈ میرا مطلب ہے تایا جان کوئی سخت ری ایکشن دیں گے؟'' اس نے کہا۔
''نہیں طالعہ! میں کیسے انہیں بتا پاؤں گا؟ یہ تو آئینہ دکھانے والی بات ہو گی۔'' انہوں نے آہستہ سے کہا۔
''کیا مطلب؟'' وہ چونکی۔
''بس تمہیں کیا بتاؤں بیٹے! میں تمہاری نظر

میں ان کا احترام ختم نہیں کرنا چاہتا اس لئے......''
طالعہ نے ان کی بات قطع کر دی۔
''قطع کلامی معاف، اگر ابو آپ یہ بھی تو سوچیں جب سب کچھ ختم ہو ہی چکا ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ آپ ٹینشن مت لیں اور بے فکر ہو کر مجھے بتائیں۔'' اس نے ان کا حوصلہ بندھایا، وہ چند لمحے خاموش رہے۔
''بھائی صاحب کے بھی جوانی میں یہی شوق تھے مگر وہ بہر حال کرپٹ نہیں تھے، انہیں دولت اکٹھی کرنے کا شوق تھا اور شوق انسان کو بڑا ذلیل کرتا ہے، ان پر غبن کے کئی کیسیز بن گئے، وہ سب کچھ سمیٹ کر نیویارک چلے گئے میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ خاور بھی کچھ ایسا کرے گا۔'' وہ نظر چرا کر بولتے ہوئے بے حد افسردہ تھے۔
''یہ جاننے کے باوجود بھی کہ وہ بھی اپنے باپ کا بیٹا تھا، ان سے مختلف کیسے ہو سکتا تھا؟'' طالعہ جیسے شاکڈ تھی۔
''ایسا مت کہو طالعہ! یہ بڑا بول ہے یہ مت بھولو کہ ''نور العین'' بھی تو تمہاری ماں ہے۔'' انہوں نے کہا۔
''دولت کی پجارن وہ عورت میری ماں نہیں ہے ابو! میں فاروق احمد کی بیٹی ہوں سنا آپ نے؟'' وہ مشتعل ہو کر بولی تھی۔
''بس خاموش ہو جاؤ اب، اس موضوع کو آج یہیں ختم ہو جانا چاہیے۔'' انہوں نے کہا تو وہ طیش سے اٹھ گئی۔
''اور آپ یہ بھی یاد رکھیئے گا کہ وہ عورت کبھی سکون نہیں پا سکے گی جس نے آپ کو دھتکارا اور مجھے چھوڑ دیا۔'' وہ نفرت سے بولی تھی۔
''وہ بے سکون ہے، وہ بے سکون ہی تو ہے، اولاد نہیں ہے اس کی۔'' وہ کرسی سے سر ٹکائے مزید رنجیدہ تھے، طالعہ ساکت سی انہیں دیکھتی رہی، کیا ایسا ممکن ہے؟ کہ انسان کے کیئے کا پھل اسے اسی دنیا میں مل جائے؟ اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔

☆☆☆

وہ کوئی مجرم نہیں تھا جو منہ چھپاتا پھرتا مگر پھر بھی جانے کیوں وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ صرف اپنے ساتھ رہنا چاہتا تھا، اپنے عشق قدیم کو یاد کرنا چاہتا تھا، خود کو نارسائیوں کا کرب یاد دلا کر نڈھال کر دینا چاہتا تھا اور وہ کسی قدر بے خبر تھی، وہ طالعہ فاروق جو معینر وقار کا عشق تھی، جسے دیکھنے کے بعد اس کی نظر اور کچھ دیکھ نہ پائی تھی۔
آنکھیں بند کیے وہ کرسی پر جھول رہا تھا اور نظروں کے سامنے وہ سارے مناظر پھر سے زندہ ہو گئے، وہ جیسے کسی ٹائم مشین میں بیٹھ کر پانچ سال پیچھے پہنچ گیا تھا، طالعہ کا یونیورسٹی میں پہلا دن جب معینر نے اسے پہلی بار دیکھا تھا اور اسکی نظر اس پہ ایسی جمی کہ سجدہ ریز ہو گئی پھر کبھی نہ اٹھ سکی، وہ اس پہلے دن کے بعد کبھی اس سے نظر ملا کر بات نہ کر سکا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی پہ کھل جائے، افشائے راز کا خوف اسے مزید کم گو بناتا گیا، کیا پتا وہ کوئی بات کرتا تو عیاں ہو جاتا، وہ ڈرتا تھا، وہ اس کے لئے اول دن سے ہی اس قدر قابل احترام ٹھہری تھی کہ اس نے کبھی اسے تم کہہ کر بلانے کی جرأت نہ کی تھی اور وہ کیوں نہ خود سے بھاگتا؟ طالعہ فاروق کوئی عام لڑکی نہیں تھی وہ بے حد خاص تھی اور ستم تو یہ کہ وہ خاور کا نصیب تھی اس کے مقدر کا درخشاں ستارا تھا، وہ کون تھا اور اس کی بھلا کیا حیثیت تھی؟ تب اسے زندگی میں پہلی بار خاور سے حسد محسوس ہوا اس کا جی چاہا وہ خاور کو شوٹ کر دے، حالانکہ خاور اس کا

اکلوتا دوست تھا، یونیورسٹی لائف میں تو خاور اور بھی زیادہ اہم ہو گیا وجہ؟ وجہ طالعہ تھی اب وہ اس کے ساتھ تھی اور معینر وقار بھیک میں ملے ہوئے پل نظر انداز کرنے کی جرأت نہ کر سکا، وہ پاگلوں کی طرح طالعہ سے محبت کرتا رہا، بنا اسے بتائے اور خود کو عیاں کیئے۔
اس کا اندر آباد ہو گیا، اس نے تنہائیوں کو طالعہ کی روشنی سے منور کر لیا اور اپنے دل کے سنگھاسن پر سب سے اونچا درجہ اسے دے دیا، وہ جیسے جیسے اس کو جانتا گیا اور زیادہ پاگل ہوتا گیا، وہ کس قدر انمول تھی؟ معینر کے بس میں ہوتا تو اس کو سونے میں تول کر صدقہ کر دیتا، اس کا دل چاہتا کہ وہ ہر ہنسی کے بدلے اس پر سے نظر اتار دے، اس کی عادات اتنی پیاری اور خالص تھیں کہ معینر کو اس کی تربیت پر رشک آتا تھا، جانے کن عظیم ہاتھوں نے یہ شاہکار تعمیر کیا تھا، جوں جوں وقت گزرتا گیا معینر کی دیوانگی اور محبت بڑھتی گئی، شاید یہ سب یونہی چلتا رہتا اگر اسے خاور کے بارے میں پتا نہ چل جاتا، یہ کیا ہو رہا تھا؟ وہ حیرانی سے سوچنے لگا۔
یہ ''شاہ خاور'' تو طالعہ فاروق کا حقدار نہ تھا، یہ کب اتنا مخلص اور خوش قسمت تھا؟ کہ اسے طالعہ فاروق جیسا ہیرا ملتا، رفتہ رفتہ اس پر خاور کی ساری عیاریاں اور منافقانہ چالیں کھلنے لگیں وہ دہرے ذہنی کرب کا شکار ہو گیا یہ کیفیت اس قدر اذیت ناک تھی کہ وہ پاگل ہونے والا ہو گیا، وہ کیا کرتا؟ دوستی دیکھتا تو طالعہ کی زندگی برباد ہو جاتی وہ ایک ایسے شخص کے ہتھے چڑھ جاتی جو کسی طرح بھی اس کے قابل نہ تھا اور بھلا یہ کیسی دوستی تھی کہ وہ طالعہ کو اپنی نظروں کے سامنے بربادی کے کنویں میں گرتا دیکھتا، یہ ناممکن تھا۔
مگر وہ کس طرح یہ جرأت و ہمت لاتا خود میں کہ طالعہ کو سب بتا پاتا؟ وہ کیسے اسے تکلیف دینے کی ہمت کرتا؟ وہ کس قدر کرب سے گزرتی خاور کے بارے میں یہ سب جان کر؟ سو وہ خاموشی سے سب برداشت کرتا گیا مگر جب نیویارک میں خاور کے اپارٹمنٹ میں اس نے ایملی بشپ کو دیکھا تو وہ رہ نہ سکا اب بات برداشت کی حد پار کر چکی تھی اس کے جدید موبائل نے بنا آواز نکالے ایسی وڈیو بنائی جس نے تھری ڈی کو بھی مات دے دی اور پھر وہ سب کچھ لے کر طالعہ کے پاس آ گیا، لفظ لفظ اسے بتانے کا حوصلہ نہ تھا اور نہ اس کی ویلیوز اسے اجازت دیتی تھیں کہ وہ اس ماہ رخ کے سامنے خاور کی بدکرداری کا لفاظی پیش کرے۔
اور اب وہ یہاں تھا، سب کچھ ختم ہو چکا تھا، آنسو قطرہ قطرہ اس کی شہد رنگ آنکھوں سے بہتے ہوئے اس کے گالوں پہ بکھر رہے تھے، یہ وہ طالعہ تھی جسے نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت اس نے کبھی نہ کی تھی، اور جس کو انجانے میں چھو لینے پر اس نے بری طرح اپنا ہاتھ زخمی کر لیا تھا کہ وہ اس کے نزدیک اسی قدر قابل احترام تھی اور اب پتا نہیں اس نازک اندام پہ کیا گزری ہو گی؟ اس کے دل کا درد بڑھتا چلا جا رہا تھا، وہ یادوں کی غلام گردشوں میں ننگے پیر پھرتا نڈھال ہو چکا تھا جب دروازہ کھول کر ممی اندر آ گئیں۔
''معینر! کیا بات ہے بیٹے؟'' انہوں نے لائٹ جلا دی، معینر نے بے ساختہ ہاتھ آنکھوں پہ رکھ دیئے۔
''ایسے کمرہ بند کیوں ہو؟ کوئی پریشانی ہے کیا؟'' انہوں نے اس کے ماتھے پہ بکھرے بال سمیٹے اور پیار سے پوچھا، جواباً وہ بے بسی سے لب کچل کر رہ گیا۔
''کوئی بات نہیں ممی۔'' اس نے سر جھٹکا،

اسی وقت دروازہ ناک کر کے ملازم اندر داخل ہوا۔

''طالعہ بی بی کا فون ہے صاحب!''

''طالعہ کا فون؟'' اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا، ممی نے حیرانی سے اس کے بدلتے رنگ دیکھ کر کھٹک گئیں، وہ تیزی سے باہر نکل آیا، اس کا فون تو اس دن سے طالعہ کے پاس تھا جبھی طالعہ نے لینڈ لائن کے نمبر پہ کال کی تھی، اس نے ریسور اٹھایا۔

''ہیلو۔''

''کیسے ہو معیز؟'' طالعہ کی بڑی ٹھہری ہوئی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی، اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''آپ کیسی ہیں طالعہ؟'' اس نے ہمیشہ کی طرح اس کا سوال نظر انداز کر دیا ورنہ آج دل چاہ رہا تھا کہ زخم دل کھول کر دکھا دے۔

''میں ٹھیک ہوں، مصروف تو نہیں ہو تم؟''

''نہیں، میں فری ہوں، آپ کہیں۔''

''میری طرف آ جاؤ۔'' اس کے لہجے میں درخواست تھی۔

''خیریت؟'' وہ ٹھٹکا۔

''ہوں بس کچھ باتیں کرنا ہیں تم سے۔'' اس کا لہجہ سادہ سا تھا۔

''جی میں آ جاتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں انتظار کر رہی ہوں۔'' طالعہ نے فون رکھ دیا۔

وہ تیزی سے پلٹا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، شاور لے کر اس نے خود کو نئے سرے سے ڈریس اپ کیا اور گاڑی کی چابی اٹھاتا باہر نکل گیا، جبکہ ممی حیرت سے اس کی پھرتیاں دیکھتی رہ گئیں۔

جب وہ طالعہ کے ہاں پہنچا تو وہ اسے لان میں ہی چیئر پہ بیٹھی مل گئی، اس نے قریب پہنچ کر اسے سلام کیا تھا۔

''بیٹھو معیز!'' طالعہ نے اسے بیٹھنے کا کہا، وہ اس کے سامنے چیئر پہ بیٹھ گیا۔

''سب سے پہلے تو یہ تمہارا فون۔'' طالعہ نے اس کا فون سیٹ اس کی طرف بڑھایا اس نے تھام لیا، اس کا ایک ہاتھ ابھی تک زخمی تھا۔

''اور سناؤ کیسے ہو؟'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں پوچھنے لگی، جواباً معیز نے صرف ہلکا سا مسکرانے پہ اکتفا کیا تھا، طالعہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

''میں نے خاور کے ساتھ اپنی انگیجمنٹ ختم کر دی ہے۔'' طالعہ نے بایاں ہاتھ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بڑے عجیب سے لہجے میں کہا، معیز نے دیکھا اس کی تیسری انگلی میں وہ رنگ نہیں تھی، اسے سمجھ نہیں آئی وہ کیا ری ایکشن دے؟

''ایک بات پوچھوں معیز؟'' طالعہ نے اس پہ نگاہ جماتے ہوئے پوچھا۔

''جی پوچھیں۔'' اس کی نظریں گھاس پہ جمی تھیں۔

''تم نے یہ کیوں کیا؟''

''کیا؟'' وہ حیران ہوا۔

''تم نے مجھ پر اپنی اتنے سالہ پرانی دوستی قربان کر دی کیوں؟'' اس کا لہجہ تفتیشی تھا، معیز کے چہرے کا رنگ یک بیک بدل گیا، وہ خاموش رہا۔

''کیوں کیا تم نے یہ سب؟ خدارا بتاؤ مجھے۔'' اس کی خاموشی طالعہ کو توڑنے لگی تھی، وہ التجائیہ انداز میں بولی تو معیز نے تڑپ کے اسے دیکھا تھا۔

''مجھ سے کچھ نہ پوچھیں۔''

''کیوں؟ کیوں نہ پوچھوں؟ تمہیں مجھے بتانا ہوگا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟'' وہ چلا اٹھی تھی،

معیز کا رنگ پھیکا پڑ گیا وہ اضطراری انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں نہیں بتا سکتا طالعہ...... پلیز...... مجھے فورس نہ کریں۔'' وہ لب کچلتا مڑا مگر اس کے سامنے طالعہ آ گئی۔

''تم مجھے ریزن دیئے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتے معیز وقار!'' اس کا لہجہ کڑا تھا، معیز بے بسی کے احساس سے چور چور اس کے سامنے زانو کے بل گر گیا۔

''ہاں...... ہے وجہ، محبت کرتا ہوں میں آپ سے نہیں دیکھ سکتا آپ کو تکلیف میں، پھر یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ ساری زندگی کے لئے آپ ایک ایسے شخص کو مل جائیں جو آپ کو ڈیزرو نہیں کرتا تھا، پاگل ہوں میں آپ کے لئے آپ کو معمولی سا دکھ پہنچے میں سہہ نہیں سکتا، جبھی میں نے سب کچھ ختم کر دیا مگر آپ گواہ ہیں طالعہ! میں نے کبھی آپ سے کچھ نہیں مانگا، میرا کوئی مفاد نہیں تھا مگر میں خود اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا، کیا کرتا میں؟ میں تو آپ کو بے خبر رکھنا چاہتا تھا مگر آپ نے مجھے...... مجبور کر دیا، ہاں یہی سچ ہے طالعہ! ''معیز وقار آپ سے عشق کرتا ہے۔'' وہ نم آنکھوں اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولتا چلا گیا وہ کتنا ہارا ہوا تھا۔

طالعہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا، بے یقینی سی بے یقینی تھی، اس نے خالی نظروں سے معیز کو دیکھا اور دوڑتی ہوئی وہاں سے نکل گئی، معیز نے دھندلی نگاہ سے اسے جاتے دیکھا اور سوچا۔

''آج سب کچھ ختم ہو گیا۔'' اذیت اور وحشت کے عالم میں اس نے اپنے بال نوچ ڈالے تھے۔

☆☆☆

طالعہ کے گھر سے واپس آتے ہی اسے تیز بخار نے آ گھیرا تھا اور پھر پتا نہیں کیا ہوا ہر طرف اندھیرا چھا گیا، تاریکی وحشت نے نیم غنودگی کے عالم میں ممی کو روتے اور کہتے سنا کہ۔

''معیز کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔''

اور پتا نہیں اسے بیڈ پہ لیٹے کتنی صدیاں بیت گئیں تھیں، اسے وقت کوئی اندازہ نہ تھا، وہ مر جانا چاہتا تھا، اس زندگی سے کیا حاصل؟ ایسے ہی ایک اداس دن ہاسپٹل کا روم کا دروازہ کھلتا دیکھا اور جو وجود اندر آیا اس نے معیز کو آنکھیں میچ لینے پہ مجبور کر دیا، وہ کبھی طالعہ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ اس کے پاس آ گئی، سرخ گلابوں کے بکے اس نے معیز کے تکیے کے پاس رکھ دیا جن کی بھینی بھینی مہک اس کی کمزور حس شامہ میں گھس کر اس کے اندر عجب اتھل پتھل مچا رہی تھی۔

''کیسے ہو معیز؟'' طالعہ کی غمگین آواز اس کے کانوں میں پڑی اور اس کے ساتھ ہی طالعہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا، معیز نے اس سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر نقاہت اس قدر تھی کہ وہ ہل بھی نہ سکا، یہ وہی زخمی ہاتھ تھا جس سے اب تک درد کی ٹیسیں اٹھتی تھیں، مگر اب طالعہ کا لمس اسے جلا رہا تھا۔

''کیوں کیا تم نے ایسا؟'' طالعہ رو رہی تھی۔

''تم کیوں ٹھیک نہیں ہونا چاہتے بولو معیز؟ کیا مجھ سے محبت تمہارے لئے باعث شرمندگی ہے جو آنکھیں بند کر رہے ہو؟ محبت تو انسان کو مضبوط بناتی ہے معیز! پھر تم کیوں کمزور پڑ گئے؟'' معیز کا ہاتھ لرز اٹھا، وہ اسے روکنا چاہتا تھا مگر اس کی زبان جیسے چمڑے کا سخت ٹکڑا بن چکی تھی وہ کچھ بھی نہ بول سکا، بے بسی کے احساس سے اس کے آنسو بہنے لگے۔

''بتاؤ مجھے کیا تمہارے نزدیک میں اس قدر سخت دل تھی؟ کیا کیا ہے تم نے، محبت ہی تو کی ہے، اگر کوئی جرم کیا ہے تو بتاؤ مجھے میں سزا سنا دوں تمہیں؟'' وہ مدھم سسکیوں کے درمیان بول رہی تھی۔

''میرے ساتھ ایسا مت کرو معیز! جیسا خاور نے کیا، مجھے چھوڑ کر مت جاؤ، ابھی تو میں نے تمہاری محبت کا کوئی رنگ نہیں پرکھا، ابھی تو مجھے تم سے ڈھیروں باتیں کرنا ہیں، ابھی تو میں نے تمہیں جاننا شروع کیا ہے اور تم...... تم ہاتھ چھڑا رہے ہو؟''

''مجھے اس اعزاز سے محروم مت کرو کہ اتنے خالص شخص نے مجھے چاہا ہے۔'' اس نے معیز کا ہاتھ چھوڑا اور واپس جانے کے لئے کھڑی ہوگئی۔

''میں تمہارا انتظار کروں گی معیز!''

☆☆☆

اور یہ ایک اداس شام کا منظر تھا، لان چیئرز پہ معیز اور ممی براجمان تھے، ٹیبل پہ لوازمات دھرے ہوئے تھے جن سے معیز قطعاً لاتعلق تھا جبکہ ممی اسے جوس پینے پہ آمادہ کرتے نڈھال ہوئی جا رہی تھیں۔

''تمہیں پتا ہے تم بیمار ہو کر کتنے ضدی اور تند ہو جاتے ہو؟'' وہ چڑ کر پوچھ رہی تھیں۔

معیز کے لبوں پہ ایک پھیکی مسکراہٹ نے پل بھر کو جھلک دکھلائی اور غائب ہوگئی۔

''مجھے پتا ہے ممی! میں بالکل اچھا نہیں ہوں جبھی تو ہمیشہ آپ کو اور پاپا کو دکھ دیتا ہوں۔'' وہ رنجیدہ تھا۔

''تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟ تم اس دنیا کے سب سے اچھے بیٹے ہو معیز! اور ہم تمہاری بات مان تو رہے ہیں میری جان! تمہارے پاپا کہہ رہے تھے کہ وہ بالکل دباؤ نہیں ڈالیں گے تم پہ، تم جو کیریئر سیٹ کرنا چاہو گے اور جو بھی فیلڈ چننا چاہو گے انہیں قطعاً کوئی اعتراض نہیں ہو گا پھر کیوں پریشان ہو۔''

پہلے حیرت و دکھ سے بولتی وہ آخر میں اسے سمجھانے لگیں تھیں، وہ صرف سر ہلا کر رہ گیا کہہ نہ سکا کہ۔

''ممی! بعض نقصان ساری زندگی قرض چکا کر بھی نہیں ادا ہوتے جیسے میں نے طالعہ کا اعتبار کھو کر زندگی بھر کا خسارہ اپنی مٹھی میں لے لیا ہے۔'' اس کی دلکش آنکھوں کے نیچے گہرے ہوتے حلقے اس پل ممی کو دہلا گئے تھے، وہ بات بدل گئیں۔

''یہ خاور کہاں ہے آج کل؟''

''پتا نہیں میں اس سے کونٹیکٹ میں نہیں ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''وہ تمہارا اکلوتا دوست ہے معیز! حد ہے کم از کم اس سے ہی مل لو، کچھ دل بہل جائے گا اور طالعہ کدھر ہے؟ ہاسپٹل تو آتی رہی تمہیں دیکھنے کے لئے، گھر نہیں آئی، خیریت؟'' وہ پوچھنے لگیں۔

مگر طالعہ کے ذکر پہ معیز کے بدلتے تاثرات نے انہیں ٹھٹکا دیا تھا۔

''پتا نہیں ممی۔'' وہ نظریں جھکا کر بولا تھا۔

''معیز! ایک بات پوچھوں؟ تم کہیں انوالو تو نہیں ہو؟ اگر ایسا ہے تو پلیز مجھے بتا دو، میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی، مگر خدارا کچھ بولو تو سہی کچھ کہو تو......'' وہ بے بس سی ہوگئیں۔

''اس کا کوئی فائدہ نہیں ممی! جس لکیر پہ ان کا نام تھا وہ میرے ہاتھ میں ہی نہیں۔'' زرد چہرے اور سرخ آنکھوں سمیت وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اندر کی سمت بڑھ گیا۔

وہ پھیکی رنگت لئے اسے دیکھتی رہ گئیں، کہیں کچھ غلط تھا مگر کیا؟ پھر ان کے ذہن میں ایک خیال برق کی طرح چمکا تھا۔

''کہیں وہ لڑکی طالعہ تو نہیں؟''

☆☆☆

اور بہت زیادہ دن نہیں گزرے تھے جب فاروق احمد کے سامنے وقار حسین اور ثمرین وقار بیٹھے تھے یہ سوال لے کر کہ وہ معیز کو اپنی فرزندی میں لے لیں تو ان کے لئے اس سے بڑا اعزاز اور کوئی نہیں ہو گا اور بے حد حیران مگر خوش فاروق احمد نے رسمی طور پر سوچنے کا وقت مانگا تھا۔

جب انہوں نے طالعہ سے بات کی تو اس نے خاموشی سے سر جھکا کر سب کچھ ان پر چھوڑ دیا تھا، جس پر ان کا دل خوشی سے جھوم اٹھا، معیز انہیں ذاتی طور پر بے حد پسند تھا، اس لئے سوچنے کا تو سوال ہی نہ تھا۔

انہوں نے ہاں کر دی اور اسی دن طالعہ کے سیل پہ معیز کی کال آئی تھی۔

''آپ نے یہ کیوں کیا طالعہ؟'' اس کے لہجے میں کرب تھا، شکوہ تھا، آج پہلی بار وہ اس سے یہ سوال کرنا بھول گیا تھا کہ وہ کیسی تھی؟ طالعہ کو بہت عجیب لگا تھا۔

''تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو معیز؟'' وہ عجیب سے انداز میں بولی، معیز کچھ سمجھ نہ سکا۔

''ممی نے یہ قدم میرے علم میں لائے بغیر اٹھایا ہے طالعہ! آپ میرا یقین کریں...... میں ...... شرمندہ ہوں۔'' وہ بے بس تھا۔

''تمہیں میری خوشی اور سلامتی مقصود ہے نا معیز! تو پھر جو ہو رہا ہے اسے ہونے دو۔'' طالعہ نے قطعیت سے کہہ کر فون رکھ دیا۔

☆☆☆

اور ایک سنہری شام جبکہ پورا کراچی بہار کے رنگوں اور پھولوں کی خوشبو سے مہکا ہوا تھا، وہ طالعہ فاروق احمد سے طالعہ معیز وقار بن گئی اور اب وہ آمنے سامنے تھے اک دوجے کے روبرو، معیز کو لگا وہ کسی جنت زار میں ہے ایسا تو اس نے اپنے کسی حسین ترین خیال میں بھی نہ سوچا تھا کہ وہ اتنا خوش قسمت ہو سکتا تھا، کہ طالعہ فاروق اس کی قسمت میں لکھ دی جاتی۔

اس نے اپنے سامنے موجود گلابی سندھی اسٹائل کی لمبی سی فراک میں ملبوس طالعہ کو دیکھا جو کہ جنت سے اتری کوئی پری لگ رہی تھی، معیز نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام لیا، اسے خود کو یہ یقین دلانا تھا کہ حسن و وقار کا یہ نورانی پیکر اب اس کی ملکیت تھا، اس نے طالعہ کی ہتھیلی چوم لی۔

''مجھے بہت زیادہ لفظ نہیں آتے طالعہ! مگر میں نے آپ سے محبت کی ہے سچی اور پاک اور طلب سے بے پرواہ، جبھی تو ڈرتا تھا کہ کہیں آپ کو پا کر مغرور نہ ہو جاؤں۔'' اس کی چمکدار شہد رنگ آنکھیں طالعہ کے چہرے کو چوم رہی تھیں۔

''میں نے خاور سے محبت نہیں کی تھی اس کی خوبیوں سے کی تھی اور جب وہ سب fake نکلا تو خاور میرے دل سے بھی اتر گیا، مگر تم نے مجھے اپنی سچائی سے اسیر کیا ہے معیز، کبھی بدلنا مت ورنہ طالعہ مر جائے گی۔'' وہ ڈرے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''معیز کی جان! ایسا کبھی نہیں ہو گا۔''

معیز نے نرمی سے اسے چوما، طالعہ نے سر اس کے کاندھے پہ رکھ دیا۔

اور اس مہکی ہوئی شب میں سچ کے مسافر اپنی ہمراہی کا آغاز کر رہے تھے، آج معیز وقار نے طالعہ فاروق کو اپنی محبت کے انمٹ اور انمول سچ سے جیت لیا تھا۔

☆☆☆

تم آخری جزیرہ ہو

ام مریم

نویں قسط کا خلاصہ

مسز آفریدی، ژالے کی آنکھوں میں موجود حسان کے لئے پسندیدگی کے جذبے کو دیکھتی ہیں تو یکلخت جہان سے اپنا رویہ بدل لیتی ہیں، وہ جہان کو ژالے کی صحت مندی کی خوشی دی گئی پارٹی میں انوائیٹ کرتی ہیں مگر جہان اپنی مصروفیت کی بناء پر جا نہیں پاتا۔

ژالے جہان کی منتظر رہتی ہے مگر آس جب نراش میں بدلتی ہے تب اسے احساس ہوتا ہے جہان اس کی زندگی میں کس درجہ اہمیت اختیار کر گیا ہے مگر وہ مسز آفریدی کی جہان کی ذات میں دلچسپی کو پسند نہیں کرتی اور ان سے ناراضگی کا اظہار کرتی ہے۔

نوریہ پہ زینب کا راز افشا ہو جاتا ہے، نوریہ، زینب سے ناراضگی کا اظہار کرتی ہے اور زینب کو احساس دلانے کی کوشش بھی کہ اس نے جہان کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کی ہے، زینب پہ اس بات کا وقتی اثر ہوتا ہے۔

مسز آفریدی، جہان کو ژالے کے لئے اپنے طور پہ منتخب کر چکی ہیں مگر جہان کے انداز انہیں ناگواری میں مبتلا کرتے ہیں، وہ دانستہ اسے ژالے کی سمت متوجہ کرنے کے جتن میں مصروف ہونا چاہتی ہیں۔

معاذ پہ جہان کے شادی سے انکار کی بات کھلتی ہے تو وہ آگ بگولہ ہو جاتا ہے وہ جہان سے سچ اگلوانا چاہتا ہے اس کے گریز پہ وہ اسے بتاتا ہے کہ وہ پاکستان آ رہا ہے جہان حیران رہ جاتا ہے۔

دسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیئے

''تم میری بات سن رہے ہو جے!'' اس کی خاموشی سے عاجز ہو کر معاذ نے کسی قدر ناراض سے اسے پکارا تھا، وہ چونکا اور جیسے حواسوں میں لوٹ آیا، اس خوش کن خیال سے جو معاذ کی دھمکی نے اجاگر کر گیا تھا، کیا تھا اگر وہ خود کو بے بس ظاہر کرتا ذرا سا ڈھیٹ بن جاتا، پھر وہ اس کی ہوتی، وہ جس کو اس نے روح کی تمام گہرائیوں سے چاہا تھا، عشق کی حد تک عقیدت رکھی تھی، مگر نہیں یہ جبر ہی تو ممکن نہیں تھا، وہ محبت کی بجائے خیرات کا حقدار کیسے بن جاتا، یہ اس کی محبت کی ہی نہیں اس عقیدت کی بھی سخت توہین کے مترادف تھا جو اسے بہر حال گوارا نہیں تھی۔

''معاذ حسن آئی تھنک یہ میرا انتہائی پرسنل میٹر ہے، جس میں کسی کو انٹرفیئر کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا، کسی کو بھی نہیں معاذ تم سمجھ سکتے ہو نا؟ ذرا سوچو اگر تمہیں یہ حق حاصل ہو سکتا ہے تو مجھے کیوں نہیں؟ تم اگر نکاح کے بعد اپنی منکوحہ سے لاتعلقی اور بے زاری کا اظہار کر سکتے ہو صرف اس بنا پر کہ تمہارے نزدیک اپنی پسند کی اہمیت ہے تو پھر میرا معاملہ تو بہت معمولی نوعیت کا ہے، یہاں تو محض ایک بات تھی بڑوں کی سوچی ہوئی، میں امید رکھوں گا کہ آج کے بعد ہمارے درمیان یہ موضوع زیر بحث نہیں آئے گا۔''

وہ چیخا تھا نہ پھنکارا تھا اس کے باوجود اس کے سرد لہجے میں اتنی تھی سفاکی اس درجہ بیگانگی تھی کہ دوسری جانب معاذ جیسے صحیح معنوں میں سناٹے میں گھر گیا، اگلے کئی ثانیوں تلک ان کے درمیان سناٹا طاری رہا تھا، معاذ جیسے اپنی جگہ پہ ساکن تھا اور ایک عالم تحیر میں گم۔

''یہ تم ہو جے! تم اتنا کیسے بدل سکتے ہو؟'' خاصی تاخیر سے معاذ کچھ بولنے کے قابل ہوا تو اس کی آواز میں ہنوز غیر یقینی کا غلبہ تھا۔

''میں نے کہا نا معاذ اس کے علاوہ بات کرو۔'' جہان نے اسی سرد مہری اور بیگانگی و سفاکی سے جواب دیا تو معاذ نے گہرا طویل سانس کھینچا تھا۔

''مجھے اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کرنی جے!''

''تو پھر ٹھیک ہے میں فون بند کرتا ہوں، گڈ بائے۔''

اگلے لمحے وہ سلسلہ کاٹ چکا تھا، کچھ دیر تک ہونٹ بھینچے ساکن بیٹھا رہا، صرف زینب کی وجہ سے اس نے بنا سوچے اپنا ایک اور نقصان کیا تھا، عظیم اور بڑا نقصان، شدت ضبط کی کوشش میں صرف اس کا چہرہ نہیں سرخ ہوا آنکھوں سے بھی جیسے لہو چھلکنے لگا، وہ اٹھ کر تیزی سے باہر نکل گیا، اب پتہ نہیں اسے کتنی دیر لگنی تھی خود کو سنبھالنے میں۔

☆☆☆

بنا گلاب تو کانٹے چبھو گیا اک شخص
ہوا چراغ تو گھر ہی جلا گیا اک شخص
تمام رنگ میرے اور سارے خواب میرے
فسانہ تھے کہ فسانہ بنا گیا اک شخص
میں کس ہوا میں اڑوں کس فضا میں لہراؤں
دکھوں کا جال تو ہر سو بچھا گیا اک شخص

کھلا یہ راز کہ آئینہ خانہ ہے یہ دنیا
اور اس میں مجھ کو تماشا بنا گیا اک شخص

وہ بے کل تھا اور بے مقصد گاڑی سڑکوں پہ دوڑائے پھرتا تھا، وحشت کا کوئی انت تھا نہ کوئی انتہا، بے چینی ایسی کہ کسی پل قرار نہیں تھا، عشق کی اس آزمائش نے اس کے اعصاب شکستہ کر ڈالے تھے، اس نے ایک طویل گہرا سانس لیا اور گاڑی ایک جھٹکے سے روک دی، نگاہ کے سامنے اب فائیو اسٹار ہوٹل تھا، وہ اپنا غم غلط کرنا چاہتا تھا مگر طریقہ نہیں آتا تھا، حلق میں پیاس نے گویا کانٹے بچھا دیئے تھے، وہ گاڑی سے اترا تھا اور چلتا ہوا اندر آ گیا، ایک ٹیبل منتخب کی اور بیٹھ کر فریش جوس آرڈر کیا، سگریٹ سلگاتے ہوئے اس کی غیر ارادی نگاہ سامنے شفاف دیوار پہ آویزاں پینٹنگ میں الجھ گئی تھی، بلند و بالا پہاڑ سفید برف کی چادر میں چھپے ہوئے تھے تا حد نگاہ برف کی اجارہ داری نظر آتی تھی، اس منظر میں ایک ہٹ تھا جس کے ادھ کھلے دروازے میں ایک لڑکی اپنے ساتھی مرد کے شانے پہ سر ٹکائے اس کی سہارے کھڑی کسی بات پہ مسکرا رہی تھی، جھینپی ہوئی حیا آمیز مسکان اس کے عام سے چہرے کو بھی انوکھی دلکشی بخش رہی تھی، اس منظر میں کھوئے جہان کی ذہنی رو بہک گئی تھی، جنید بھائی شادی کے بعد ہنی مون کے لئے شمالی علاقہ جات جا رہے تھے، ساتھ میں نوجوان پارٹی کو بھی تیاری کا کہہ دیا، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، وہ سب بڑھ چڑھ کر گویا جنید بھائی اور بھابھی سے بھی زیادہ جوش و خروش سے تیاری کرنے لگے، زینب سب سے آگے آگے تھی، مما کے ڈانٹنے سمجھانے پہ نور یہ زیاد اور حسان ماریہ وغیرہ تو آرام سے بیٹھ گئے مگر اس کے کان پہ جوں بھی نہیں رینگی تھی۔

''وہاں آج کل برف باری ہو رہی ہو گی، میں لانگ شوز لانگ کوٹ اور گلاوز وغیرہ آج مارکیٹ سے لاؤں گی تا کہ مشکل نہ ہو۔'' زینب نے ناشتے کی ٹیبل پہ اعلان کیا تھا تو مما نے بے دریغ گھورا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے حماقت کرنے کی، آرام سے گھر بیٹھو، وہ لوگ ہنی مون پہ جا رہے ہیں کہ تمہارا ٹرپ لے کر۔'' مما کے غصیلے لہجے پہ زینب کا منہ بن گیا تھا۔

''اس میں ٹرپ لے جانے کی کیا بات ہے، وہ مناتے رہیں اپنا ہنی مون، ہم اپنا الگ سے انجوائے کر سکتے ہیں۔''

''ضرور الگ انجوائے کرنا مگر شادی کے بعد۔'' زیاد نے اسے چھیڑا تھا مگر اس نے جیسے کان نہیں دھرا۔

''مجھے نہیں پتہ میں جا رہی ہوں بس۔'' وہ اپنا فیصلہ سنا کر دھپ دھپ کرتی وہاں سے چلی گئی تو وجہ اسے جنید بھائی اور بھابھی کی پوری سپورٹ حاصل تھی مگر شام کو جب جہان آفس سے واپس آیا تو اس کی آنکھیں شدت گریہ سے بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔

''کیا ہوا تمہیں؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''مما مجھے بھائی کے ساتھ نہیں جانے دے رہیں۔''

''ٹھیک ہے، کوئی تک بھی نہیں بنتی۔'' اس کے کاندھے اچکا کر دی گئی رائے پہ زینب نے

اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور کر دیکھا تھا۔

"جے کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو مجھے چھوڑ کر میا کا ساتھ دینے کی، میں نے بتا دیا ہے۔"

وہ اس پہ ہمیشہ یونہی جارہ داری قائم رکھا کرتی تھی، وہ جو بات عام سے انداز میں دھونس سے کہہ دیا کرتی تھی جہان کی دھڑکنوں میں دنوں نہیں ہفتوں ہلچل مچائے رکھتی، جہان کے چہرے پہ ہلکی سی سرخی چھا گئی، اس نے ترچھی نگاہ سے اسے دیکھا تھا پھر مسکراہٹ دبائی۔

"اس کے باوجود کہ تم غلط ہو؟" زینب نے اس سوال پہ اسے ناراضگی سے دیکھا تھا اور نروٹھے پن سے بولی تھی۔

"اول تو میں غلط ہوتی نہیں ہوں، لیکن اگر کبھی میں غلط ہوئی بھی تب بھی آپ کو میرا ساتھ دینا ہوگا جے! بی کوز آپ میرے سب سے اچھے دوست جو ہیں۔" وہ کھلکھلائی تھی پھر اسے دیکھ کر اسی دھونس بھرے انداز میں بولی تھی۔

"مجھے ہر صورت مری جانا ہے، اس لئے بھی کہ مجھے مما نے ٹرپ کے ساتھ بھی نہیں جانے دیا تھا۔"

"زینی بھائی جان بھابھی کے ساتھ جارہے ہیں، اپنی شادی کے بعد پہلی مرتبہ، مناسب نہیں لگتانا، ہم سب پھر کبھی پروگرام بنا لیتے ہیں اکٹھے چلیں گے۔"

"میں آپ کے وعدوں پہ اعتبار کرنے والی نہیں، مجھے بس ابھی جانا ہے، آپ مما کو منائیں پلیز۔" اس نے سچ مچ ضد باندھ لی تھی پھر ہمیشہ کی طرح جیت اسی کی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے چلی جاؤ مگر اکیلی نہیں، تم بھی چلے جاؤ، جہان بیٹے ورنہ یہ انہی دونوں کے سر پہ سوار رہے گی۔" مما کو نئے نویلے دلہا دلہن کا بے حد خیال تھا جن کی پرائیویسی ان کی بدتمیز بیٹی کی وجہ سے خراب ہونے والی تھی۔

"میں اکیلا؟" جہان واقعی سٹپٹا گیا تھا۔

"اکیلے کہاں؟ یہ ہو گی نہ ماسی مصیبتے آپ کے ساتھ۔" زیاد نے زینب کی جانب اشارہ کر کے اسے چھیڑا تھا، مگر جہان یونہی متذبذب رہا تھا۔

"معاذ تم بھی چلو نا یار۔" اسے اور کچھ نہ سوجھا تو معاذ کی منت کی تھی جو فوراً رد کر دی تھی اس نے۔

"نان سنس، ایسی جگہوں پہ اپنے لائف پارٹنر کے ساتھ جایا جاتا ہے، یہ زینب تو پاگل ہے۔" اس نے نخوت سے کہا تھا اور جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا، پھر وہ ہمیشہ کی طرح وہاں بھی اسے عاجز کرتی رہی تھی اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں اور فرمائشوں کی وجہ سے، اس روز بھی وہ لوگ جب مال پہ چہل قدمی کر رہے تھے ہاتھوں میں کافی کے مگ لئے باتوں میں مصروف اچانک زینب کو رائیڈنگ کا شوق چرا گیا تھا۔

"جنید بھائی مجھے گھوڑے پہ بیٹھنا ہے۔" جے نے گہرا سانس بھرا تھا، جبکہ جنید بھائی کچھ گھبرا گئے۔

"نہیں گڑیا تم پہلے کبھی بیٹھی نہیں ہو نا، میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔"

"کیوں کیا اس کے لئے بھی ایکسپرنس کی ضرورت ہوتی ہے؟"

"بالکل ہوتی ہے، گھوڑا ابدک بھی سکتا ہے، میں چچی جان کو ان کی صحیح سالم بیٹی لوٹانا چاہتا ہوں۔" جنید بھائی نے ہنس کر بات ٹال دی تھی اور جہان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا اس وقت خاموشی اختیار کر لینے والی زینب اپنی ضد کی پکی نکلے گی اور ان میں سے کسی کو آگاہ کیے بغیر اپنے دل کی کرے گی، اگلے دو دن بہت شدید برف باری ہوتی رہی تھی، اتنی کہ وہ لوگ بھی ریسٹ ہاؤس کے کمروں تک محدود ہو کر رہ گئے تھے، جہان ابھی سو کر اٹھا ہی تھا اور باتھ لینے کا سوچ رہا تھا جب اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر بدحواس سے جنید بھائی اندر آئے تھے۔

"جہان میرے ساتھ چلو زینب کو ڈھونڈنے جانا ہے۔" اس نے سراسیمہ ہو کر جنید بھائی کو دیکھا جن کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کیا مطلب؟ کہاں گئی ہے وہ؟" آواز اس کے حلق سے پھنس کر نکلی تھی، جواب میں جنید بھائی نے اسے سارا واقعہ سنا دیا تھا جس کا لب لباب یہ تھا کہ زینب خودسری کا مظاہرہ کرتے ہوئے رائیڈنگ پہ گئی تھی، گھوڑے کے مالک کے آگاہ کرنے کے باوجود کہ گھوڑا اسرکش ہے دوپہر کے بعد کسی دوسرے گھوڑے کو فراہم کر دے گا مگر زینب نے اس کی بات نہیں مانی تھی اور اسی گھوڑے پہ بیٹھ گئی تھی، خدشہ سچ ثابت ہوا تھا گھوڑا ابدک گیا تھا اور بے قابو ہو کر برف زاروں میں اتر گیا تھا، جنید بھائی تفصیل سناتے ہانپ گئے تھے، جبکہ جہان کو لگا تھا کہ اس کے وجود پہ چیونٹیاں رینگنے لگی ہوں، وہ پریشان اور متفکر سا باہر آیا تو گھوڑے کے مالک سے اس کی ریسٹ ہاؤس کے برآمدے میں ہی سامنا ہو گیا تھا، وہ ریسٹ ہاؤس کا ملازم تھا اور گھوڑے رینٹ پہ دینے کا کام بھی کرتا تھا، زینب کل سے اس کے پیچھے پڑی ہوئی تھی اور بالآخر اسے مجبور کر کے اپنی ضد پوری کر لی تھی، منحنی سے غریب آدمی نے ہاتھ جوڑے روتے ہوئے گویا اپنی صفائی پیش کی تھی۔

"صاحب آپ یقین کرو، ہمارا کوئی قصور نہیں ہے، بی بی صاحبہ کو ہم نے بہت منع کیا وہ نہیں مانی تھیں۔" جہان اس کی پوری بات سنے بغیر آگے بڑھ گیا تھا، جنید بھائی اس کے ساتھ ساتھ تھے، ریسٹ ہاؤس سے باہر آتے ہی سرد ہواؤں میں اڑتے برف کے ذروں نے ان کا استقبال کیا تھا، ہر سو برف کا راج تھا ہولناک سناٹا جس میں موت کی ٹھنڈک تیرتی تھی، جہان کے اعصاب خوف سے سلب ہونے لگے، برف باری اتنی شدید تھی کہ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی سطح زمین سے بلند ہو رہی تھی، زینب جہان کہیں بھی تھی اسے ڈھونڈنا ڈھونڈنا گویا صحرا میں سوئی تلاش کرنے کے مترادف تھا۔

"بھائی آپ اس سمت جا کر دیکھیں میں ادھر تلاش کرتا ہوں۔" ہواؤں کی تیزی کے باعث اسے چیخ کر اپنی بات کہنی پڑی تھی پھر وہ ان کا جواب سنے بغیر تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا، وہ اس کی تلاش میں پاگلوں کی طرح سرگرداں تھا اور یہ سراسر پاگل پن ہی تھا، سراسیمگی وحشت میں ڈھل رہی تھی وہ ہر صورت اسے زندہ سلامت ڈھونڈنا چاہتا تھا، جب اس نے اپنے پیچھے کسی ذی روح کی موجودگی محسوس کی تھی وہ چونک کر پلٹا اسے اسی گھوڑے والے کی شکل نظر آئی تھی۔

"صاحب گھوڑا اس طرف سے واپس آرہا ہے وہ دیکھیں، آپ بی بی کو اس سمت تلاش

کریں۔'' جہان نے اس کی انگلی کی جانب سر گھمایا، وہ جگہ نسبتاً ہموار تھی، مگر برف وہاں بھی کثرت سے موجود تھی، جہان اندھا دھند اسی سمت بھاگا تھا، اسے راستے میں گھوڑے کے قدموں کے نشان برف کی نرم چادر میں دھنسے نظر آئے تھے، وہ انہی قدموں کے نشان پہ آگے بڑھا تھا اور اگلے لمحے اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا، جہان تیزی سے اس جانب لپکا تھا، اس کی نیلی پڑتی رنگت اور سختی سے بند آنکھیں اور جامد وجود جہان کی وحشت کو انتہا تک لے گیا تھا، اس نے اسی وحشت بھرے انداز میں اسے شانوں سے تھام کر زور سے جھنجھوڑا تھا۔

''ذینی آنکھیں کھولو زینی!'' وہ چیخ اٹھا تھا مگر زینب کی پلکوں میں خفیف سی جنبش کا احساس بھی باقی نہیں تھا، جہان نے گھبراہٹ میں مبتلا ہو کر اس کی نبض ٹٹولی پریشانی کی وجہ سے اسے بالکل تھمی ہوئی محسوس ہوئی تھی، اس نے ہونٹوں کو بھینچا تھا اور اسے جھک کر اپنے بازوؤں میں اٹھا کر واپسی کے راستے پہ دوڑ پڑا، شدید برف باری کی وجہ سے ریسٹ ہاؤس کے باہر راہداری تک سونی پڑی تھیں، بھابھی پریشانی کے عالم میں برآمدے میں ٹہلتی ہوئی مل گئی تھیں اسے زینب کو اس طرح اٹھائے آتے دیکھ کر تیزی سے اس کی جانب آئیں۔

''جہان یہ...... یہ...... زینب ٹھیک تو ہے نا؟'' ان کے لہجے میں ہی نہیں آنکھوں سے بھی خوف چھلک رہا تھا، جہان نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ انہیں ایک نظر دیکھا اور یونہی زینب کو اٹھائے اس کمرے میں آ گیا جہاں وہ قیام پذیر تھی۔

''بھابھی اگر بھائی کے پاس سیل فون ہے تو انہیں زینب کے ملنے کا بتا دیں۔'' زینب کو بیڈ پہ لٹانے کے بعد اس پہ کمبل برابر کرتا ہوا وہ خود آتش دان جلانے لگا، اس کام سے فراغت کے بعد اس ریسٹ ہاؤس کی انتظامیہ سے رابطہ بحال کر کے صورتحال بتا کر ڈاکٹر کو بھیجنے کا کہا تھا۔

''بھابھی آپ زینب کو مصنوعی تنفس دے سکتی ہیں؟ ڈاکٹر کو آنے میں کچھ وقت لگے گا جبکہ یہ بے ہوشی بہت خطرناک ثابت ہو رہی ہے۔'' وہ بے حد پریشانی کے عالم میں اسما بھابھی سے مخاطب ہو کر بولا تو وہ جو گھبراہٹ زدہ انداز میں زینب پہ اپنے کمرے سے بھی کمبل لا کر اسے ڈال رہی تھیں اس کی بات سن کر گھبراہٹ کچھ اور بڑھ گئی۔

''مم...... میں کوشش کرتی ہوں، تمہارے بھائی کو بھی فون کیا ہے بس آتے ہی ہوں گے۔'' انہوں نے جواب دیا تھا پھر جہان کی ہدایت کے مطابق زینب کو تنفس دینے لگیں مگر زینب کی سانسیں ہر لمحہ ڈوبتی جا رہی تھیں، جہان نے انہیں ہٹا دیا تھا، اس جھجک اور گریز میں اگر پڑا رہتا تو یقیناً وہ اسے موت کے حوالے کر دیتا اور ایسا وہ ہرگز نہیں کر سکتا تھا اور جس پل وہ اس کے یخ بستہ ہونٹوں سے اپنے ہونٹ ملائے اپنی تمام ہمتیں مجتمع کیے اس کی سانسیں بحال کرنے کی تگ و دو میں مصروف تھا جنید بھائی اور ڈاکٹر ریسٹ ہاؤس کے مینجر کے ساتھ اندر داخل ہوئے تھے، ڈاکٹر نے جہان کی اس بروقت اپنائی گئی حکمت عملی کو سراہا تھا زینب کو ٹریٹمنٹ دینے میں مصروف ہو گیا تھا۔

''پریشانی کی بات نہیں ہے اب، انہیں کچھ دیر میں مکمل ہوش آ جائے گا، ہاں اگر یہ ان کا تنفس بحال نہ کرتے تو پھر ضرور پرابلم ہو سکتی تھی۔''

جنید بھائی کے زینب کے متعلق استفسار پہ ڈاکٹر نے تسلی سے نوازتے ہوئے جہان کو ایک بار

پھر سراہا تھا۔

''انہیں فی الحال زیادہ ہیٹ میں رکھیں، چند گھنٹوں میں بالکل نارمل ہوں گی۔'' جنید بھائی نے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا تھا اور انہیں چھوڑنے باہر تک ساتھ گئے تھے، جہان وہیں کھڑا زینب کے چہرے کو یک ٹک دیکھتا رہا تھا، اس کے اعصاب ابھی تک تنے ہوئے تھے۔

''ریلیکس جہان! کہا ہے نا ڈاکٹر نے اب خطرے والی کوئی بات نہیں۔''

جنید بھائی واپس کمرے میں آئے تھے اسے ہنوز مضطرب پا کر رسانیت بھرے لہجے میں تسلی دی تھی۔

''یہ ٹھیک ہو تو آج ہی اسے واپس لے کر چلوں گا، جان نکال کے رکھ دی ہے ہماری۔'' اس نے خود پہ قابو پا کر اب قدرے خفگی کا مظاہرہ کیا تو جنید بھائی مسکرائے تھے۔

''کم آن یار بچی ہے ابھی! تم اب کسی اور سے ذکر مت کرنا ورنہ سب سے ڈانٹ پڑے گی بیچاری کو۔'' جنید بھائی کی سفارش پہ وہ انہیں دیکھ کر رہ گیا مگر اس کی ان کی بات پہ عمل کرنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا، لیکن جب وہ مکمل حواسوں میں لوٹنے کے بعد بھابھی سے ساری تفصیل جان چکی تو گہرا سانس بھر کے جہان کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔

''جب گھوڑے کی پشت پہ میں پھسل کر گری تھی تب مجھے یقین تھا جے مجھے اس مشکل سے نکال لیں گے، ایسا ہی ہوا ہے نا، دیکھ لیں میرے اندازے غلط ثابت نہیں ہوا کرتے۔'' اور جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا تھا اور اس کی بات پر۔

''مشکل میں مدد کرنے والی اللہ کی ذات ہی ہوتی ہے زینی! میں تو بس سبب بنایا گیا تھا۔''

''چاچو سے تمہاری شکایت لگانے کا پکا ارادہ کر چکا ہو۔'' جنید بھائی نے مسکرا کر کہا تو زینب نے چونکے بنا جہان کو دیکھا تھا۔

''امپاسبل! مجھے پتہ ہے جے ایسا کچھ نہیں کریں گے کبھی جس سے مجھے تکلیف ہو، ہے نا جے!'' اس کے لہجے کے مان اور یقین نے جہان کو جکڑ لیا تھا وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

ویٹر نے جوس لا کر اس کے سامنے رکھا تب وہ ہڑبڑا کر واپس حال میں لوٹا تھا مگر اس طرح کہ سماعتوں میں ہنوز زینب کی آواز کی بازگشت گونجتی تھی، اس کے ہونٹوں پہ زخمی مسکان بکھر گئی۔

(تم صحیح کہتی تھیں زینب! تم مجھے مجھ سے بڑھ کر جانتی تھیں شاید، اور میں اپنا سب کچھ گنوا کر تمہاری خواہش تمہاری توقع پوری کر دی ہے۔)

اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں، اس نے جوس کا سیپ لیتے ہوئے رسٹ واچ پہ ٹائم دیکھا تھا، شام کے ساتھ بج رہے تھے، جاتی گرمیوں کی یہ قدرے خوشگوار شام تھی مگر اس کے اندر غضب کی حدتیں اتری ہوئی تھیں اس نے جوس ختم کیا تھا پھر بل پے کرتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر اٹھا تھا، واپسی کو قدم اٹھاتے ہوئے وہ اپنی دھن میں تھا کہ سیکنڈ فلور کی سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ ایکدم ٹھٹکا، بلاشبہ وہ ژالے تھی لڑکھڑاتی چال کے ساتھ شفاف لابی عبور کر کے سیڑھیوں کی سمت آتے وہ تیسری مرتبہ زور سے ڈگمگائی تھی، جہان ششدر کھڑا ہو کے اسے دیکھنے لگا، سیکنڈ فلور میں وہ بھی جانتا تھا ہر ناجائز کام بڑے دھڑلے سے کیا جاتا تھا، ڈرنک سے لے کر کال گرلز سے ملاقات اور

آگے کے تمام مراحل تک، وہ اسی سمت سے آرہی تھی، اس کی لڑکھڑاتی چال اس کی مدہوشی کی ازخود چیخ چیخ کر گواہی دیتی تھی، وہ بھونچکا کھڑا تھا کہ وہ اسی بے خودی کی کیفیت میں اس مرتبہ زور سے لڑکھڑائی تھی اور یقیناً سنبھلے بنا سر کے بل سیڑھیوں سے نیچے فرش پہ گرتی مگر جہان بروقت ہوش میں آگیا تھا، اس نے جانے کس جذبے کے تحت آگے بڑھ کر اسے سنبھالا دیا تھا، جہان اسے دوبارہ کھڑا کر دینا چاہتا تھا مگر وہ اس کے بازوؤں میں بے جان شے کی مانند جھول کر رہ گئی تھی، جہان کے اعصاب ایکدم سے پراگندہ ہو کر رہ گئے، اس نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ قہر ساماں تاثرات سمیت اسے ناگواری سے دیکھا وہ مکمل طور پہ حواسوں سے باہر تھی، یہ تو نیکی گلے پڑنے والی بات ہوگئی تھی، وہ صحیح معنوں میں اس آکورڈ سچوئیشن پہ بوکھلا اٹھا تھا، طوعاً و کرہاً وہ اسے یونہی اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے سیڑھیوں سے اترا تھا مگر اس طرح کہ چہرے سے اندرونی کیفیت صاف ظاہر تھی، تبھی ریسپشن پہ موجود لڑکی لپک کر اس کی جانب آئی تھی۔

''خیریت سر! ان کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' ریسپشنسٹ کی نظریں ژالے کی ڈھلک جانے والی گردن پہ تشویش زدہ انداز میں ٹھہری تھیں۔

''ٹھیک ہوتیں تو اس حالت میں ہوتیں؟'' جہان جواباً بے حد درشتی سے بولا تھا پھر اسے کچھ فاصلے پہ موجود کاؤچ پہ لٹانے کے بعد کوٹ کی جیب سے سیل فون ٹٹول کر نکالا اور مسز آفریدی کا نمبر پش کیا تھا۔

''آپ کو فوری یہاں آنا ہوگا، مس ژالے کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے۔'' رابطہ بحال ہونے پہ اس نے بغیر اسلام دعا کے بڑے روڈ انداز میں ہوٹل کا نام بتا کر گویا اطلاع دی تھی جبکہ وہ دوسری سمت اسی قدر پریشان اور مضطرب ہو کر اس سے سوال پہ سوال کرنے لگیں۔

''کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ زور سے چلائیں تو جہان نے یوں ناگواری سے سیل فون کو گھورا تھا گویا وہ ہی مسز آفریدی ہو۔

''یہ محض اتفاق تھا کہ میں نے عین اس وقت انہیں دیکھا جب وہ بے ہوش ہو کر گر رہی تھیں، آئی ڈونٹ نو کہ انہیں کیا ہوا ہے؟'' جہان نے جیسے مجبوراً صورتحال کی گمبھیرتا کو ان پہ آشکار کیا تھا، مسز آفریدی جیسے سناٹے میں گھر گئیں۔

''جہانگیر بیٹے پلیز ہیلپ می! آپ ژالے کو اپنی گاڑی میں ہمارے گھر لے آئیں گے؟ پلیز انکار مت کیجئے بیٹے ایچولی میں اس وقت ٹریفک میں پھنسی ہوئی ہوں کچھ نہیں کہہ سکتی مجھے یہاں سے نکلنے میں کتنی دیر لگی ہے جبکہ ژالے کی طبیعت ٹھیک نہیں اسے فوری ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے، میں ڈاکٹر کو کال کرتی ہوں وہ تب تک گھر پہنچے گا۔'' انہوں نے کسی قدر عجلت میں اپنا مدعا بیان کیا تو جہان سخت تذبذب کا شکار ہو گیا تھا۔

''لیکن میم......!''

''پلیز...... پلیز بیٹے آپ کو اللہ کا واسطہ ہے۔'' وہ فون پہ ہی سسک اٹھی تھیں، جہان کے چہرے پہ ایک دم تغیر چھانے لگا۔

''اوکے میں کرتا ہوں کچھ، ڈونٹ یو وری۔'' اس نے سیل فون کان سے ہٹا کر گہرا سانس بھرا

تھا، ژالے کو وہاں سے اٹھا کر گاڑی تک لے جانے کا مرحلہ از حد ناگواری و مجبوری لئے ہوئے تھا جسے اس نے ہونٹ بھینچ کر بے زار کن تاثرات کے ساتھ انجام دیا تھا، اطراف میں بہت سی حیران کن اور متجسس نگاہیں جنہیں یکسر نظر انداز کیے وہ پارکنگ میں موجود اپنی گاڑی تک پہنچا تھا، کوٹ کی جیب سے چابی نکال کر گاڑی کا پچھلا دروازہ ان لاکڈ کیا تھا اور اسے کسی ناگوار بوجھ کی طرح ہی اپنے بازوؤں سے ہاتھوں اور ہاتھوں سے سیٹ پہ منتقل کر کے سکون کا لمبا سانس کھینچا اور خود گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، ایک بار بھی پلٹ کر اس کی سمت دیکھے بغیر وہ بڑے سرد تاثرات سمیت جب آفریدی ہاؤس کے وائٹ گیٹ کے سامنے ہارن بجا رہا تھا اسی پل مسز آفریدی کی بلیک اکارڈ بھی اس کی گاڑی کے برابر آن کر رکی تھی، جہان نے ایک نگاہ غلط انداز ان پہ ڈالے بغیر گاڑی کھلے گیٹ سے اندر داخل کر دی۔

''انہیں اندر لے جائیں مجھے واپس بھی جانا ہے۔''

مسز آفریدی گاڑی پورچ میں روکتے ہی بے تابانہ اس کی سمت لپکی تھیں اور گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بے سدھ پڑی ژالے پہ جھک کر اس کا گال تھپتھپا کر اسے آوازیں دے رہی تھیں جب جہان نے اپنی جگہ سے حرکت کیے بنا سرد و سپاٹ چہرے کے ساتھ نہیں مخاطب کیا تھا، مسز آفریدی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر ایکدم سیدھی ہو گئیں۔

''آئی ایم ساری بیٹا مجھے اندازہ ہے کہ آپ کو بہت زحمت دے چکی ہوں مگر جہاں اتنا احسان کیا ہے پلیز ہنی کو اس کے بیڈ روم میں پہنچا دو، میں اکیلی کیسے لے جا سکتی ہوں اسے۔'' ان کے اگلے مطالبے نے صحیح معنوں میں جہان کو چکرا کے رکھ دیا تھا۔

''آپ اپنی کسی ملازمہ کی مدد سے یہ کام کر لیں، آئی ایم ساری میں آپ کی مزید کوئی مدد نہیں کر سکتا۔'' اسے جتنی ناگواری محسوس ہوئی تھی اس لحاظ سے اس نے صاف لفظوں میں بہت واضح انکار کیا تھا، مسز آفریدی کا رنگ واضح طور پر پھیکا پڑ گیا۔

''دیکھو بیٹے میرے گھر میں کوئی فی میل سرونٹ نہیں ہے، مجھے اندازہ ہے کہ آپ کو یہ سب اچھا نہیں لگ رہا مگر میں اپنی جوان بچی کو غیر مردوں کے حوالے بھی تو نہیں کر سکتی، پلیز بیٹے!'' وہ عاجزی اور دلگیری کا کچھ ایسا مظاہرہ کر رہی تھیں کہ جہان نے ہونٹ بھینچ کر تپتی نظروں سے انہیں دیکھا تھا ایک پل کو جی تو چاہا تھا جتلا دے کہ میرے حوالے اگر بخوشی کر رہی ہیں تو مجھے اس کا محرم سمجھتی ہیں کیا؟ مگر اسے یہ بات مناسب محسوس نہیں ہوئی تھی، جبھی خاموشی سے ان کی بات پہ عمل کر گیا، اس کے خیال میں اب اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا، اگر وہ یہاں تک ان کی مدد کر چکا تھا تو پھر اس بات پہ اڑ جانا کچھ معنی نہیں رکھتا تھا، اسے ایک مرتبہ پھر ژالے کو اٹھانا پڑا تھا مگر غصے اور بے بسی کے احساس سمیت دماغ کی شریانیں گویا پھٹ رہی تھیں، وہ اس قدر نزدیک تھی کہ جہان جس قدر بھی نگاہ چرانا چاہتا یہ ممکن نہیں تھا، وہ قدرت کی صناعی کا بہترین نمونہ تھی گویا، معصومیت، جاذبیت اور دلکشی کا مکمل پیکر اس کے بے حد ریشمی سیاہ گھنے بال جہان کے بازو سے لپٹ گئے تھے اور ریشمی پلکیں عارضوں پہ ساکن پڑی تھیں سیڑھیاں چڑھ کر اس کے بیڈ روم تک آتے جہان کو کسی عجیب احساس نے گھیرا تھا، یہ احساس احساس گناہ کے سوا تھا یقیناً جس پل وہ ژالے کو اس کے بیڈ

پہ لٹا رہا تھا اس کے جبڑے سختی سے بھینچے ہوئے تھے، مسز آفریدی اس سے کچھ توقف سے اندر داخل ہوئی تھیں، وہ انہیں ژالے میں مصروف چھوڑ کر تیر کی مانند وہاں سے نکلا تھا، اپنی گاڑی کو واپسی کے راستوں پہ دوڑاتے ہوئے بھی اس کے اعصاب شدید تناؤ کا شکار تھے، وہ ابھی خود کو مکمل طور پہ سنبھال نہیں پایا تھا جب اس کے سیل پہ زینب کی کال آنے لگی تھی، جہان نے دو بار اس کی کال منقطع کی تھی مگر وہ پھر بھی باز نہیں آئی تو جہان کو اس سے بات کرنا پڑی۔

''یہ آپ جو کچھ بھی میرے ساتھ کرنے لگے ہیں جے آپ کو اس کا اندازہ ہے؟'' وہ چھوٹتے ہی اس پہ برس پڑی تھی۔

''ٹو دی پوائنٹ بات کرو زینب پلیز!'' وہ کسی طرح بھی اعصاب کی کشیدگی پہ قابو نہیں رکھ سکا جبھی زینب کو آگ لگ گئی تھی۔

''دس از ٹو مچ جے انف!'' وہ چیخ پڑی جہان نے ہونٹوں کو باہم بھینچا تھا۔

''اب کیا ہو گیا ہے؟'' وہ عاجز ہو گیا۔

''تیمور کی فیملی آئی تھی، مگر پپا نے انہیں صاف انکار کر دیا ہے۔'' وہ جیسے رو دینے کو تھی جہان کے اعصاب ایکدم اضطراب سمیٹ لائے۔

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں تھا؟'' وہ بولا۔

''آپ کال اٹینڈ کرتے ہیں میری! کیسے بتاتی؟'' وہ پھر برسنے لگی۔

''مائی گڈنیس!'' جہان نے اپنی پیشانی کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا۔

''تیمور کا موڈ بے حد خراب ہے، انسلٹ ہوئی ہے ان بھلے لوگوں کی۔''

''آئی ایم ساری زینب مم...... میں کچھ کرتا ہوں، تم تیمور سے کہو وہ ایک بار پھر اپنے گھر والوں کو بھیجے۔'' وہ کوشش کے باوجود اپنا لہجہ متعدل نہیں رکھ پا رہا تھا۔

''آپ فی الفور یہاں آئیں، پپا سے بات کریں جے!'' اب کے وہ بولی تو اس کا لہجہ کسی حد تک قابو میں تھا۔

''او کے ڈونٹ یو وری! میں آؤں گا۔''

''کب آئیں گے، آج ہی آئیں ابھی۔'' زینب نے ہمیشہ کی طرح دھونس زور زبردستی کا انداز اپنایا تھا اور جہان میں ہمیشہ کی طرح ہمت نہیں تھی کہ انکار کرتا۔

''او کے آ رہا ہوں۔'' اس نے سلسلہ منقطع کیا اور اسی وقت سیٹ کنفرم کرانے کے لئے فون پہ نمبر ڈائل کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

تم گئے دنوں میں جو ساتھ تھے
میرے قلب و جاں کا ثبوت تھے
یہ بلاوجہ تیرا روٹھنا
میری زندگی کو مٹا نہ دے
تیرے سامنے میرے ہمسفر میری دھڑکنوں کی بساط کیا
تیرا اس طرح مجھے دیکھنا میری عمر کو گھٹا نہ دے
تجھے علم ہے اے طبیب جاں!
تیرا پیار میری حیات ہے
میں مریض ہوں تیرے قرب کا مجھے دور جا کے دوا نہ دے
یہاں سب اندھیر پرست ہیں
یہاں روشنی کی مجال کیا
یہ چراغ پھر بھی چراغ ہے
کوئی آتے جاتے بجھا نہ دے

جس وقت وہ شاہ ہاؤس پہنچا، وہاں کے مکیں ناشتے کی ٹیبل پہ موجود تھے، اسے روبرو پا کے وہ بھی غیر متوقع گویا ایکدم ہلچل سی مچ گئی تھی۔

''کیسے ہو زیاد؟'' چونکہ سب سے پہلے زیاد نے اسے دیکھا تھا جبھی اس کی جانب آ گیا، مگر زیاد کی نگاہوں میں سرد مہری تھی نخوت تھا، وہ ہمیشہ کی طرح اس کا پرجوش استقبال کر سکا نہ تپاک سے گلے لگا۔

''لوگوں کی بے حسی اور بے اعتنائی کے باوجود اللہ کا بہت شکر ہے، سر اٹھا کر جی رہے ہیں۔'' اس کی آنکھوں کی طرح اس کا لہجہ بھی سرد تھا اور جہان اس سرد پن کے باعث ٹھٹکا رہ گیا تھا، جبکہ زیاد ناشتہ ادھورا چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

''پاگل ہے وہ بالکل! تم اس کی بیوقوفی کی وجہ سے ٹینس مت ہونا۔'' جنید بھائی نے اٹھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے رسانیت اور بڑے پن سے جواب دیا تھا جہان کے چہرے کی پھیکی پڑی رنگت پھر بھی بحال نہیں ہو سکی۔

''باقی سب کہاں ہیں؟'' جہان نے ٹیبل پہ پپا جان پاپا اور مما جان کے ساتھ مما کی غیر موجودگی کو نوٹس کرتے ہوئے سوال کیا تھا۔

''یار تم کچھ لیٹ ہو گئے ہو، چاچو اور پاپا جان ابھی کچھ دیر پہلے آفس کے لئے نکل ہیں، چچی جان زینب اور ماریہ کے ساتھ کچن میں ہیں، اسما بلاؤ انہیں کہو جہان آیا ہے۔'' جنید بھائی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے ساتھ ہی بیوی کو بھی کام سے لگایا تھا، مما اور مما جان ہمیشہ کی طرح اسے دیکھ کر خوشی سے کھلی نہیں تھیں، مما جان تو اسے گلے لگاتے ہی آبدیدہ ہو کر رہ گئیں۔

''میرا بچہ مہمان ہو کر رہ گیا، کبھی کبھار صورت دکھاتا ہے۔''

وہ بار بار اس کی پیشانی چوم رہی تھی، جہان نے بڑی مشکلوں سے ان کا دھیان بٹایا، مما کسی قدر خاموش اور گم صم نظر آتی تھیں، وہیں ان سے کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا، اس دوران اس نے شدتوں سے زینب کی نگاہوں کی تپش کو محسوس کیا تھا مگر اس نے خود پہ اس کی سمت دیکھنا گویا حرام قرار دیا تھا۔

''مما جان کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہتی ہیں، بالکل اجنبی لگنے لگے ہیں۔'' جیسے ہی ٹیبل پہ زینب کو اس کے ساتھ تنہائی میسر آئی اس نے ناشتے میں مصروف کسی قدر ریزروڈ نظر آتے جہان کو دیکھ کر

جتلانے کے انداز میں کہا تھا، جہان نے جواباً ناشتے سے ہاتھ کھینچ کر لمحہ بھر کو اسے دیکھا تھا۔

"اب پہلے والی بات رہنی بھی نہیں چاہیے، تم پرائی ہونے جا رہی ہو، ہمیں ہر قدم سوچ کر اٹھانا ہوگا، کیا پتہ کون سی بات تمہارے ہونے والے شوہر کو بری لگ جائے۔" اس نے شعوری کوشش سے لہجے میں بے پروائی اور توازن کو قائم رکھا تھا، زینب نے دھیان سے اسے دیکھا۔

"بہت پرواہ ہے میرے شوہر کی؟" وہ سلگی تھی۔

"تمہاری وجہ سے ہی ہے، تمہیں تو اچھی لگنی چاہیے۔" وہ ہنوز پرسکون تھا، زینب کچھ اور سلگی۔

"اطلاعاً عرض ہے ابھی میں یہاں اپنے باپ کے گھر پہ ہوں۔"

"کب تک؟ محض چند ماہ، جب ایک کام کرنا ہی ہے تو اسے کیوں نہ کر لیا جائے۔" جہان نے اسے جتلایا تھا اور کرسی گھسیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"پھر تو مجھے بھی محتاط ہو جانا چاہیے، آپ بھی تو کسی اور کے ہو چکے ہیں، آپ کی ہونے والی بیوی کو بھی کچھ برا لگ سکتا ہے۔" وہ چیخ گئی تھی اس کے لہجے میں کانچ کی تڑخ تھی، جہان نے گہرا سانس کھینچا تھا۔

"یہی تو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں تمہیں احمق لڑکی!" اب کے وہ دانستہ مسکرایا تھا، مقصد اسے سلگانا تھا اور وہ کامیاب رہا تھا۔

"آپ کی یہ بھول ہے، میں کسی سے خائف ہونے والی ہوں نہ دینے والی، اونہہ ہونے والی بیوی۔" وہ تلخی و نفرت سے پھنکاری، جہان نے اسے دیکھا اس کی گلابی مائل بے تحاشا سفید رنگت سرخ پڑ چکی تھی۔

"میں کچھ دنوں کو یہاں ہوں، تم کوشش کرنا، تیمور کی فیملی کو انہی دنوں دوبارہ بلوالو۔"

"بے میں آپ کو بتا رہی ہوں، میں ہرگز بھی آپ سے اپنی دوستی ختم نہیں کروں گی نہ میں آپ کی اس ہونے والی سے ڈرتی ہوں سمجھے ہیں نا آپ، مجھے آپ کی دوستی بے حد عزیز ہے۔" اس نے جہان کی بات جیسے سنی ہی نہیں تھی، جہان جو جانے کے لئے قدم بڑھا چکا تھا کچھ لمحوں کو اسی زاویے پہ ساکن ہو گیا، اس نے سر جھکا تھا اس کے ہونٹوں پہ عجیب سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی، جس میں غم پنہاں تھا اذیت تھی بے بسی اور اضطراب تھا، اس کے ذہن میں کبھی کی پڑھی نظم کے الفاظ تازہ ہو گئے۔

وہی عادت ہے بچوں سی
کہ جس طرح کوئی بچہ
کھلونا مانگتا ہے
کھیلتا ہے
پھینک دیتا ہے
اسی طرح وہ مجھ سے ہی
مجھی کو مانگتا ہے
کھیلتا ہے
پھینک دیتا ہے
مگر جب دوسرا کوئی
مجھے آ کر اٹھائے تو
وہ آ کر حق جتاتا ہے
کہ یہ میرا کھلونا ہے
اسے کیسے میں سمجھاؤں؟
کسی سے
پیار سے
جذبوں سے
یوں کھیلا نہیں کرتے
مگر کیسے وہ سمجھے گا؟
ابھی اس شخص کی شاید
وہی عادت ہے بچوں سی

وہ اپنی حیثیت کا یقین کر سکتا تھا، وہ پسندیدہ کھلونے سے بڑھ کر اہمیت نہیں رکھتا تھا، وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھا تو اس کی چال کی تھکن اور آنکھوں کی جلن میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔

☆☆☆

کبھی رات بھر کے جھگڑے، کبھی چاہتوں کی باتیں
وہی آپ ہی قصے وہی آپ ہی کی باتیں
وہ ملا ہے مجھ کو اکثر سر راہ چلتے چلتے
وہی اجنبی نگاہیں وہی بے رخی کی باتیں
نہ سمجھ سکا جہاں میں کوئی میرا درد یارو
میرے غم کو لوگ سمجھے میری شاعری کی باتیں
کوئی ہم کو یہ بتائے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
ملیں جب بھی ہم کسی سے کریں آپ ہی کی باتیں
میرے حال پہ وہ یونہی کچھ ایسے مسکرایا
میں سنا رہا ہوں جیسے کسی اجنبی کو باتیں

دھیمے سروں میں چلتے ٹیپ کی آواز کمرے کی فضا میں گونجتی تھی، سنگر کی آواز میں ایک سوز تھا جو دلوں کو جکڑ نے کا فن رکھتا تھا، ژالے کی آنکھیں بھیگتی چلی گئی تھیں، عجیب حالات ہوتے جا رہے تھے، اختیار سے باہر، اس نے کب یہ چاہا تھا یہ بات کسی پہ کھلے، اس نے تو مسز آفریدی تک سے چھپایا تھا اور کھلی بھی بات تو کس پہ، جہانگیر پہ، اس کا دل درد سے بوجھل ہونے لگا۔

"نیلما کی ایک ہی ضد تھی، مجھ سے ملو۔"

وہ پتہ نہیں اس سے ایسی کون سی ضروری بات کرنا چاہتی تھی، مگر ژالے اس بات سے باہر

شدید غصے میں آ گئی تھی، یہ اس کا طیش اور اشتعال ہی تھا کہ اس نے فون پہ اس سے ملنے کی حامی بھر لی تھی۔
''کیا کہنا ہے تمہیں؟''
''سویٹ ہارٹ فون پہ نہیں کر سکتی نا بات؟''
''اور میں نہیں مل سکتی ہوں تمہیں۔'' وہ صاف انکاری ہونے جا رہی تھی کہ نیلما باقاعدہ منتوں پہ اتر آئی تھی۔
''دیکھو ژالے میری جان! بہت اہم باتیں ہیں جو میں ہر صورت تم سے شیئر کرنا چاہتی ہوں، جتنے لوگ میری جان کے دشمن ہو چکے ہیں نا، مجھے اپنی زندگی کا بالکل بھروسہ نہیں رہا۔'' اس کے لہجے میں جس قدر یاس تھی اس سے بڑھ کر مایوسی اور کرب اتر آیا تھا یہی کرب ژالے کے دل کو پگھلانے کا باعث بنا تھا، وہ جتنی بھی خفا تھی اس سے مگر رشتہ تو خون کا تھا نا، جو کشش مارتا تھا اس کے دکھ پہ تکلیف وہ بھی محسوس کرتی تھی۔
''آپ چھوڑ دیں یہ سب کچھ پلیز!'' اس نے شاید زندگی میں پہلی بار اس سے اس انداز میں بات کی تھی مگر فرمائش ایسی تھی کہ نیلما ڈھنگ سے خوش بھی نہیں ہو پائی تھی۔
''کیسے چھوڑ دوں یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے۔''
''کیوں آسان نہیں ہے؟ دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں۔'' ژالے نے بھرپور انداز میں تردید کی تو نیلما نے ٹھنڈا سانس بھر کے بات بدلنی چاہی تھی۔
''اس بات کو چھوڑو، تم مجھے بتاؤ مجھ سے مل سکتی ہو؟''
''ہاں میں ملوں گی، میں جاننا چاہوں گی، وہ کون سی مجبوریاں تھیں جو تمہیں اس قدر غلط راستے پہ لے گئیں۔'' ژالے کی آواز میں ٹوٹتے کانچ کی چبھن در آئی تھی۔
''تمہیں تمہاری والدہ محترمہ نے کچھ نہیں بتایا؟'' نیلما کے لہجے میں طنزیہ کاٹ اتر آئی۔
''میں تم سے سننا چاہوں گی، وہ جو سچ ہے۔''
''کیسے یقین کرو گی کہ میں نے سچ کہا یا جھوٹ؟''
''ویسے جیسے مما کے جھوٹ کا پتہ چل گیا، زبان جھوٹ کہے تو آنکھیں انکاری ہو جایا کرتی ہیں، یہ دل کا آئینہ ہوتی ہیں اور دل ہمیشہ شفاف ہوتا ہے اگر خدا وہاں موجود ہو تو......'' اس کا انداز ناصحانہ ہونے کے باوجود دلگیری لئے ہوئے تھا، نیلما نے پہلی بار اس سے اتنی طویل بات کی تھی وہ اس کے الفاظ کی سنجیدگی اور لہجے کی گہرائی میں کھو کر رہ گئی تھی، پھر فون پہ ہی ملنے کی جگہ اور ٹائم طے ہوا تھا، جس روز ژالے نے نیلما سے ملنا تھا اس کی طبیعت صبح سے بہت خراب تھی، اس نے ٹریٹمنٹ لی تھی مگر بگڑتی کیفیت میں کچھ بہتری نہیں آ سکی تھی، کوئی اور موقع ہوتا تو وہ کبھی گھر سے نکلنے کی حماقت نہیں کرتی مگر اب ایسا نہیں کیا جا سکتا تھا، جبھی اس نے اس جانب دھیان نہیں رہا تھا، بلیک بے حد نفیس سوٹ میں اس کی شفاف رنگت یوں اجلی محسوس ہو رہی تھی گویا تاریک رات میں چاند روشن ہو، سوٹ کا ہم رنگ چادر نما دوپٹہ اس نے بہت سلیقے سے اوڑھا تھا اور مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے ہوٹل کی لابی میں پہنچ گئی تھی، وہاں رنگ و بو کا ایک سیلاب امڈا ہوا تھا، اس نے کسی

قدر حیرانی میں مبتلا ہو کر وہاں آزاد شراب کے استعمال کو دیکھا تھا، کچھ مزید خفیہ سرگرمیاں بھی اس نے محسوس کی تھیں، جبھی وہ سٹپٹا کر رہ گئی تھی، فوراً ہی اس نے ٹیبل سے اٹھتے ہوئے شفاف راہداری کو پار کیا تو موڑ پہ اس کا ٹکراؤ کسی دیوہیکل آدمی سے ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔
''اوہ ایکسکیوز می میم!'' وہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھی تو وہ سرعت سے اس کے پیچھے لپکا تھا، ژالے کی گھبراہٹ دو چند ہو کر رہ گئی۔
''آپ میرے ساتھ کچھ وقت گزاریں گی؟'' وہ مسکرا کے گویا ہوا تھا ایسے میں وہ کچھ اور بھی خوفناک لگنے لگا تھا، ژالے ایک ساتھ کئی سیڑھیاں پھلانگی تو وہ آدمی اس کی گھبراہٹ و سراسیمگی کو دیکھ کر کچھ حیران ہوتا واپس ٹھہر گیا تھا، ژالے فق چہرے پہ تحاشا دھڑکتے دل اور مضطرب سانسوں کے ساتھ پلٹ پلٹ کر اسے دیکھتی سیڑھیاں اتر رہی تھی، خوف نے اس کے حواس سلب کر لئے تھے، طبیعت تو خراب ہی تھی مگر یہ سچویشن اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر گئی تھی، آنکھوں میں بار بار اندھیرے چھٹ رہے تھے، اسی سراسیمگی بدحواسی میں مبتلا اس کی جہان پہ نگاہ پڑی تھی، وہ اس سے کچھ فاصلے پہ تھا، ژالے کے دل میں اسے سامنے پا کر ذرا سی ڈھارس اتری تھی گر اسی پل جانے کیا ہوا تھا، درد کی نوکیلی پھانس اس کے وجود میں پھیلی تھی اور وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی تھی، اگلے کئی دن تک اس کی طبیعت نہیں سنبھل سکی تھی، اسے اس بات کا دکھ تھا نیلما نے اسے اتنی غلط جگہ پہ کیوں بلوایا؟ یہی شکوہ اس نے نیلما سے بات ہونے پہ اس سے بھی کیا تھا جسے سن کر وہ ہنس پڑی تھی۔
''فسٹ فلور تم جیسے شریف لوگوں کے لئے ہے، میں اگر وہاں تمہارے ساتھ ہوتی اور مجھے کوئی تمہارے ساتھ دیکھ لیتا تو اگلے دن اخبار میں اتنی بڑی بڑی شہ سرخیوں کے ساتھ تمہاری تصویریں چھپی ہوتیں، کیا تم یہ اسکینڈل افورڈ کر سکتی تھیں؟'' اور ژالے نے اتنی سختی سے ہونٹ کاٹے تھے کہ منہ میں خون کا ذائقہ محسوس ہونے لگا تھا۔
''اس روز تم مجھ سے ملے بغیر کیوں چلی آئی تھیں؟''
''وہ جگہ اس قابل تھی کہ میں وہاں تھوڑی دیر بھی ٹھہر جاتی، دس از ناٹ فیئر!'' شکوہ کرتے اس کی آواز ابھرانے لگی تھی، اس نے مزید کوئی بات کیے بغیر فون بند کر دیا تھا، مسز آفریدی نے اسے بتایا تھا جہان اسے وہاں سے لے کر آیا تھا اور اس کی جان کو ایک نئی فکر لگ گئی تھی۔
''وہ کیا سوچتے ہوں گے میرے بارے میں؟ میں کوئی غلط لڑکی ہوں؟'' اضطراب اس کے سینے میں وحشت کے احساس کے ہمراہ پہلو بدلتا تھا اور اسے بے کل کیے رکھتا، اس نے ہاتھ بڑھایا اور ٹیپ آف کر دیا، کمرے میں یکلخت خاموشی کا بسیرا ہو گیا، تبھی مسز آفریدی اندر داخل ہوئی تھیں، اس کی پیشانی سے بال ہٹا کر بوسہ لیا پھر ساڑھی کی فال درست کرتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔
''اب کیسی طبیعت ہے سویٹ ہارٹ!''
''مچ بیٹر!'' ژالے نے بے دلی سے جواب دیا تھا۔
''جہان نے آج کال کی تھی مجھے پتہ ہے کیوں؟'' انہوں نے بڑے ڈرامائی انداز میں بات

کا آغاز کیا تو ژالے جو بے زار سی لیٹی ہوئی تھی چونکتے ہوئے ان کی سمت متوجہ ہوئی تھی، انداز بھرپور توجہ اور تجسس تھا، مسز آفریدی بھرپور انداز میں مسکرائیں، مقصد اس کی توجہ حاصل کرنا اور اکتاہٹ دور کرنا تھا اور وہ کامیاب رہی تھیں۔

''تمہاری طبیعت پوچھ رہا تھا، کل بھی کال کی تھی۔''

''آپ نے انہیں بتایا تو نہیں کہ میں......؟'' ژالے نے مضطرب ہو کر سوال کیا تھا اگر اس کا ذہن فوری طور پہ اس سوال میں نہ اٹکتا تو وہ لازماً ہمیشہ کی طرح ان کی آنکھوں میں جھانک کر اس بات کی سچائی کو پرکھنے کی کوشش ضرور کرتی۔

''پاگل تھوڑی ہوں میں جو یہ بات بتاؤں، میں نے کہہ دیا ٹائیفیڈ بگڑ گیا ہے۔'' ان کے جواب نے ژالے کو ایک دم مطمئن کر دیا تھا، وہ ہرگز بھی اپنی بیماری لوگوں کو بتا کر ان کی ہمدردانہ نگاہوں کو سہنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی جبھی بہت کتراتی تھی اس انکشاف سے۔

''ایک بات تم نے محسوس کی ہے بیٹا؟'' انہوں نے اپنے انداز کو پرسوچ اور لہجے کو رازدارانہ بنا کر پھر ادھوری بات کی ژالے جو کسی سوچ میں گم تھی، چونک کر سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''مجھے لگتا ہے جہانگیر تم میں انٹرسٹڈ ہے۔'' ژالے کا دل زور سے دھڑکا اور دھڑکتا چلا گیا۔ مسز آفریدی نے اس کا سرخ پڑتا چہرا دیکھا تھا اور بات کو جاری رکھا۔

''تم نے کچھ ایسا محسوس کیا؟ دیکھو نا اس روز وہ خود بھاگا بھاگا تمہیں چھوڑنے آیا، حالانکہ میں نے منع بھی کیا تھا کہ گاڑی سے تمہیں نکال کر میں خود بیڈ روم تک لے جاتی ہوں، مگر مانا نہیں، کہنے لگا آپ سے کہیں گر گرا نہ جائیں، یہاں بیڈ روم میں خود اٹھا کر تمہیں لایا، بعد میں بھی کچھ دیر تک بیٹھا رہا تھا حالانکہ میں چاہ رہی تھی وہ فوری چلا جائے تو تم جانتی ہو میں اس کے سامنے ڈاکٹر نامی سے کنسلٹ نہیں کر سکتی تھی۔'' ژالے متحیر ششدر اور غیر یقینی سی بیٹھی تھی، یوں جیسے یقین نہ آرہا ہو۔

''ہنی بیٹے مجھے یہ بتاؤ آپ کو جہانگیر اچھا لگتا ہے؟'' وہ اس کی گال تھپک کر بے حد اپنائیت سے بولیں تو ژالے اس فیز سے نکل کر بے حد کنفیوژ نظر آنے لگی اس نے شدید اضطرابی کیفیت میں ہونٹ کچلنے شروع کیے تھے، منہ زور جذبے خواہش تھی کہ لبوں سے اظہار کو بے تاب مگر اس نے پہرے بٹھا دیے تھے۔

''آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' وہ بہت دیر بعد بولی تو کس قدر جھنجلاہٹ کا شکار تھی، یوں جیسے خود اپنی خواہش کے آگے ہار رہی ہو اور ہارنا نہ چاہتی ہو۔

''بیٹے بتایا تو ہے مجھے جہانگیر کا انٹرسٹ لگتا ہے، اگر وہ مجھ سے اس حوالے سے کچھ کہے تو مجھے تمہاری رائے تو معلوم ہونی چاہیے نا۔''

''آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی مام! مجھے نہیں لگتا اس کی نوبت آئے۔'' اس نے خاصی تاخیر سے بے حد مدھم لہجے میں کہا تو مسز آفریدی کا چہرا غصے کی سرخی سے دہک اٹھا، انہیں اپنی ساری پلاننگ فیل ہوتی محسوس ہوئی تو جھنجلاہٹ اعصاب پہ قابض ہونے لگی، مگر انہوں نے

کمپوز کیا تھا اور لگاوٹ بھرے انداز میں بولی تھیں۔

''مجھے تو ایسا نہیں لگتا، مجھے یقین ہے وہ مجھ سے ایسی بات ضرور کرے گا۔''

''تو پھر آپ انکار کر دیجئے گا صاف انکار، آپ جانتی تو ہیں میں شادی نہیں کرنا چاہتی ہوں۔'' ژالے نے بھینچے ہوئے لہجے میں کہا تھا اور ایک جھٹکے سے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی، وہ جانتی تھی یہ بات اس طرح ختم ہو سکتی ہے، مسز آفریدی نے ضبط کی کوشش میں سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

(ایسا تو ہو گا ژالے آفریدی اور ضرور ہو گا، میں تمہیں تمہاری خوشی سے دستبردار نہیں ہونے دوں گی، زبردستی اسے تمہاری جھولی میں ڈالوں گی پھر تم اس کی اہمیت سے آگاہ ہو گی۔)

ٹیرس کی ریلنگ کے سہارے کھڑی ژالے ہوا کے دوش پہ اڑتے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے آنکھوں پر آئی نمی کو پلکیں جھپک جھپک کر اندر اتارتی رہی تھی، مسز آفریدی کی یہ بات سن کر اس کے درویش صفت دل میں بھی محبت کو پانے کی خواہش جاگ اٹھی تھی، ایسی محبت جو صرف اس کے لئے ہو، جس میں بیگانگی کا شائبہ تک نہ ہو اور بے اعتنائی کی آنچ نہ ہو، دل ملتجی تھا کہ ہاتھ پھیلاؤ اور ساری محبت سمیٹ لو، مگر وہ تشنہ تھی اور تشنہ رہنے پہ مجبور تھی، جبھی دل کے اندر دھواں بھرنے لگا تھا وہ شخص جو بے حد خاص تھا مگر اس کی آنکھوں میں محبت کا کوئی عکس بند تھا، اس کی یہ بے گانگی ہی تو تھی جو اسے پیچھے رہنے اور مزید پیچھے ہٹنے پہ اکسانی تھی، وہ مسز آفریدی جیسی عورت کی کسی بات پہ بہرحال آنکھیں بند کر کے یقین بھی تو نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

جس گھڑی دل کے میرے زخم نمائی ہو گی
ساری خلقت ہی مجھے دیکھنے آئی ہو گی
کیسے چپ چاپ جلا ریشمی خوابوں کا بدن
تیری نفرت نے کہیں آگ لگائی ہو گی
جسے برباد کیا پہلی محبت نے سحر
پھر اسے دوسری بھی راس نہ آئی ہو گی

جہان کف لنکس بند کرتا ہوا اپنے دھیان میں سیڑھیاں اتر کے نیچے ہال میں آیا تو سب سے پہلا سامنا زینب سے ہوا تھا، وہ نظر انداز کیے آگے بڑھ جانا چاہتا تھا کہ زینب جو اس کے راستے میں کھڑی تھی ایک دم اپنا بازو پھیلا کر گویا اس کا راستہ روکا، جہان چونکا تھا اس کی متحیر نگاہ اس کے ہاتھ سے پھسل کر سفید دودھیا سڈول کلائی میں شعاعیں بکھیرتے نازک سے بریسلٹ میں لمحہ بھر کو اٹکی تھی پھر اس کے چہرے پہ آن ٹھہری۔

''آپ کو کچھ یاد آیا؟'' اس کے خفا خفا سے انداز میں گہری چبھن اور کاٹ سمٹی ہوئی تھی۔

''کیا مطلب؟ کیا یاد آنا چاہیے مجھے۔'' وہ حیران ہوا تھا اور جز بز بھی۔

''اس بریسلٹ کو دیکھ کر بھی نہیں؟'' وہ اب کے اور جھلائی۔

''یہ بریسلٹ غالباً گولڈ کا ہے۔'' وہ خود بھی جھنجلا گیا تھا کسی قدر خفگی سے بولا مگر زینب چیخ

پڑی تھی۔

"جے یہ بریسلٹ آپ نے لاسٹ ائیر مجھے برتھ ڈے پہ گفٹ کیا تھا اور آپ کا گفٹ ہی ہمیشہ سب سے ایکسپنسو نہیں ہوا کرتا تھا آپ سب سے پہلے مجھے خود برتھ ڈے وش کیا کرتے تھے، جے آپ بدل گئے ہیں ابھی سے، ابھی سے جبکہ نہ ابھی آپ کی شادی ہوئی ہے نہ میری۔" وہ صحیح معنوں میں روہانسی ہو گئی تھی، جہان نے ایک نگاہ اس کی چھلک پڑنے کو بے قرار نین کٹوروں کو دیکھا تھا پھر گہرا سانس بھر کے کس قدر آہستگی و نرمی سے بولا۔

"میں آج شام واپسی پہ تمہارا گفٹ لیتا آؤں گا ڈونٹ وری؟"

"صرف گفٹ جے مجھے کیا آپ سے صرف گفٹ چاہیے ہوتا ہے کیا؟" اس کی شکایت پہ جہان نے ہونٹ بھینچ کر سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں یاد ہے میں نے اس روز تمہیں کیا نصیحت کی تھی؟ بے وقوف لڑکی اب بچوں والی حرکتیں چھوڑ دو شادی کے بعد ان کی گنجائش بالکل ختم ہو جایا کرتی ہے۔" کوشش کے باوجود بھی وہ اپنے لہجے میں تلخی کو گھلنے سے بچا نہیں سکا تھا۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں تیمور اتنے ٹیپکل ہوں گے؟" جہان کے چہرے پہ واضح اضطراب پھیل گیا، دل میں موجود نارسائی کا درد جیسے اس پل انتہا کو چھو کر اس کا ضبط آزمانے پہ تل گیا۔

"یہ بات مجھے نہیں تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ وہ کیسا ہے، راستے سے ہٹو میں آل ریڈی لیٹ ہو گیا ہوں۔" وہ کس قدر بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتا ہوا کترا کر نکل گیا تھا، زینب نے پیر پٹخ کر دور ہوتے جہان کو دیکھا پھر سلگتی آنکھوں کے ساتھ ہونٹ بھینچ لئے، وہ اپنی کیفیت خود سمجھنے سے قاصر تھی، بس اسے جہان کا بدل جانے والا رویہ تکلیف دے رہا تھا، حالانکہ اگر وہ غور کرتی تو اس سے پہلے وہ خود بدلی تھی اور اس سے بھی پہلے اس کی راہیں بدلی تھیں، جہان کا رویہ تو اس کے عمل کا ردعمل تھا جو اسے سراسر زیادتی محسوس ہو رہا تھا، عجیب بات تھی نا، جب کسی طرح بھی وہ خود کو سنبھال نہیں سکی تو یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئی تھی، پنکھے چلا کر اس نے کھڑکیاں کھولیں اور پردے ہٹا دیئے، سورج کی کرنیں نیم تاریک کمرے کو روشن اور ہوادار بنانے لگیں، اس نے بکھرا ہوا کمرہ سمیٹنا شروع کیا تھا، بیڈ شیٹ کی شکنیں درست کیں اور کارپٹ پہ ڈھیر کتابیں جھک کر اٹھا رہی تھی جب نوریہ نے اندر جھانکا تھا اسے موجود پا کر بے تکلفی سے اندر آ گئی۔

"آؤ مزے کرتے ہیں۔" اس کے ہاتھ میں باؤل تھا جس میں مناسب شیپ میں کٹے ہوئے تربوز کے قتلے تھے۔

"نمک اور کالی مرچ چھڑک کر لائی ہوں اتنے مزے کے ہیں۔" نوریہ نے ایک قاش اٹھا کر منہ میں رکھتے گویا اس کی معلومات میں اضافہ کیا، زینب کے دھیان نہ دینے پہ اس نے بھنویں اچکائی تھیں۔

"خیریت منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟"

"کیا تمہیں بھی میرا برتھ ڈے یاد نہیں ہے؟" وہ اسے گھورنے لگی نوریہ نے کاندھے اچکائے

تھے۔

"کیوں یاد نہیں، برتھ ڈے ہی تو سیلیبریٹ کرنے آئی ہوں۔"

"مگر جے کو یاد نہیں تھا، نوری وہ بہت بدل گئے ہیں۔" اس نے جیسے نوریہ کے آگے جہان کی شکایت لگائی، نوریہ نے چند ثانیے اسے بغور دیکھا تھا پھر گہرا سانس بھر کے تربوز کے ٹکڑے منہ میں رکھ کر کھانے میں مصروف ہوئی تو زینب کو تپ چڑھ گئی تھی۔

"میں بکواس کر رہی ہوں تمہارے خیال میں کیا؟" اس کے ہاتھ سے باؤل چھینتے ہوئے وہ چیخ پڑی تھی۔

"ڈیئر دس از ٹو مچ، انف!" وہ عاجز ہوئی تو زینب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"انگلش سے نابلد لگتی تو نہیں ہو، خیر میں ٹرانسلیشن کر دیتی ہوں کہ......"

"نوری میں جان نکال دوں گی تمہاری، انسانوں کی طرح بات کرو مجھ سے۔" وہ آنکھیں نکال کر غرائی تو نوریہ نے سرد آہ بھر لی تھی۔

"وہ بدل گئے ہیں تو تمہیں کیوں شکوہ ہے تمہیں نہیں لگتا ایسا کرنے پہ تم نے انہیں مجبور کیا ہے، زینی تمہیں پرواہ کیوں ہے اب؟"

"کیا نہیں ہونی چاہیے؟" زینب نے الٹا اس سے سوال کیا تو نوریہ عاجز سی ہو گئی تھی۔

"بالکل نہیں ہونی چاہیے، ایک ایسا انسان جس کے بغیر اب زندگی اطمینان سے گزار سکتے ہوں اس کے بدل جانے سے کیا فرق پڑتا ہے زندگی کو۔"

"تم معاذ بھائی کے بغیر خوش ہو؟" زینب کو جانے کیا سوجھی تھی اس پہ وار کر دیا تھا، نوریہ کے چہرے پہ یکلخت زرد رنگ پھیل گیا۔

"یہاں اس بات کا کیا ذکر؟" وہ جب بولی تو اس کی آواز میں ضبط کے باوجود اضطراب در آیا تھا۔

"ذکر ہے، جیسے تمہاری زندگی میں معاذ بھائی کی اہمیت تھی ویسے ہی میرے لئے جہان ہیں اس انداز میں نہ سہی مگر اہمیت تو رکھتے ہیں نا، مجھے ان کا یہ بدلاؤ بہت تکلیف......" اس کی بات ادھوری رہ گئی، اس کا سیل فون زور و شور سے بجنے لگا تھا، نوریہ نے ایک نظر اس کے سیل فون کی اسکرین کو دیکھا دوسری زینب کو، وہ جہاں بیٹھی تھی سیل فون وہیں چھوٹی ٹیبل کے اوپر رکھا ہوا تھا، فون تیمور خان کا تھا، نوریہ نے کچھ کہے بغیر سیل فون اٹھا کر اس کی جانب بڑھا دیا۔

"اس بات پہ کڑھنے کی بجائے یہاں اپنا معاملہ کلیئر کرو ڈیئر! آئی تھنک مسٹر تیمور نے آپ سے انکار کی وجہ پوچھنے کی ہی کال کی ہو گی۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں تھی اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی، زینب نے گہرا سانس بھر کے کال اٹینڈ کی۔

"زینب!" تیمور خان نے جیسے تصدیق چاہی تھی۔

"جی! کیسے ہیں آپ؟" زینب نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

''تمہارے انکار کے بعد کیسا ہوسکتا ہوں؟ زینب دس از ناٹ فیئر!''

''میرے نہیں میرے گھر والوں کے انکار...... تیمور پلیز آپ ایک بار پھر بھیجنا ان لوگوں کو۔''

''اتنی انسلٹ کے باوجود، پھر کیا گارنٹی ہے کہ وہاں سے اب انکار......''

''نہیں ہوگا انکار تیمور اور جہاں تک انسلٹ کی بات ہے اسے رہنے دیں، انسلٹ تو آپ کے ہاں میری بھی کی گئی تھی نا۔'' اس نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر جتلایا تھا، تیمور خان نے سرد آہ بھری تھی۔

''اسی وجہ سے خود پہ ضبط کیے ہوئے ہوں ورنہ...... زینی کیا میں سمجھوں کہ اس انکار کی وجہ اس توہین کا بدلہ......''

''انف تیمور...... اتنا گرا ہوا نہ سمجھیں مجھے! میں نے کہا تو تھا کہ ہمارے ہاں کاسٹ سے باہر شادیاں نہیں کی جاتیں، یہ مرحلہ بہرحال مشکل تھا ہی۔'' غصے میں آجانے کے باوجود زینب نے وضاحت دی تھی، تیمور جواباً کچھ نہیں بولا تو زینب نے گویا اسے باقاعدہ پکارا تھا۔

''پھر اب کیا ارادہ ہے آپ کا؟''

''میں کیا چاہتا ہوں یہ تم سے ڈھکا چھپا نہیں ہے زینب شاہ! شادی تو بہرحال مجھے تم سے ہر صورت کرنی ہے اگر یہ سید زادے نہ مانے تو اٹھا کر لے جاؤں گا تمہیں، سمجھا کیا ہے انہوں نے تیمور خان کو۔'' وہ مذاق نہیں کر رہا تھا اس کے باوجود زینب ہنس پڑی تھی۔

''اچھا فضول نہیں بولیں جے آئے ہوئے ہیں یہاں، میں نے ہی بلوایا ہے، بہتر ہوگا آپ انہی کی موجودگی میں دوبارہ ان لوگوں کو بھیج دیں، پھر وہ معاملہ ہینڈل کرلیں گے، پہلے بھی کام خراب اسی وجہ سے ہوا کہ جے یہاں نہیں تھے۔''

''اگر وہ بندہ اتنا پاورفل ہے تو تم نے اسے پہلے کیوں نہیں بلوالیا، ہماری توہین تو نہ ہوتی کم از کم۔'' اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی چبھن تھی وہ یقیناً طنز کر رہا تھا مگر زینب کے پاس دھیان دینے کا وقت نہیں تھا۔

''کہاں ہوتے ہیں یہ جہانگیر صاحب!''

''لاہور میں بھی ہمارا کچھ بزنس ہے نا، یہ ادھر ہی آفس میں ہوتے ہیں۔''

''کب تک ہے شاہ ہاؤس میں؟''

''تین چار دن تو ہیں یہاں؟''

''اوکے پھر میں بابا سے بات کرتا ہوں، کل یا پھر پرسوں امکان ہے کہ آجائیں، بہرحال میں تمہیں آگاہ کردوں گا۔'' تیمور خان نے گفتگو سمیٹی تھی کہ زینب کو جیسے کچھ یاد آگیا۔

''تیمور آپ نے مائینڈ تو نہیں کیا؟'' جواباً تیمور خان زور سے ہنس پڑا تھا، عجیب ہنسی تھی اس کی۔

''اگر کر بھی لوں تو کسی کا کیا بگڑے گا، مائی ڈیئر فی الحال کس کا یہاں کچھ نہیں بگڑے گا، سو ڈونٹ وری۔'' زینب نے گہرا سانس بھر کے کاندھے اچکا دیئے تھے، پھر کسی قدر خفگی سے بولی تھی۔

''آج میرا برتھ ڈے ہے تیمور آپ نے مجھے وش تک نہیں کیا۔''

''اوہ سوری جان تیمور! وش تو تب کرتا اگر تم مجھے بتاتیں خیر چھوڑو، مبارک ہو تمہیں ایسے ہزاراوں جنم دن تیمور خان کی سنگت میں، آمین ثم آمین۔'' وہ اپنی بات کے اختتام پہ خود ہی محفوظ ہوکر ہنسا تو زینب گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھی۔

☆☆☆

فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تھا میرے اور وہ میرا نہ تھا
وہ کہ خوشبو کی طرح پھیلا تھا میرے چار سو
میں اسے محسوس کر سکتا تھا چھو سکتا نہ تھا
آج اس نے دکھ بھی اپنے علیحدہ کر لئے
آج میں رویا تو میرے ساتھ وہ رویا نہ تھا

جہان نے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے درزیدہ نگاہوں سے پہلے زینب کو پھر دیگر افراد خانہ کو دیکھا تھا، رات تیمور خان کے بابا کا پھر فون آیا تھا کہ وہ کل آرہے ہیں، پپا تو حیران رہ گئے تھے بلکہ مما یہ برس پڑے کہ انہوں نے تب ہی انہیں صاف منع کیوں نہ کردیا۔

''میں کیسے صاف منع کرسکتی تھی، آپ بات کرلیجئے گا نا ان سے۔''

''بھئی آپ صاف کہہ دیں کہ اگر رشتہ کے لئے آرہے ہیں تو آنے کی ضرورت نہیں، ہاں مہمان بن کر آئیں تو سو بسم اللہ ہمارا دروازہ کھلا ہے۔'' مما جان نے بھی دیور کی ہاں میں ہاں ملائی تھی، اس وقت ناشتے کی ٹیبل پہ یہی موضوع چھڑا ہوا تھا اور زینب کی بے چینی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، اس سے آخر رہا نہیں گیا تو ٹیبل کے نیچے سے جہان کے پیر پہ اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگائی تھی، گویا اسے بولنے پہ اکسایا، وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''آپ نے انہیں بتایا نہیں کہ ہم کاسٹ سے باہر شادیاں نہیں کرتے۔'' زیاد نے سلائس پہ مکھن لگاتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''بتایا کیوں نہیں، بتایا ہے بیٹے۔'' مما عاجز ہوئیں۔

''چاچو اگر لڑکا اچھا ہے فیملی اچھی ہے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے، شریعت میں جب اس بات کی ممانعت نہیں ہے تو پھر ایک بے بنیاد بات کی اتنی پکڑ کرنا فضول ہے۔'' جہان نے گلا کھنکار کر بات کا آغاز کیا تھا، زیاد جو کہ سلائس کا بائٹ لے کے چائے کا مگ منہ سے لگا چکا تھا، انتہائی ناگواریت سے اس کی سمت متوجہ ہوا۔

''آپ براہ کرم اس معاملے میں انٹرفیئر نہ ہوں تو بہتر ہے، یہ ہمارا بے حد ذاتی معاملہ ہے، یہ آپ ہی کا کیا دھرا ہے کہ آج ہم اس صورتحال سے دوچار ہیں۔'' وہ اس قدر اہانت آمیز انداز میں پھنکار کر بولا تھا کہ جہان تو جہان وہاں ٹیبل پہ موجود باقی سب کو بھی جیسے سانپ سونگھ گیا تھا، زینب جو موضوع کو چھڑتے ہی خود اٹھ کر چلی گئی تھی بہرحال جہان کی اس تذلیل سے آگاہ نہیں ہو پائی تھی۔

''واٹ نان سنس زیاد؟ بات کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے۔''

سب سے پہلے پپا سنبھلے تھے اور زیاد کو بری طرح سے جھڑکا، انہوں نے محض لمحہ بھر کو جہان کے چہرے کو دیکھا تھا جو خفت سکی اور ضبط کی کوشش میں دہک کر انگارہ ہو چکا تھا۔

"جہان بڑا بھائی ہے تمہارا، بی کیئرفل نیکسٹ ٹائم! معافی مانگو فوراً جہان سے۔" مما نے بھی ڈانٹا تھا، زیاد ہونٹ بھینچے انہیں تلخ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"کس بات کی معافی؟" وہ غرایا تھا۔

"اس بات کی کہ انہوں نے ہماری انسلٹ کی ہے۔" اب کے اس کا لہجہ نمناک ہو گیا تھا تمام تر ضبط کے باوجود۔

"زیاد آپ بہت فضول بول چکے، میں نے کہا نا سوری کریں جہان سے، آپ کے ایجکشن بے جا ہیں، اپنی مرضی سے زندگی گزارنے اور اس کا فیصلہ کرنے کا حق یہاں سب کے پاس ہے۔" پپا کا لہجہ و انداز بے حد کڑا تھا، زیاد کو بے حد بری و ناراضی سے گھور رہے تھے، زیاد خاموش رہا، البتہ اس کے تاثرات سے تنفر اور بغاوت چھلک رہی تھی۔

"زیاد کیا کہہ رہا ہوں میں؟ سوری کریں جہان سے، آپ چھوٹے ہیں آپ کو یہ حق بالکل نہیں کہ بڑوں سے بدتمیزی کریں۔" اب کے پپا کا لہجہ بلند تھا اور غصیلا پن لئے ہوئے بھی، یوں لگتا تھا ان کے تیور دیکھ کر گراں بھی زیاد نے ان کی بات پوری نہیں کی اور جہان سے سوری نہ کی تو ان کا ہاتھ زیاد پہ اٹھ جائے گا، جبکہ زیاد کے تاثرات میں ہٹ دھرمی تنی اور نفرت کا احساس ہنوز تھا، جہان کے لئے یہ صورتحال بے حد تناؤ اور کشیدگی کا باعث بنی تھی، اس نے آہستگی و نرمی کے ساتھ اپنا ہاتھ پپا کے ہاتھ پہ رکھ دیا تھا، وہ چونک پڑے، زیاد کو تنبیہی نظروں سے دیکھتی ان کی نگاہیں جہان کی سمت اٹھی تھیں اور جیسے بے بس سی ہو کر رہ گئیں کہ اس کی نظروں میں خاموش جو التجا تھی اسے وہ رد کرنے کا حوصلہ کہاں سے لاتے۔

"ٹیک اٹ ایزی چاچو! فارگیٹ اٹ، زیاد کچھ اتنا غلط بھی نہیں کہہ رہا، اس معاملے میں مجھے بولنے کا حق نہیں ہے۔"

"بالکل صحیح کہہ رہے ہیں آپ۔" زیاد انہیں گھورتے ہوئے پھنکارا اور ایک جھٹکے سے کرسی گھسیٹ کر اٹھا تھا اور مما کی تادیبی پکار کو بری طرح سے نظرانداز کرتا ایک جھٹکے سے باہر نکلتا چلا گیا، مگر اس کے پیچھے ماحول میں تناؤ اور کشیدگی پھر بھی موجود رہی تھی۔

"بہت بدتمیز ہو گیا ہے یہ، میں اس کا دماغ درست کر کے رکھ دوں گا۔" پپا پھر کنٹرول سے کھونے لگے، جہان نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھپکا تھا۔

"سوری چاچو مجھے شاید یہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔" وہ بے حد شرمسار سا بولا، پپا نے اضطراب بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا، پھر گہرا سانس بھر کے پپا جان کی سمت دیکھ کر بولے تھے۔

"بھائی جان آج وہ لوگ آئیں تو انہیں انکار نہیں کیجئے گا، بلکہ اس رشتہ پہ رضامندی ظاہر کر دیجئے، اگر وہ لوگ شادی کی تاریخ مانگیں تب بھی۔" انہوں نے ایکا ایکی فیصلہ سنایا اور وہاں سب کو ششدر چھوڑ کر خود پلٹ کر باہر نکلتے چلے گئے تھے۔

☆☆☆

"یہ ہرگز جذباتی فیصلہ نہیں ہے، نہ میں جہان کی بات کو برتر ثابت کرنا چاہ رہا ہوں سمجھے آپ۔"

تیمور خان کے گھر والوں کو ہاں میں جواب دیا گیا تھا اور ایک ہفتہ بعد کی تاریخ منگنی کی طے ہوئی تھی، زیاد کو رات تک یہ خبر ملی تھی تو وجہ یہی تھی کہ وہ گھر لیٹ پہنچا تھا، وہ دندناتا ہوا پپا کے پاس آیا تھا اور اس فیصلے پہ احتجاج کرتے ہوئے جہان کو فوقیت دینے پہ اپنا غم و غصہ ظاہر کیا تھا کہ پپا نے کس قدر سرد آواز میں جواب دیا مگر زیاد کا غصہ اور بدگمانی پھر بھی ختم نہیں ہو سکی تھی۔

"آپ کے نظریات اور ارادے یکا یک کیسے تبدیل ہو گئے، آپ نے ہمیشہ جہان بھائی کو ہم سب پہ فوقیت دی، آپ کے اس فیصلے نے تو گویا آپ کی اس بات پہ مہر لگا دی ہے، پپا مجھے آپ کا یہ فیصلہ ہرگز ہرگز قبول نہیں ہے۔"

"تو نہ کرو ایکسیپٹ، جاؤ کر لو جو کرنا ہے، آئی ڈونٹ کیئر۔" انہوں نے نخوت سے کہا تھا اور زیاد شاکڈ رہ گیا تھا، وہ کچھ دیر ساکن نظروں سے انہیں دیکھتا رہا تھا پھر کچھ دیر بغیر ایک جھٹکے سے پلٹا تھا، اس کی رنگت مارے تذلیل اور غصے کے دہک اٹھی تھی، جبکہ ادھر پپا کے بیڈ روم میں باپ بیٹے کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو سنتیں مما زیاد کے تاثرات سے ایکدم خائف ہو اٹھی تھیں، جبھی پپا سے الجھ گئیں۔

"یہ کیا طریقہ تھا بھلا بات کرنے کا، بچہ ہے اور جذباتی بھی، آپ نے اسے بدگمان کرنے میں کوئی کسر چھوڑی ہے۔"

"تو جائیے آپ جا کر محترم کی بدگمانی دور کر دیں، میرے پاس ان کاموں کی فرصت نہیں ہے۔" ان کا اپنا موڈ سخت آف تھا، جبھی بدمزگی کی انتہا کر دی، مما نے تاسف سے انہیں دیکھا تھا۔

"سارا کام ہی خراب ہو کر رہ گیا، انجانے لوگ ہیں، میرا تو دل ڈرتا ہے، اوپر سے اس لڑکی کا مزاج اتنا نازک۔" وہ ہول کر کہہ رہی تھیں۔

"آپ پہ ہی پڑے ہیں آپ کے سارے بچے، ایک سے بڑھ کر ایک نمونہ ہے ماشاءاللہ۔" انہوں نے انہیں بھی رگید لیا تو مما نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا تھا، البتہ کچھ کہنے سے گریز کیا۔

"احسان مانیے جہان کا، بات نہیں کھلنے دی ہے، یہ آپ کی بیٹی کا کیا دھرا نہیں ہے تو اور کیا ہے کہ ہر طرف سے اسی کو زیر عتاب کیا ہے، اس پہ آپ کا خیال ہے کہ میں جہان کی بات نہ مانوں؟ اونہہ اب بھی اگر میں نہ مانتا نا یہ بات تو مجھے یقین ہے وہ اپنے منہ سے کہتی یہ سب۔" وہ بری طرح بھڑک اٹھے تھے، مما لب سیئے بیٹھی رہی تھیں، کل رات زیاد کی طرح انہوں نے بھی کچھ ایسے ہی الفاظ میں احتجاج کیا تھا جس کے جواب میں انہوں نے خاموش مگر طنزیہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا پھر بھینچے ہوئے سرد لہجے میں بولے تھے۔

"آپ کو پتہ ہے بیگم صاحبہ جہان کے ساتھ میں نے زینب کی نسبت کیوں طے کی تھی جہان کی زینب سے محبت کی وجہ سے، یہ انکار جہان کا نہیں درپردہ زینب کا ہے، اس بات پہ مجھے شک تو

پہلے بھی نہیں تھا مگر جب تیمور کا پروپوزل آیا تب اس میں بالکل کوئی شبہ نہیں رہا، اس بات کی کڑیاں کہاں ملتی ہیں جہاں زینب شادی اٹینڈ کرنے گئی تھی، آپ کو ابھی بھی میری بات پہ یقین نہیں تو جا کر زینب سے تصدیق کرا لیں، یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ جہان اس طرح ہمارا بیٹا نہیں بن سکا۔'' ان کے لہجے کے یقین نے نہیں مما کو زینب کے اطمینان اور سکوں نے یقین دلایا تھا، جہان نے جب انکار کیا تھا اگر وہ غور نہ بھی کرتیں تب بھی انہیں اچھی طرح سے یاد تھا ان دنوں زینب کے رویے نے انہیں الجھن میں گرفتار کیے رکھا تھا، وہ خاص طور پہ ان دنوں زینب کا سکون اور اطمینان ملاحظہ کر کے خود حیران ہوتی رہی تھیں، وہ پپا سے اس پل نظریں نہیں ملا سکی تھیں۔

''زیاد کو آپ اپنے الفاظ میں سمجھا دیجئے گا، مجھے جہان سے اس کی بدتمیزی بالکل پسند نہیں آئی، آئندہ اگر اس نے کوئی ایسی حرکت کی تو میں ہرگز کوئی لحاظ نہیں کروں گا، اس احمق لڑکے کو حقیقت معلوم نہیں ہے، ورنہ جہان کے سامنے اکڑنے کی بجائے نظریں اٹھانے کے قابل بھی نہیں رہتا۔'' وہ بے حد نڈھال سے ہو کر کہہ رہے تھے، زینب کی اس حرکت نے جیسے انہیں اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا، گو کہ انہوں نے جہان پہ اپنی اس آگاہی کو آشکار نہیں کیا تھا، اس کے باوجود وہ شرمندگی کے باعث اس سے نگاہ ملانے سے بھی کترانے لگے تھے۔

''آپ فکر نہ کریں، میں زیاد کو سمجھا دوں گی، ویسے بھی جہان ماشاءاللہ سے سمجھ دار بچہ ہے۔''

''ہاں یہی سمجھ دار اور ضبط اس کے نقصان کا باعث بن گیا۔'' پپا نے مضطرب ہو کر کہا تھا، مما کے پاس ایسے الفاظ نہیں تھے کہ ان کا حوصلہ بڑھا سکتیں سو خاموشی میں ہی عافیت جانی تھی۔

☆☆☆

اجنبی شہر کے اجنبی راستے
میری تنہائی پر مسکراتے رہے
میں اکیلا بہت دیر چلتا رہا
تم بہت دیر تک یاد آتے رہے
اجنبی شہر کے اجنبی راستے ......

وہ بے خیال ساتھ ٹیرس پہ ٹہلتے ہوئے واقعات کے الجھاؤ میں گم ہو رہا تھا، واقعات جو بے حد مایوس کن ہوتے جا رہے تھے، ہوا کے دوش پہ اڑتی سنگر کی پر درد آواز گویا اس کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرنے لگی، وہ کل ہی واپس لاہور آ گیا تھا، زیاد کو آتے ہوئے اس نے مسکرا کر جب خدا حافظ کہا تھا تو زیاد نے اسی تنک انداز میں چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

''میں منافق نہیں ہوں کہ دل میں نفرت رکھتے ہوئے آپ سے ہاتھ ملا کر دانت نکال کر گڈ بائے کہہ دوں۔'' جہان نے ہونٹ بھینچ لئے تھے، وہ کچھ کہے بغیر کوئی وضاحت دیئے بغیر چلا آیا تھا اور یہی اس نے صحیح کہا تھا۔

کل کچھ ایسا ہوا میں بہت تھک گیا
اس لئے سن کے بھی ان سنی کر گیا
کتنی یادوں کے بھٹکے ہوئے کارواں
دل کے زخموں کے دار کھٹکھٹاتے رہے
اجنبی شہر کے اجنبی راستے
میری تنہائی پہ مسکراتے رہے

اندر کمرے میں اس کا سیل فون مسلسل گنگنا رہا تھا، اس نے قدموں کا رخ موڑا اور آ کر معاذ کی کال اٹینڈ کی۔

''کیسے ہو معاذ؟'' اس نے سلام کے بعد اس کی خیریت پوچھی تھی۔

''جے تم لاہور والی کوٹھی میں ہی ہو نا؟''

''ہاں کیوں خیریت؟'' جہان اس غیر متوقع سوال پہ حیران رہ گیا۔

''گھر پہ ہو؟'' معاذ نے اس کا سوال نظر انداز کر کے پوچھا تھا۔

''ہاں مگر......''

''تو ٹھیک ہے، باہر نکل کر ٹیکسی کا کرایہ دینا میرے پاس کھلا نہیں ہے۔'' اس کی بات پہ جہان ششدر رہ گیا تھا۔

(جاری ہے)

فرخ طاہر قریشی

وقت گردش ایام کے تغیر کا عنوان ہے سمے ٹھہرتا نہیں ہے جیسے اچھا سمے نہیں رہتا ایسے ہی برا سمے بھی ٹھہرتا نہیں ہے اچھے سمے کے گزرنے کی پل بھر کی خبر نہیں ہوتی اور وہ گزر بھی جاتا ہے مگر اس کے برعکس برے سمے کے آنے پر زندگی میں ہر سو تاریکی چھا جاتی ہے اس قدر تاریکی نے زندگی مایوسی کی ڈگر پہ چل پڑتی ہے برا سمے کاٹے نہیں کٹتا انہی اچھے برے لمحوں کے سنگ عمریں بیت جاتی ہیں جہاں سانس ٹھہر جائے وہاں عمر کی حد ختم ہو جاتی ہے۔

اس کے دل میں تلاطم بپا تھا وہ بے خبری کے اچھے لمحوں کو مٹھی میں قید کر لینا چاہتی تھی جہاں جن لمحوں میں حقیقت سے بے خبر زندگی گزار رہی تھی وہ ایسے لمحوں میں لوٹ جانا چاہتی تھی لیکن یہ محض اس کی خام خیالی تھی وقت کب کسی کا انتظار کرتا ہے اس کا کام گزرنا اور یہ گزرتا چلا جاتا ہے گھڑی کی سوئیاں رک بھی جائیں تو وقت بے آواز آگے بڑھتا رہتا ہے جسے یہ شام...... جس نے اس سے اس کی ہستی کا غرور چھین لیا تھا بابا کے اعتبار کے شیشے میں ایسی دراڑ پڑی تھی کہ ایسا لگتا تھا اب وہ کبھی بھی اس دراڑ کو بھر نہیں پائے گی اس کا مان اس کا غرور سب ملیا میٹ ہو گیا تھا اب اس کا سامنا بھیانک لمحوں سے تھا، مگر پھر بھی اسے ان لمحوں کا سامنا کرنا تھا، اس امید کے سنگ کہ شاید پھر سے بابا کا اعتبار بحال کر پائے۔

☆☆☆

اس نے کمرے اور برآمدہ دھونے کے ساتھ ساتھ کھڑکیوں اور دروازوں کو بھی خوب رگڑ رگڑ کر دھویا تھا، وائپر لگانے کے بعد سب پنکھے فل رفتار پر چلا کر برآمدے کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ کمر پہ ٹکائے، ناقدانہ نظروں سے اپنی کارکردگی کا جائزہ لینے لگی، چم چم کرتے در و دیوار نے ساری تھکن سمیٹ کر طمانیت سے سرشار کر دیا تھا۔

''گڈ۔'' فرضی کالر اٹھا کر اپنا کندھا تھپکتے ہوئے اس نے خود کو شاباش دی اور کیاریوں میں پڑا پائپ اٹھا کر سرخ اینٹوں والا صحن دھونے لگی سے سارا پانی نکالنے کے بعد کمر پہ ہاتھ رکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی، پائپ لپیٹ کر ایک کونے میں ڈالتے ہوئے ایک نظر خود پر ڈالی کپڑے سارے گیلے تھے وہ ان کی پرواہ کیئے بغیر صحن میں لگے واحد املتاس کے پیڑ کے نیچے گیلے فرش پر بیٹھ گئی، اینٹوں میں بسی پانی کی تازگی پیروں کے رستے اندر سرائیت کرنے لگی اس نے تنے سے سر ٹکا دیا۔

صحن میں دائیں بائیں طویل کیاریاں تھیں کہیں ان میں موتیے، چنبیلی اور گلاب کے پودے لگے تھے تو کہیں امی جان نے سبزیاں اُگا رکھی تھیں سامنے برآمدہ تھا جس کے دائیں طرف کچن اور بائیں طرف اوپر کو جاتی سیڑھیاں اور اس سے آگے چار کمرے تھے، عصر کے بعد کا وقت تھا دھیمے دھیمے چلتی ہوا میں گلاب، موتیا اور چنبیلی کی ملی جلی خوشبو ہلکورے لے رہی تھی، وہ تنے سے سر ٹکائے فرصت کے ان خوبصورت لمحات کا مزا لے رہی تھی کہ ڈور بیل کی آواز پر اٹھ کر گیٹ کھولنا پڑا۔

''بابا جان آپ اس وقت......؟'' وہ حیرانگی سے ایک نظر وال کلاک پر ڈال کر بولی۔

''ہاں بیٹا! تمہاری پھپھو کا فون آیا کہ وہ کچھ دیر میں اپنی نئی نویلی بہو اور بیٹے کے ہمراہ ہماری طرف آ رہی ہے تو اس لئے مجھے شاپ سے اٹھ کر گھر آنا پڑا تا کہ تم لوگوں کو بھی خبر دوں اور ان کے کھانے پینے کے لئے بھی کچھ لا دوں اسی لئے میں آیا ہوں لو تم یہ سامان پکڑو اور اپنی

امی کو بلاؤ۔" جہانگیر نے سامان بیٹی کو پکڑاتے ہوئے کہا اور صحن میں پڑی رنگین پاؤں والی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"جی بابا جان میں سامان رکھ کر امی کو بلاتی ہوں، یہ بتائیں اس وقت دکان پر کون ہے؟" ارہم نے باپ سے سوال کیا۔

"ہاں بیٹا وہ ساتھ والی شاپ سے کچھ دیر کے لئے ایک لڑکا کھڑا کر کے آیا ہوں مجھے جلد ہی واپس چلنا ہو گا، پتہ نہیں آج ہی تمام لڑکوں (دکان کے ملازم) کو چھٹی کرنا تھی۔" جہانگیر نے جھنجھلائے ہوئے جواب دیا تھا۔

نرجس آراء، جہانگیر کی آواز سن کر باہر آ گئی۔

"بابا جان امی خود ہی باہر آ گئی ہیں۔" ارہم نے ماں کو آتے دیکھ کر باپ کو اطلاع دی اور خود سامان رکھتے کچن میں چلی گئی، کچھ دیر بعد واپس آئی تو جہانگیر اور نرجس کے ساتھ راشد چاچو بھی موجود تھے۔

راشد اور جہانگیر دونوں ساتھ ساتھ چارپائی پر بیٹھے تھے جبکہ نرجس آراء کرسی پہ ان کے سامنے بیٹھی تھی تینوں خوشگوار موڈ میں باتوں میں مگن تھے۔

"راشد چاچو آپ......؟" ارہم نے ماں کی کرسی کے پاس پہنچ کر راشد سے پوچھا۔

"ہاں میں...... نہ سلام نہ دعا آتے ہی سوال داغ دیا تم نے۔" راشد چاچو نے مسکرا کر ارہم کے سلام نہ کرنے پر چوٹ کی، ارہم شرمندہ سی مسکرا دی۔

"وہ بس آپ کو اچانک دیکھ کر حیران رہ گئی اس لئے سلام دعا سب بھول گئی۔"

"اچانک نہیں ارہم بیٹی میں نے ہی تمہارے چاچو کو فون کر کے بلایا، تمہاری پھپھو نعیم کی شادی کے بعد اس کی دلہن کے ساتھ پہلی مرتبہ گھر آ رہی ہے تو میں نے سوچا راشد کو بھی بلا لوں اچھا ہے سب مل لیں گے۔" جہانگیر نے ارہم کو بتایا۔

"بہت اچھا کیا بابا، ویسے بھی چاچو کافی دن سے آئے نہیں تھے۔" ارہم نے دوسری پڑی خالی کرسی پر بیٹھتے ہوئے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"اچھا جی اب آپ مجھے یہ بتائے کھانے میں کیا کیا بنانا ہے؟" خاموش بیٹھی نرجس آراء نے جہانگیر سے سوال کیا۔

"جو آپ کا دل کرے وہی بنا دیں سب چلے گا۔" جہانگیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

بہن کی آمد کی خبر پا کر وہ بہت خوش تھے اپنی اکلوتی بہن اور اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی ارہم سے بہت محبت کرتے تھے جبھی آج معمول سے زیادہ خوش دکھائی دے رہے تھے۔

"ٹھیک ہے آپ لوگ باتیں کریں، میں اتنے میں کچن میں دیکھ لوں کیا کیا چیزیں موجود ہیں اور کیا کیا بازار سے منگوانا ہے۔" نرجس آراء نے کہا اور اٹھ کر کچن کی طرف چل پڑی، باقی تینوں ایک دوسرے سے ہلکی پھلکی باتوں میں مصروف تھے، جب راشد، ارہم سے مخاطب ہوئے۔

"یاد آیا ارہم، یہ نقاب کرنا کب سے شروع کر دیا تم نے؟"

"نقاب......؟ کیا مطلب تمہارا؟" جہانگیر نے چونک کر راشد سے سوال کیا تھا۔

"میں نے کل دیکھا تھا ارہم کو کالج سے آتے ہوئے، یہ بلیک چادر میں تھی اسی چادر سے نقاب لیا ہوا تھا، میں وہاں تو کچھ نہیں کہا خاموشی سے گزر گیا، لیکن اب یاد آیا مجھے۔"

"ارہم ابھی سے نقاب لینے کی کیا ضرورت ہے گڑیا ابھی اتنی سی تو تم ہو خوامخواہ چادر میں ہی الجھ کر گر پڑو گی کسی دن راستے میں، کوئی ضرورت نہیں نقاب کرنے کی۔" راشد چاچو نے پیار سے ارہم کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

"ارہم نے نقاب کرنا شروع کر دیا، ہمیں تو خبر ہی نہیں۔" جہانگیر نے ارہم کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے اپنی بات کہی۔

"بابا میں کل پہلی مرتبہ نقاب کر کے آئی کالج سے تھوڑی مشکل تو ہوئی چادر سنبھالنے میں لیکن مجھے بہت اچھا لگا ایکدم خود کو محفوظ سمجھنے لگی میں نقاب کر کے دلی خوشی محسوس ہوئی مجھے۔"

"بابا مجھے بہت اچھا لگتا ہے لڑکیاں برقع لیتی ہیں آپ...... آپ مجھے بھی برقع لا دیں پلیز۔" ارہم نے جھجکتے ہوئے باپ سے فرمائش کی۔

"برقع؟ ارہم تم پاگل ہو گیا عمر ہی کیا ہے تمہاری۔" خاموش بیٹھے راشد چاچو نے سن کر فوراً ٹوک دیا۔

"عمر کو کیا ہے چاچو؟ میں اتنی چھوٹی نہیں ہوں بی ایس سی کے فائنل ائیر میں ہوں اور......" اس سے پہلے کہ ارہم اپنی بات مکمل کرتی جہانگیر نے دوٹوک انداز میں ارہم کی خواہش کو رد کیا تھا۔

"نہیں ارہم! بات عمر میں بڑا یا چھوٹا ہونے کی ہرگز نہیں ہے، تم نے چادر مانگی میں نے تمہیں لا دی مجھے خود مناسب لگا کہ اب تمہیں دوپٹہ نہیں چادر لینا چاہیے سو میں چادر اپنی خوشی سے لا کر تمہیں دی، تم نے اپنی خوشی سے نقاب کیا ٹھیک ہے میں کچھ نہیں کہہ رہا لیکن آئندہ نہ میں سنوں نہ میں دیکھوں کہ تم نے نقاب کیا، اپنی سمجھ میں بیٹھا لو یہ بات اور رہا برقع، تو برقع تو میں بھی بھی نہیں لینے کی اجازت نہیں دوں کا ہرگز نہیں، کسی صورت نہیں۔"

"لیکن بابا ایسا کیوں؟" ارہم نے فوراً احتجاج کیا تھا۔

"لیکن کا کوئی مطلب ہی نہیں نا اب کسی سوال جواب کی گنجائش......" جہانگیر نے ہاتھ اٹھا کر ارہم کو بولنے سے منع کیا۔

"وجہ تو بتا دیں بابا اور......" اس سے پہلے ارہم کچھ بولتی بیل ہوئی تھی ارہم اٹھ کر جانے لگی، تبھی کچن سے نکلتی نرجس آراء نے اسے منع کیا۔

"تم بیٹھو ارہم میں دیکھتی ہوں۔" اور آگے بڑھ کر گیٹ کھولا جہاں مسرت بیگم اپنی بہو اور بیٹے کے ہمراہ کھڑی تھی۔

"مسرت بہن آپ آ گئی۔" نرجس آراء نے خوشدلی سے مسرت بیگم کو خوش آمدید کہا اور اپنے ہمراہ لئے اندر لے آئی جہاں جہانگیر، ارشد اور ارہم بیٹھے تھے۔

جہانگیر بہن کو دیکھ کر خوشدلی سے اٹھے اور اپنے برابر میں جگہ بنا کر ساتھ بہن کو بیٹھایا، نعیم اور ناصرہ بھی سلام کرتے ہوئے ارہم کے ساتھ پڑی خالی کرسیوں پر رسمی علیک سلیک کے بعد ریلیکس ہو کر بیٹھ گئے، ارہم منہ پھلائے بیٹھی تھی تبھی مسرت پھپھو نے پوچھا تھا۔

"یہ ہماری ارہم گڑیا کیوں اتنی خاموش بیٹھی ہے کیا بات ہے کس نے ہماری بیٹی کو تنگ کیا؟"

"بابا نے؟" ارہم نے فوراً باپ کی طرف شکایتی نظروں سے دیکھتے ہوئے مسرت پھپھو کو جواب دیا۔

"مطلب......؟" مسرت بیگم نے الجھ کر جہانگیر اور ارہم کی طرف دیکھا۔

"پھپھو بابا نے ڈانٹا ہے، میں برقع لینا چاہتی ہوں اسی لئے میں نے بابا کو کہا مجھے برقع لا

دیں لیکن انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا اور برقع لے کر سے انکار کر دیا۔"

"برقع لے کر دینے سے انکار کر دیا؟" مسرت بیگم نے اچنبھے سے دوہرایا۔

"جی پھپھو۔"

"لیکن کیوں؟ کیوں بھائی صاحب یہ میں کیا سن رہی ہوں آپ نے برقع سے منع کیا، آپ تو خود اس معاملے میں سخت ہیں، مجھے یاد ہے آج تک جب آپ نے مجھے پردہ کرنے کا حکم دیا تھا اور پردہ وہ بھی اتنا سخت، یہ آج کل تو فیشن کے برقع چل پڑے ہیں جبکہ ہمارے وقتوں میں آپ نے مجھے سادہ برقع دیا تھا اور یہی آج تک میرے استعمال میں ہے مطلب اسی سٹائل کا پھر اب ایسا کیا جو آپ خود ارہم کو برقع سے منع کر رہے ہیں؟"

"عشرت جب زمانہ کچھ اور تھا، اب زمانہ کچھ اور ہے، بہن ہمیں بھی زمانے کی حساب سے چلنا پڑتا ہے نا۔" جہانگیر نے مدبرانہ انداز میں سمجھایا تھا۔

"زمانہ...... زمانے کی بھی خوب کہی بھائی صاحب آپ نے، زمانہ ہم انسانوں سے ہے یہ ہم پہ ہے ہم اسے کیسے اور کس انداز میں لیتے ہیں آپ زمانے کی آڑ مت لیں۔" عشرت پھپھو نجانے کیوں بحث پر اتر آئی تھی۔

"عشرت باجی، جہانگیر بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ نے زمانہ میں ماحول ہی اس قسم کا تھا کہ آپ کو پردے میں رہنے کا کہا گیا، لیکن اب ایسا نہیں ہے جدید دور ہے اور ارہم ابھی چھوٹی ہے۔" خاموش بیٹھے راشد چاچو نے بھی جہانگیر کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے بحث کرتی عشرت بیگم کو خاموش کرانا چاہا۔

"تم خاموش رہو راشد، مجھے تو حیرت ہو رہی ہے تم لوگ کس زمانے کس عمر کی بات کر رہے ہو؟ جب ارہم خود برقع لینا چاہتی ہے تو اس میں حرج ہی کیا ہے، بھئی اصل بات تو یہ ہے آپ لوگ تفریق کر رہے ہیں بہن اور بیٹی میں، بہن بہن ہوتی ہے اور بیٹی بیٹی، میں بہن تھی ناں تبھی سو پابندیوں میں جیتی رہی اور اب آپ کی بیٹی کی بات ہے تو سو جواب کھڑے کر دیئے ہیں آپ نے اچھا انصاف ہے بھائی صاحب۔" عشرت بیگم تلخ کلامی سے گویا ہوئی۔

سب افراد خاموش رہ گئے، جہانگیر غصہ سے ارہم کی طرف گھور رہے تھے جس کی چھوٹی سی بات سے بات اس حد تک بڑھ چکی تھی، ارہم خوف زدہ سی نظریں جھکائے بیٹھی تھی جب جہانگیر صاحب چارپائی سے اٹھے چپل پاؤں میں اڑس کر ارہم کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے صحن میں بنے پورچ کی طرف بڑھ گئے۔

پورچ میں کھڑی بائیک کو سٹارٹ کیا غصے میں ارہم کو بیٹھنے کا حکم دیا تھا، ارہم دوپٹہ درست کرتی خاموشی سے باپ کے پیچھے بیٹھ گئی، باپ کو پہلی بار اتنے شدید غصے میں دیکھا تھا، کبھی کچھ پوچھنے کی جرأت نہ کر پائی، نرجس آراء اور راشد بھاگ کر ان کے نزدیک آئے تھے۔

"ایسے غصے میں کہاں لے جا رہے ہیں اسے؟" نرجس آراء نے پریشانی سے سوال کیا تھا۔

"اسے اس کے سوالوں کا جواب دینے۔" جہانگیر نے مختصر جواب دیا اور آندھی کی سی تیز رفتاری کے ساتھ کھلے گیٹ سے بائیک اڑا لے گئے۔

ان کو تیز رفتار سے گاڑی نکال کر جاتا دیکھ کر نرجس آراء دہل کر ان کی خیریت سے پہنچنے کی دعا کرنے لگی۔

☆☆☆

بائیک کو فل رفتار سے دوڑاتے ہوئے اگلے سات منٹوں میں جہانگیر اپنی شاپ کے باہر کھڑا تھا، پورے پندرہ منٹ کا فاصلہ آج انہوں نے سات منٹوں میں طے کیا تھا، ارہم حیرت سے دکان کے باہر کھڑی باپ کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"نجانے کیوں بابا دکان پر لے آئے یہاں ایسا کیا ہے؟"

"چلو اندر۔" جہانگیر نے نیچی آواز میں حکم دیا تھا۔

ارہم خاموشی سے دکان میں داخل ہوئی، جہانگیر بائیک کو سائیڈ پر کھڑی کر کے شاپ میں آ گئے۔

یہ ایک جوس کی شاپ تھی جہاں پر فلیور کا جوس اور آئس کریم ملتی تھی، گو کہ یہ شاپ زیادہ بڑی نہ تھی لیکن جہانگیر نے عقل مندی کا ثبوت دیتے ہوئے دکان میں خوبصورت اور بھاری پردے لٹکا کر دکان میں چار کیبن بنا دیئے تھے، پردے کے بنے ان کیبن میں سے ہر ایک کیبن میں ایک ٹیبل اور چار کرسیاں تھیں دکان میں شروع ایک طرف کاؤنٹر تھا جہاں جہانگیر اور دکان کے دو ملازم لڑکے گاہکوں کا آرڈر پورا کرتے اور ان سے پے منٹ لیتے تھے، دکان میں صفائی کا خوب خیال رکھا گیا تھا مختلف ڈیکوریشنز سے دکان کو خوبصورت انداز میں سجایا ہوا تھا، اس وقت دکان میں زیادہ رش نہیں تھا۔

"بابا ادھر کیوں لائے ہیں؟" ارہم نے ہمت جمع کر کے باپ سے سوال کر ڈالا۔

جہانگیر خاموشی سے کچھ لمحے ارہم کی طرف دیکھتے رہے پھر گھڑی پر نظر ڈالی اور کہا۔

"جاؤ ادھر سیکنڈ کیبن کے سامنے کی کرسیوں پر جا کر خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔" کچھ ہی دیر میں تمہیں تمہارے سوالوں کا جواب مل جائے گا۔

ارہم بنا کچھ کہے جا کر باپ کے بتائے کیبن میں بیٹھ گئی۔

"پتہ نہیں بابا ادھر کیا دکھانے لائے ہیں؟" ارہم خود سے سوال کر رہی تھی جبھی ساتھ بیٹھے لوگوں کی باتوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"کومل میں تم سے سخت ناراض ہوں۔" لڑکے نے پیار بھری خفگی سے کسی سے شکوہ کیا تھا۔

"پلیز نبیل تم ناراض مت ہو، تم نے بلایا میں چلی آئی نا۔" لڑکی جو شاید کومل تھی نے جواب دیا تھا۔

"کیوں ناراض نہ ہوں میں، کل کتنی مرتبہ تمہیں کال کی لیکن تم نے ہر مرتبہ میرا نمبر بزی کر دیا، ایک مرتبہ بھی مجھ سے بات نہیں کی۔"

"میں جان بوجھ کر نمبر بزی نہیں کیا تھا، میں تمہیں ایس ایم ایس پہ بتا دیا تھا کل میرے گھر مہمان آئے ہوئے تھے جبھی میں کال پر تم سے بات نہیں کر پائی، مجھے مناسب نہیں لگ رہا تھا ان لوگوں کے سامنے موبائل استعمال کرنا، تم تو مجھے سمجھتے ہو ناں اور پھر میں کال پہ نا سہی میسجز پہ تو تمہارے سے مسلسل رابطے میں تھی نا۔" کومل نے اسے مناتے ہوئے وضاحت دی۔

"تو تم بھی جانتی ہو میں تمہاری آواز نہ سنو تو میں میرا دن اچھا نہیں گزرتا ہے۔" لڑکے نے پکے عاشقانہ انداز میں جواب دیا تھا۔

"اچھا نا...... آئندہ......" لڑکی اپنی بات مکمل کرتی درمیان میں رک گئی شاید لڑکا ان کا آرڈر انہیں سرو کرنے آیا تھا۔

کچھ دیر بعد جہانگیر خاموشی سے آ کر ارہم کے سامنے کرسی پہ بیٹھ گئے، ارہم نظریں جھکائے

بیٹھی تھی۔

''تم دونوں یہ روٹھنا منانا چھوڑو اب اتنے دنوں میں ملے ہو تو ڈھنگ سے باتیں کرو، پھر پتہ نہیں کب ملنا ہو اور یہاں میں اسے کھینچ کھانچ کر لائی ہوں مجھے تو تم الگ ٹریٹ دو نبیل۔'' دوسری لڑکی نے دوبارہ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں تمہاری ٹریٹ تو پکی ہے، جب جہاں دل کرے لے لینا ٹریٹ۔'' لڑکے نے کھلے دل سے اجازت دی تھی۔

''ارے نبیل تمہیں پتہ ہے میں اسے لائی کیسے ہوں یہ محترمہ تو ایسے ڈر رہی تھی جیسے ہم اسے کھا جائیں گے، تب میں اپنی ایک دوست کا برقع کچھ دیر کے لئے ادھار لیا خود وہ برقع پہنا اسے پہنایا اور یہاں لے آئی پھر بھی یہ ڈر رہی تھی اب اس سے کوئی پوچھے ان برقعوں میں ہمیں کوئی کیسے پہچان سکتا ہے۔'' دوسری لڑکی نے جوش میں آ کر تمام روداد لڑکے کے گوش گزار کی تھی۔

''ہاہاہا کومل کی یہی ادا تو مجھے متاثر کرتی ہے آج بھی پہلے دن کی طرح خوف زدہ رہتی ہے۔'' لڑکے نے چسکہ لیتے ہوئے تعریف کی تھی، تینوں مل بے تکی باتوں پہ ہنس رہے تھے۔

دوسری طرف ارہم زلزلوں کی زد پہ تھی ان کی باتوں نے اسے بری طرح چونکا دیا تھا، بابا کے برقع نہ لے کر دینے کی وجہ اسے اچھی طرح سمجھ میں آ گئی تھی، وہ حیرت اور دکھ بھری نظروں سے باپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

لڑکے کی پکار پر جہانگیر اٹھ کر ان کی طرف بڑھ گئے لڑکے نے اپنی پے منٹ کی جہانگیر گلاس ٹرے میں لا کر کاؤنٹر پہ گلاس رکھنے لگا۔

''تم دونوں چلی جاؤ گی یا میں چھوڑ آؤں۔'' نبیل نے دونوں لڑکیوں سے سوال کیا تھا۔

''نہیں نہیں تم جاؤ ہم خود چلے جائیں گے۔'' کومل نے فوراً ہی جواب دیا تھا۔

جب ارہم نے ان کے اور اپنے بیچ دیوار کے طور پر پڑے پردے کے سائیڈ سے ذرا سا پردہ ہٹا کر دوسری طرف جھانکا۔

دونوں لڑکیاں برقع پہن کر اپنے چہروں کو نقاب میں چھپا رہی تھی، دونوں نے سکون سے خود کو برقع میں چھپایا اپنی کتابیں اٹھائیں اور سر اٹھائے چلتی ہوئی بڑی شان سے دکان سے نکل گئی، یہ جانے بنا کہ پیچھے کسی کا سکون مان اور اعتبار ان کے پیروں کی دھول بنتا جا رہا ہے۔

جہانگیر ارہم کے پاس آئے اور بڑے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''تمہیں تمہارے سوالوں کا جواب مل گیا ہو گا؟''

''ہوں، جی بابا بہت اچھا جواب مل گیا ایسا جواب کہ جس نے مجھے آسمان سے اٹھا کر زمین پر لا پٹخا ہے، مجھے بڑا مان تھا میرے بابا مجھے سمجھتے ہیں مجھ پر اعتبار کرتے ہیں لیکن یہاں کیا ہوا بابا آپ تو ان جیسے ڈی گریڈ لوگوں کی وجہ سے اپنے اعتبار کے شیشے میں دراڑ ڈال بیٹھے، ایسی دراڑ جو کبھی ختم نہیں ہو سکتی، بابا آپ کا تو اپنی اولاد اپنی تربیت پہ سے بھروسہ اٹھ گیا۔'' آنسو پینے کی کوشش میں سر ہلاتے ہوئے ارہم نے باپ کو جواب دیا تھا۔

جہانگیر نے ضبط کی منزل پہ کھڑی بیٹی کو دیکھا اور نظریں جھکا لی، بیٹی کے دیکھائے آئینے میں خود کو دیکھ کر نا پا رہے تھے، اس وقت دونوں دکھی تھے، ایک کا مان ٹوٹا تھا تو دوسرے کا اعتبار۔

☆☆☆

ان باکس

تحسین اختر

جون کی ایک تپتی ہوئی دوپہر تھی، لمبی، پر حدت و سنسان اور جھلسا دینے والی، مگر میں اپنے گھر کے ایک نیم تاریک اور ٹھنڈے کمرے میں اپنے بستر پر لیٹی موبائل پکڑے عارف محمود کی یادوں کا خزانہ کھولے ہوئی تھی۔

عارف محمود کون ہے یہ آج میں آپ کو بتائے دیتی ہوں کیونکہ جب تک میں آپ کو عارف محمود کے بارے میں نہیں بتاؤں گی تب تک میں اپنے جذبات اور خیالات بھی آپ کے ساتھ شیئر نہیں کر پاؤں گی اور میں چاہتی ہوں کہ میں آپ کے ساتھ اپنے جذبات و احساسات شیئر کروں، آخر کوئی تو ایسا موقع ہو جب آپ کسی دوسرے پر اپنا آپ کھول کر رکھ دیں، اپنا دل چیر کر دوسرے کو دکھا دیں، ایسا کوئی میرے گھر میں تو ہے نہیں، شاہدہ آپا ہیں وہ ایک سرکاری اسکول میں پڑھاتی ہیں اور سرکاری اسکول کی استانیوں کی طرح ہی خشک مزاج اور روکھی ہو گئی ہیں، بات کرو تو کاٹ کھانے کو دوڑتی ہیں بس وہ ہیں یا

ان کے شاگرد، گھر آ کر بھی ان کا ٹیوشن سنٹر کھلا رہتا ہے، وہ بے چاری بھی کیا کریں عمر نکلی جا رہی ہے، بالوں میں چاندی کے تار چمکنے لگے ہیں مگر وہ ابھی تک بابل کے آنگن کی دہلیز تھامے بیٹھی ہیں، کوئی ڈھنگ کا رشتہ ہی نہیں ملا پھر وداع کیسے ہوتیں، جب رشتوں کی لائن لگی تھی تب انہیں اپنی سرکاری نوکری پر بڑا مان اور فخر تھا پھر جب آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا اور بیری پر آنے والے پتھروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہ گئی تب انہیں ہوش آیا مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی، اب یا تو کسی رنڈوے کے بدتمیز بچوں کو پالتیں یا پھر کسی بڈھے کی دل پشوری کرتیں یہ انہیں کسی صورت بھی قبول نہ تھا، اس لئے مزاج کا چڑ چڑا پن سہنے کے لئے ہم گھر والے ہی رہ گئے تھے ایسے میں شاہدہ آپا کے ساتھ دل جیسے حساس موضوع پر کوئی بات کیسے کی جا سکتی ہے۔

پھر ہے ہمارا اکلوتا لاڈلا راج دلارا بھائی، وہ کھیلنے کا شوقین اور گھر بھر کا لاڈلا، بیس سے اوپر کا ہو رہا ہے مگر ابھی تک ننھا بچہ ہی تصور کیا جاتا ہے، پڑھائی کا چور اور آوارہ گردی کا شوقین مگر جیسا بھی ہو ایک غیرت مند بھائی کے ساتھ کوئی بھی مشرقی بہن اپنے خیالات کیسے شیئر کر سکتی ہے، پیچھے رہ گئے اماں اور ابا وہ بے چارے کس کھاتے میں، ان کے اپنے ہی گورکھ دھندے ہیں اور اپنی ہی پریشانیاں، اس لئے ان کو تو اپنی مصروفیات میں گم رہنے دیں اور میرے ساتھ رہیں میں آپ کو عارف محمود کے بارے میں بتاتی ہوں۔

☆☆☆

ہماری چھوٹی خالہ جو بیاہ کر گوجرانوالہ سے لاہور چلی گئی تھیں اور ان کی نند کا بیٹا جب وہاڑی سے ملازمت کے سلسلے میں لاہور آیا (نند محترمہ وہاڑی میں رہتی تھیں) تو چھوٹی خالہ نے فوراً اماں کو فون کھڑکا دیا کہ عارف محمود کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہیے آخر ان کی اکلوتی نند کا بیٹا ہے اور ان کی عزت کا سوال ہے سسرال میں، بس ایک فون کرنے کی دیر تھی اماں جو چھوٹی خالہ کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی ہیں کمر کس کر میدان میں اتر آئیں اور عارف محمود کی خدمت میں جت گئیں، اب مسئلہ یہ تھا کہ اس عمر میں وہ اتنا کام اکیلے کیسے کر سکتی تھیں، مہمانداری کوئی آسان کام تھوڑی ہے اس لئے ہمیں یعنی مائدہ بتول کو ان کا ساتھ دینا پڑا، شاہدہ آپا نے تو حسب مزاج پہلے ہی ہری جھنڈی دکھا دی تھی، اس طرح عارف محمود کے کمرے میں صبح دوپہر شام کھانا وقت بے وقت چائے شربت چپس پکوڑے پہنچاتے پہنچاتے جانے کب اور کیسے ہمیں ان سے محبت ہو گئی، یہ ہمیں پتہ نہیں چلا، عارف محمود کو پتہ ہو تو ہو، ہمیں تو اس وقت پتہ چلا جب ہم اماں کے کہے بغیر ہی دوڑ دوڑ کر ان کے کام کرنے لگے، رومال موزے دھونا، کپڑے رگڑ رگڑ کر استری کرنا، جوتے چمکانا یہ کام ہم ایسے کرنے لگے جیسے ہمیں ان کاموں کے علاوہ دنیا کو کوئی دوسرا کام ہی نہ ہو، عارف محمود ہم سے خوش ہوتے تو ہماری آنکھوں میں ستارے چمکنے لگتے، دل دھڑک دھڑک کر گیت گانے لگتا، پاؤں الگ ہی لے پر تھرکنے لگتے، یہ محبت ہی تھی اور بلاشبہ محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔

''تمہارے پاس موبائل ہے۔'' ایک دن عارف نے ہم سے پوچھا تھا۔

''ہے کیوں نہیں۔'' ہم نے فخر سے بتایا تھا۔

''مجھے نمبر دو۔''

انہوں نے نمبر مانگا اور ہم نے خون دل سے لکھ کر ان کو پکڑا دیا۔

بس پھر کیا تھا اب تو قدم قدم پہ ہماری محنت اور محبت رنگ لانے لگی ہر پل ہر لمحہ عارف محمود ہم سے رابطے میں رہنے لگے، وہ گھر میں ہوتے یا باہر ہمیں ہر پل کی خبر ہوتی، ان کا کوئی کام ہوتا تو شکریہ ادا کرتے، کچھ طلب کرنا ہوتا تو بلا لیتے، شام ہوتی تو خوبصورت شعر بھیجتے صبح ہوتی تو اچھی اچھی باتیں لکھ بھیجتے، ہم تو اب اور ہی دنیا میں رہنے لگے تھے اور یہ دنیا بس عارف محمود کے اردگرد ہی گھومتی تھی۔

☆☆☆

آگ ہرا کے چلی ہے اسے آنچل کر دو
تم مجھے رات کا جلتا ہوا جنگل کر دو
چاند سا مصرعہ اکیلا ہے مرے کاغذ پر
چھت پہ آ جاؤ مرا شعر مکمل کر دو
میں تمہیں دل کی سیاست کا ہنر دیتا ہوں
اب اسے دھوپ بنا دو مجھے بادل کر دو
اپنے آنگن کی اداسی سے زرا بات کرو
نیم کے سوکھتے ہوئے پیڑ کو صندل کر دو
تم مجھے چھوڑ کے جاؤ گے تو مر جاؤں گا
یوں کرو جانے سے پہلے مجھے پاگل کر دو

عارف محمود چند ماہ رہ کر واپس وہاڑی چلا گیا تھا اور اپنے پیچھے مجھے واقعی پاگل ہی کر گیا تھا، مجھے تو عارف محمود کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ اب میں گھر میں کھوئی کھوئی رہنے لگی تھی، بے شک موبائل کے سہارے اس سے رابطہ ویسے کا ویسا تھا، اب تو میرے ان بکس میں اس کے محبت بھرے پیغامات کی جگہ بھی نہیں تھی، میں نے اس کا لکھا ہوا ہر لفظ بڑے پیار سے اور احتیاط سے سنبھال کر رکھا تھا، جب دل کی بے کلی حد سے سوا ہوتی تو ان لفظوں کا سہارا لے کر دل کو پرسکون کر لیا کرتی تھی، میں گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر جلد از جلد کمرے میں آ جاتی اور تنہائی پاتے ہی ان بکس کھول کر بیٹھ جاتی پھر میں ہوتی اور عارف محمود، پھر ہر طرف محبت ہی محبت ہوتی کہیں جدائی کا نام و نشان نہ ہوتا۔

☆☆☆

وہ ایک بڑا ہی گرم اور حبس بھرا دن تھا، میں پسینے سے شرابور کچن سے نکلی تھی جب میں نے باہر برآمدے میں اماں کے تخت پر پڑا ایک سنہری کارڈ دیکھا تھا۔

''یہ اتنی گرمی میں کس کی شادی آ گئی۔'' میں نے کہتے ہی لپک کر کارڈ اٹھایا تھا اور پھر اسی سرعت سے کارڈ میرے ہاتھ سے گر گیا تھا، اس کارڈ نے مجھے ایک ناگ کی طرح ڈنگ مارا تھا اور میرا وجود نیل و نیل کر دیا تھا، کارڈ وہاڑی سے آیا تھا اور عارف محمود کی شادی کا کارڈ تھا اس نے تو مجھے کہا تھا کہ وہ بہت جلد اپنی اماں کو لے کر ہمارے گھر آئے گا یہ تو نہیں بتایا تھا کہ وہ بہت جلد جھلسا دینے والے موسم میں ہی کسی شگفتہ نورین کا ہم سفر بن جائے گا۔

شگفتہ، نورین جانے کون تھی مگر اس نام نے میرے اندر کڑواہٹ ہی کڑواہٹ بھر دی تھی، مجھے اپنا آپ سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

آپ بھی سوچ رہے ہوں گے میں نے بھی کس ناقدرے شخص کو دل دیا اور اپنے ساتھ ہی کیا برا کیا، آپ جو مرضی سوچیں میں نے تو بس اتنا ہی سوچا تھا کہ کہیں شاہدہ آپا کی طرح میں بھی گھر میں بیٹھی بوڑھی نہ ہو جاؤں اور اپنے در دل پر دستک دینے والی پہلی بہار سے ہی پھول توڑنے چاہے تھے مگر مجھے کیا خبر تھی کہ وہ پھول نہیں ببول ہیں۔

اور ہاں اب میرے دل کی طرح میرا ان باکس بھی بالکل خالی ہے۔

☆☆☆

حقیقتوں کی تلخی

ساجدہ تاج

"کیا بتاؤں میری جان دل ہے کہ کسی چیز میں لگتا ہی نہیں ہے، بس ہر وقت تمہارے تصور میں ہی گم رہتا ہوں، نہ ٹھیک سے کھانے کا ہوش رہتا ہے اور نہ پینے کا۔" موبائل کے سپیکر سے اس کی آواز کسی سرگوشی کی مانند برآمد ہوئی تھی۔

"میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے شاہد، اب تو پڑھائی میں بھی دل نہیں لگتا، مارے باندھے کالج جاتی ہوں۔" بظاہر کتاب گود میں رکھے وہ پڑھ رہی تھی لیکن درحقیقت موبائل کان سے لگائے وہ اپنے بوائے فرینڈ سے بات کر رہی تھی۔

"تو پھر میرے پاس آ جاؤ، تمہاری ساری بے قراریاں دور کر دوں گا۔" دوسری جانب سے پرشوق انداز میں کہا گیا۔

"اونہہ اتنا آسان نہیں ہے تمہارے پاس آنا۔" انداز دلبری سے کرن نے جواب دیا۔

"سویٹ ہارٹ اتنا مشکل بھی نہیں ہے یہ، ایک تمہاری ذرا سی ہمت دکھانے کی ضرورت ہے اور تم انشاءاللہ میرے پاس ہو گی۔"

"ہمت کی ہی تو کمی ہے مجھ میں، ورنہ نجانے کب کی میں تمہارے پاس ہوتی۔" افسردہ لہجے میں وہ اپنی کمزوری کا اعتراف کر رہی تھی۔

"لیکن ڈارلنگ اس طرح کب تک چلے گا۔" شاہد نے اکتائے لہجے میں پوچھا، وہ جتنا اس چڑیا کو قابو میں کرنا چاہتا تھا وہ اتنا ہی اس سے دور تھی۔

"اچھا چھوڑو یہ سب کچھ اور یہ بتاؤ کہ تمہارا کام کیسا جا رہا ہے۔" کرن نے موضوع بدلنے کی خاطر پوچھا۔

"بھاڑ میں گیا کام وام، ارے اگر کام میں دل لگتا میرا تو دو دو تین تین گھنٹے تمہیں فون کرنے کے انتظار میں نہ گزارتا، ہر وقت اسی انتظار میں رہتا ہوں کہ کب تم مس کال دو گی اور کب میں تمہیں فون کر کے تمہاری سریلی آواز سنوں گا نجانے کیسا جادو کیا ہے تم نے مجھ پر کہ تمہارے علاوہ کچھ اور بھائی ہی نہیں دیتا ہے۔" دوسری طرف لہجے میں لگاوٹ لئے شاہد نے جواب دیا۔

"جادو تم نے مجھ پر کیا ہے، ہر سال کلاس میں اول آئی تھی مگر اب تو لگتا ہے کہ ایگزام میں بہ مشکل پاس ہی ہوں گی۔" کرن نے بھی اپنی بے قراریوں کی داستان سناتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو یہ پڑھائی وڑھائی، کیا رکھا ہے اس میں، اب تو تم اپنا گھر بسانے کی فکر کرو۔"

"تمہیں بہت شوق ہے گھر بسانے کا تو اپنا گھر بسا لو، مجھے تو ابھی بخشو۔" کرن نے مسکرا کر اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"پاگل لڑکی، تمہارے بغیر بھلا میں اپنا گھر کیسے بسا سکتا ہوں، اس زندگی میں تم ہو تو روشنی ہے، خوشی ہے، اطمینان ہے، خواہش ہے، آرزو ہے اور نجانے کیا کیا کچھ، اگر تم ہی اس زندگی میں نہیں ہو گی تو پھر اس زندگی کا کیا فائدہ۔" جذبوں کی شدت سے شاہد کا بھاری لہجہ مزید بھاری ہو گیا تھا۔

"اوہو شاعری، لگتا ہے میری محبت نے تمہیں مجنوں کے علاوہ شاعر بھی بنا دیا ہے۔" کرن نے اترا کر کہا، وہ بات کرتے کرتے ایک آدھ سرسری نظر کمرے سے باہر صحن پر بھی ڈال لیتی تھی جہاں چارپائی بچھائے فاخرہ بیگم سبزی بنا رہی تھیں۔

"اڑا لو میرا مذاق جتنا اڑانا ہے، ابھی تمہارا وقت چل رہا ہے، جب میرا وقت شروع ہوا نا تو یاد رکھوں گی کہ۔"

"کس بندر سے پالا پڑا ہے۔" کرن نے اس کی بات کاٹتے ہوئے دبی سی ہنسی کے ساتھ اس کا برملا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"کرن...... کرن بیٹا، کہاں ہو تم، یہ شام کی چائے کے کچھ برتن پڑے ہیں آ کر انہیں دھو دو، میں تب تک چولہے پر ہانڈی چڑھا دیتی ہوں۔" اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی باہر سے فاخرہ بیگم کی آواز آئی۔

"ابھی آتی ہوں امی، بس یہ ایک مضمون یاد کرنے والا رہ گیا ہے۔" کرن نے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے ان سے کہا پھر فون دوبارہ کان سے لگائے ہوئے بولی۔

"اچھا شاہد باقی باتیں پھر کریں گے فی الحال تو امی باہر بلا رہی ہیں، ویسے بھی کافی دیر ہو گئی ہے مجھے پڑھائی کا بہانہ کر کے تم سے بات کرتے ہوئے، اس لئے باقی گپ شپ رات کو کریں گے۔" کرن نے کہا پھر فون بند کرنے سے پہلے بولی۔

"یاد رہے کہ میں مس کال کروں گی تو تم نے فون کرنا ہے ورنہ نہیں او کے بائے۔" فون بند کر کے اس نے شاہد کا نمبر ان کمنگ کالز میں سے بھی اور آؤٹ گوئنگ کالز کی لسٹ میں سے بھی ڈیلیٹ کر دیا۔

"امی کیا پکار رہی ہیں آپ آج۔" باہر آ کر اس نے فاخرہ بیگم سے پوچھا۔

"پکانا کیا ہے، صبح سبزی والے سے میتھی لی تھی سوچا تھا دوپہر میں آلو میتھی پکا لوں گی مگر یہ موئی سبزی ہی ایسی ہے کہ سارا دن ہی لگ گیا اسے بنانے میں، اب بھی شام ہونے کو آئی ہے تب جا کر مکمل ہوئی ہے، ابھی اسے پکنے میں بھی ٹائم لگے گا اوپر سے تمہارے ابو کے آنے کا بھی ٹائم ہو رہا ہے۔" انہوں نے تفصیل سے میتھی کی شان میں قصیدہ گوئی کی تھی۔

"تو ایسی سبزی لینے کی ضرورت ہی کیا تھی، جس کی بنانے میں ہی آپ کا سارا دن گزر گیا۔" کچن میں ان کے قریب کھڑی وہ ناک بھوں چڑھاتے ہوئے بولی۔

"اے لو یہ بھی تم نے خوب کہی، سبزی والا آیا تو میں نے نئی سبزی دیکھ کر آلو میتھی لے لیا، اب اکیلی یہ سبزی بنا رہی تھی اس لئے وقت تو لازمی لگنا تھا، تمہیں اس لئے نہیں بلایا کہ تم اندر کمرے میں اپنی پڑھائی کر رہی تھیں۔" انہوں نے تفصیلی جواب کرن کو دیتے ہوئے کہا پھر بولیں۔

"اچھا تم میتھی آلو پر فتویٰ بعد میں دینا پہلے چائے کے یہ برتن دھو دو، مغرب ہونے والی ہے۔"

☆☆☆

افتخار احمد کے تین بچے تھے بڑی بیٹی، فرحیہ پھر عاطف اور اس کے بعد کرن یہ تینوں بچے افتخار احمد اور فاخرہ بیگم کی کل کائنات تھے، افتخار احمد ایک پڑھے لکھے انسان تھے اور ایک چھوٹا سا میڈیکل سٹور چلا کر اپنی گزر بسر کرتے تھے، بڑی بیٹی فرحیہ نے ایف اے کیا تو ان کے جاننے والوں میں اس کی شادی کر دی، بیٹے عاطف نے تعلیم مکمل کی تو باپ کے ساتھ میڈیکل سٹور پر کام کرنے لگا اور اس میڈیکل سٹور کو ترقی دے کر ساتھ ہی جنرل سٹور بھی بنا لیا اور یوں ان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا چلا گیا، تیسرے نمبر پر کرن تھی، جو گھر بھر کی لاڈلی ہونے کے سبب کچھ مغرور اور خودسر ہونے کے ساتھ ساتھ خود غرض بھی تھی، ایف اے کی طالبہ تھی۔

شاہد سے اس کی فون پر فرینڈ شپ ہوئے تقریباً چھ ماہ ہوئے تھے، ہوم یوز کے طور پر افتخار احمد نے ایک سیل فون گھر پر رکھا ہوا تھا، تاکہ کسی بھی ایمرجنسی میں گھر والوں کو پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے اور وہ سیل فون زیادہ تر کرن کے پاس

ہی رہتا تھا، اگرچہ کہ اسے کالج میں یہ سہولت لے کر جانے کی اجازت نہ تھی مگر جب وہ کالج سے گھر آ جاتی تو سارا وقت سیل فون اس کے پاس رہتا تھا، کبھی کبھی اس پر رونگ کالز بھی آ جاتی تھیں اور ان آنے والی رونگ کالز میں سے ایک کال شاہد حسنی کی بھی تھی، جو کہ کرن کے لئے بالکل رائیٹ کال بن گئی تھی، اس وقت سے وہ دن میں دو چار بار شاہد سے ضرور بات کرتی تھی اور جب تک وہ اس سے بات نہ کر لیتی تھی اسے سکون ہی نہ آتا تھا، کمرے میں گھسی پڑھائی کا بہانہ کر کے وہ اسی سے گپ شپ کر رہی ہوتی تھی، آج کل ہر نیٹ ورک پر سستے ترین پیکج چل رہے تھے، کہیں دو روپے گھنٹہ تھا تو کہیں تین روپے اور ان آفرز میں سے فائدہ اٹھانے والے ایک شاہد اور کرن بھی تھے۔

شاہد نے اسے اپنے اور اپنی فیملی کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ لوگ لاہور میں رہتے ہیں، اس کے والد کا شوروم ہے اور چونکہ وہ بھی اپنے والد کے ساتھ کام کرتا تھا، اس لئے نئی اور پرانی گاڑیوں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں دوسرے شہروں میں جانا پڑتا رہتا ہے، اس نے بتایا تھا کہ وہ دو بھائی اور دو بہنیں ہیں، بڑے بھائی اور دونوں بہنوں کی شادی ہو چکی ہے، جبکہ اس نے ابھی تک شادی نہیں کی ہے، اسی طرح کی اور کئی باتیں اس نے اپنے بارے میں کرن کو بتائی تھیں جسے کرن سن کر کرن دل و جان سے اس پر فدا ہو چکی تھی۔

☆☆☆

"امی کیا کر رہی ہیں آپ، ادھر آئیں ذرا اور میری بات سنیں۔" آج فاخرہ بیگم کی بڑی بیٹی فرحیہ آئی ہوئی تھی، قریب ہی سسرال ہونے کی وجہ سے ہفتے میں ایک چکر تو وہ ضرور لگاتی تھی اور آج تو ان کی آمد بہت خاص تھی۔

"آ رہی ہوں بیٹا! بس وہ تمہارے لئے پلاؤ بنانے کا سوچ رہی تھی اسی لئے یخنی پکنے رکھ کر آئی ہوں۔"

"ارے امی چھوڑیں آپ، میں کوئی مہمان ہوں کہ آپ یہ تکلیف کر رہی ہیں، ادھر بیٹھیں اور میری بات سنیں، آج میں آپ کے پاس ایک اسپیشل مقصد کے تحت آئی ہوں۔" اپنے انداز کو مزید پراسرار بناتے ہوئے اس نے کہا۔

"ہاں اب بولو، تم کیا کہہ رہی تھیں، خیریت ہے نا۔" فاخرہ خاتون نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا، اگرچہ کہ جوان بچوں کی ماں تھیں وہ مگر آج بھی بہت ایکٹو تھیں۔

"خیریت ہی ہے امی، اظہر (شوہر) کے قریبی دوست ہیں نا بلال، ان کی امی نے بلال کے لئے اپنی کرن کا رشتہ مانگا ہے، اچھی پڑھی لکھی فیملی ہے، لڑکا ائیر فورس میں ہے، اظہر کی بچپن کی دوستی ہونے کی وجہ سے شروع سے انکا ہمارے ہاں آنا جانا بھی بہت ہے، اب آپ ہی بتائیے انہیں کیا جواب دوں۔" فرحیہ ایک ہی سانس میں تمام تفصیل سے انہیں آگاہ کر گئی تھی۔

"اچھا تمہارے ابو آتے ہیں تو ان سے بات کرتی ہوں پھر کسی روز انہیں اپنے ہاں بلا لیں گے، اگر تم مطمئن ہو تو پھر یقیناً وہ لوگ اچھے ہی ہوں گے۔" تمام بات سن کر فاخرہ بیگم نے کچھ سوچ بچار کے بعد کہا۔

"لڑکا اور اس کے گھر بار کی بلکہ ہر چیز کی گارنٹی دینے کے لئے اظہر تیار ہیں، آپ بس ابو سے بات کر کے ایک بار انہیں اپنے گھر بلا لیں پھر جا کر ان کا گھر بار دیکھ آنا آپ۔" فرحیہ اس رشتے کے لئے بہت زیادہ ایکسائیٹڈ تھی، تب ہی انہیں ہر طرح سے اطمینان دلا رہی تھی۔

☆☆☆

''کہاں تھیں تم، صبح سے میں تمہاری مس کال کا انتظار کر رہا ہوں آج سنڈے تھا پھر بھی تم اتنا بزی تھیں کہ مجھے بھول گئیں۔'' آج اتوار کا دن تھا اور وہ صبح سے ہی مہمانوں میں مصروف تھی، اب کہیں جا کر مہمان رخصت ہوئے تھے تو وہ اپنے کمرے میں آئی تھی اور آتے ہی موبائل اٹھا کر اس نے شاہد کو مس کال کی تھی، دوسری طرف تو وہ جیسے اس کی مس کال کے ہی انتظار میں بیٹھا ہوا تھا، فوراً فون کر کے غصے سے بولا تھا۔

''آج کا دن واقعی بہت مصروفیت لے کر آیا تھا، گھر میں مہمان آئے ہوئے تھے بس پھر اسی سلسلے میں کچھ مصروف تھی میں۔'' کرن نے آہستگی سے جواب دیا، لہجے میں موجود افسردگی چیخ چیخ کر کسی پریشانی کی طرف اشارہ کر رہی تھی، شاہد بھی اس کے لہجے اور انداز کو سمجھ چکا تھا تب ہی اپنے غصے کو جھٹکتا نرم سے انداز میں بولا۔

''کون مہمان تھے اور کس سلسلے میں آئے تھے۔'' کچھ کھوجتا ہوا سا لہجہ تھا اس کا۔

''فرحیہ آپی کے جاننے والوں میں سے تھے اور میرا رشتہ لے کر آئے تھے۔'' وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

''پھر تمہارے امی ابو نے کیا جواب دیا؟'' شاہد نے بے صبرے پن سے پوچھا۔

''لڑکا اچھا ہے پرکشش جاب کرتا ہے گھر بار بھی بہت اچھا ہے، پھر ہر والدین کو یہی سب کچھ تو چاہیے ہوتا ہے۔'' کرن نے اس بار چبھتے لہجے میں جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تمہارے والدین نے ہاں کر دی ہے۔''

''ابھی تو نہیں کہ لیکن اگر تم اسی طرح چپ چاپ بیٹھے رہو گے تو ایک دن میں کسی اور کی دلہن بن کر رخصت ہو جاؤں گی، تم آخر اپنے والدین کو کیوں نہیں ہمارے گھر بھیجتے۔'' کرن نے غصے سے کہا، آج صبح آنے والے مہمانوں کو دیکھ کر وہ اندر ہی اندر طیش کھا رہی تھی اسے شاہد پر شدید غصہ آ رہا تھا جو اس سے محبت کے دعوے تو کر رہا تھا مگر اس محبت کے ملاپ کے لئے کوئی قدم نہ اٹھا رہا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں نے اس سلسلے میں ان سے بات نہیں کی ہو گی، کی ہے ہر طرح سے ان کی منت سماجت کی ہے مگر انہوں نے صرف ایک رٹ پکڑی ہوئی ہے کہ اگر اس گھر میں تمہاری دلہن بن کر کوئی عورت آئے گی تو وہ تمہاری بڑی بھابھی کی بہن، اس کے علاوہ کوئی اور لڑکی دلہن بن کر ہمارے گھر نہیں آ سکتی پھر تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔'' شاہد نے دردناک لہجے میں کہا، کچھ پل دونوں طرف خاموشی چھائی رہی پھر اس خاموشی کو توڑنے میں شاہد نے پہل کی۔

''ایک آئیڈیا ہے میرے پاس اس مسئلے کے حل کے لئے۔''

''کیا؟'' کرن نے پوچھا۔

''لیکن مجھے لگتا ہے کہ تم شاید اسے پسند نہ کرو۔'' شاہد اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''تم بتاؤ تو سہی، میں تمہیں پانے کے لئے کسی حد تک بھی جا سکتی ہوں تم ایک بار کہو تو سہی۔'' کرن نے جذباتی سے انداز میں کہا۔

''ہم دونوں کورٹ میرج کر لیتے ہیں، کچھ عرصے بعد جب سارا معاملہ رفع دفع ہو جائے گا تو میں اپنے گھر لے جاؤں گا، مجھے یقین ہے کہ پھر میرے والدین تمہیں میری بیوی اور اپنی بہو کے روپ میں قبول کر لیں گے۔'' شاہد نے اپنا نقطہ نظر اس پر واضح کیا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو شاہد اس طرح سے۔'' کرن ہچکچائی۔

''سوچ لو کرن، تمہارے اور میرے پاس صرف یہی ایک راستہ ہے اور اس کے لئے ہم دونوں کو نہ صرف ہمت اور حوصلہ کرنا ہے بلکہ کچھ نہ کچھ قربانی بھی دینی پڑے گی، تمہاری پوری زندگی کا سوال ہے، کیا تم پوری زندگی ایک ایسے شخص کے ساتھ گزار دو گی جسے تم جانتی نہیں ہو جس سے تم محبت نہیں کرتی ہو، ابھی بھی وقت ہے کرن، سب کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے، ایک صرف تھوڑی سی تمہیں ہمت کرنے کی ضرورت ہے، میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں کرن، پلیز اس محبت میں مجھے تنہا مت چھوڑ دینا۔'' شاہد اسے ایک نیا راستہ دکھانے کے ساتھ ساتھ جذباتی بلیک میلنگ بھی کر رہا تھا اور جذبات کے دھارے میں بہتی کرن کو اس وقت کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے، کچھ پل کی خاموشی ایک مرتبہ پھر ان کے بیچ آ ٹھہری تھی۔

''کرن میری جان فیصلہ اگرچہ کہ مشکل ہے مگر سویٹ ہارٹ تمہیں ہمت اور حوصلہ کر کے کوئی نہ کوئی تو فیصلہ کرنا ہی پڑیگا، تمہاری زندگی تمہاری اپنی ہے اور یہ زندگی صرف ایک بار ہی ملتی ہے اسے یوں دوسروں کے فیصلوں کی بھینٹ مت چڑھاؤ، ایک طرف میں ہوں جسے تم محبت کرتی ہو اور دوسری طرف وہ ہے جس سے محبت کرنا تو دور کی بات اسے تم جانتی تک نہیں ہو، اس لئے فیصلہ اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔'' خاموشی کی چادر میں شگاف ڈالتی شاہد کی آواز گونجی تھی، اس کا دھیما محبت بھرا لہجہ کرن کو بغاوت کرنے پہ اکسا رہا تھا، ماں باپ کے خلاف بغاوت، معاشرے کے خلاف بغاوت، وہ اس وقت یہ بات قطعی بھول گئی تھی کہ گھر سے بھاگنے والی لڑکیوں کے لئے سماج میں کہیں کوئی جگہ نہیں ہے، ان کے ماں باپ جیتے جی مر جاتے ہیں۔

''لیکن میں گھر سے تمہارے ساتھ...... میرا مطلب ہے۔'' کہیے کچھ دیر بعد اس نے جھجکتے اور اٹکتے ہوئے پوچھا۔

''کیا مطلب، میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔'' شاہد نے کہا۔

''میرا مطلب ہے کہ میں تنہا گھر سے کہیں بھی نہیں آتی جاتی ہوں، کالج بھی آتی جاتی ہوں تو ابو یا پھر بھائی لے کر آتے جاتے ہیں پھر گھر چھوڑ کر میں تمہارے ساتھ کیسے جا سکتی ہوں۔'' اپنی آمادگی کا ہلکے سے اظہار کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''ارے میری جان یہ کون سا مشکل کام ہے، اگلے ہفتے کو مجھے کسی ضروری کام سے سرگودھا آنا ہے، تم ٹھیک روزانہ کی طرح اس دن بھی کالج آنا اور جیسے ہی چھٹی ہو گی ہم شہر سے نکل جائیں گے اور دو گھنٹے بعد جب تمہارے گھر سے کوئی تمہیں لینے آئے گا تب تک ہم یہ شہر چھوڑ چکے ہوں گے او کے۔'' شاہد تو لگتا تھا سارا پروگرام ترتیب دیئے بیٹھا تھا تب ہی بلا جھجک اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

''لیکن شاہد میں تمہیں اور تم مجھے پہچانو گے کیسے کیونکہ ہم نے آج تک ایک دوسرے کو دیکھا ہی نہیں ہے۔'' کرن نے اپنے ذہن کی ایک اور الجھن اس کے آگے رکھتے ہوئے پوچھا۔

''سمپل میری جان، پہلی بات تو یہ کہ میں تمہیں اپنی گاڑی کا نمبر دوں گا، دوسرا میں ریڈ کلر کی شرٹ اور بلیک پینٹ میں ہاتھ میں ریڈ روز لئے کھڑا ہوں گا اور تیسرا میں اس گلاب کی پتیاں بکھیر رہا ہوں گا چوتھا جب تم میرے پاس آ گئی

تو پہلے میں تمہیں تمہارے نام سے پکاروں گا تو تم سمجھ جانا کہ تم مجھ تک پہنچ گئی ہو، اس میں غلطی کی یا غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" شاہد سب کچھ روانی سے طے کرتا اسے سمجھائے جا رہا تھا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن۔" کرن نے تمام بات سننے کے بعد ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"کوئی لیکن ویکن نہیں کرن، تمہیں ہر حال میں ہمت کرنی ہے اور آنے والے وقت میں ہر قدم پر میں تمہارا ساتھ دوں گا، پیار کرنے والے دو لوگ ایک ہو جائیں گے، ہم اپنی الگ دنیا بسائیں گے، جہاں پیار ہی پیار ہو گا، کوئی ٹینشن یا پریشانی نہیں ہو گی۔" شاہد ایک بار پھر ایموشنل بلیک میلنگ پر اتر آیا تھا، کرن کی کمزوری سے واقف تھا کہ وہ نادان لڑکی خوبصورت لفظوں سے بہلنے والی تھی اس لئے اسے لفظوں کی مٹھاس سے زہر دے رہا تھا۔

"ٹھیک ہے شاہد میں اس کے لئے تیار ہوں لیکن تم پیچھے مت ہٹنا۔" کرن نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"میری جان مجھے تو کسی مقام پر بھی اپنے سے پیچھے نہیں پاؤ گی اوکے۔" شاہد نے خوشی سے چہکتے لہجے میں کہا۔

☆☆☆

"امی یہ کرن آج نظر نہیں آ رہی، کہاں ہے یہ۔" اگلے دن عاطف نے اس کی غیر موجودگی محسوس کرتے ہوئے کہا کیونکہ عموماً اس وقت وہ ٹی وی کے سامنے بیٹھی نظر آئی تھی، چونکہ آج وہاں پر موجود نہ تھی اس لئے عاطف پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"اندر کمرے میں فون پر اپنی سہیلی سے بات کر رہی ہے۔" فاخرہ بیگم نے اس کے سامنے کھانا رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"امی آپ اس طرح ہر وقت اسے فون نہ دے رکھا کریں، آج کل ماحول بہت خراب ہے۔" عاطف نے ناگواری سے کہا۔

"وہ تو تم ٹھیک کہتے ہو بیٹا، میں خود اس چیز کا بہت خیال رکھتی ہوں اور خود میری کرن بھی ایسی ویسی طبیعت کی لڑکی نہیں ہے، شوخ چنچل لڑکیوں کی طرح بار بار چھت پر آنا جانا اسے خود پسند نہیں ہے، نہ ہی ایسی ویسی لڑکیوں سے اس کی دوستی ہے کہ وہ ان کا اثر لے سکے، اپنے کام سے کام رکھتی ہے، تمہارے ساتھ یا پھر اپنے ابو کے ساتھ کالج آئی جاتی ہے، اس لئے تم اس کی طرف سے فکر مند نہ ہو، اللہ سے بس یہی دعا ہے کہ فریحہ کی طرح اسے بھی اپنے گھر بار کا کر دوں تو پھر سکون آئے گا مجھے۔" فاخرہ بیگم نے گہری سانس بھرتے ہوئے عاطف کو تسلی دی تھی۔

نادان ماں یہ نہ جانتی تھی کہ برائی سے بچنے کے لئے خود انسان کے اندر اچھائی کا ہونا ضروری ہوتا ہے، جب تک ہمارا "اندر" مضبوط نہیں ہو گا ہم برائی کے سامنے سینہ سپر نہیں ہو سکتے، ہاں اگر "اندر" سے ہم مضبوط ہیں تو بڑی سے بڑی برائی بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی، بڑی سے بڑی برائی بھی ہمارے قدم اکھاڑنے میں ناکام رہے گی۔

کچھ حقیقتوں تک انسان کی رسائی اس وقت ہوتی ہے جب کچھ باقی نہیں بچتا، خالی ہاتھ تہی دامن انسان ان حقیقتوں کی گہرائیوں کو سوچتا چلا جاتا ہے، ایک سرے سے دوسرا اور ایک کڑی سے دوسری کڑی ملتی ہے تو شعور و آگہی خود بخود ذہن و دل کی منزلیں طے کرتے چلے جاتے ہیں، سوچ کا دورا ہوتا ہے تو مزید تلخ حقیقتیں پوری شان سے ہمارے سامنے کھڑی نظر آتی ہیں اور ان تلخ حقیقتوں کا سامنا کرنا ہی تو بہت کٹھن اور

ایک تو نہ ملا

عنبرین ندیم

دشوار گزار ہوتا ہے، ان سے آنکھ چرانا مشکل ہوتا ہے تو ان کا سامنا کر کے انہیں فیس کرنا مشکل تر، بسا اوقات انسان ان کا سامنا کرتے ہوئے اپنا بہت کچھ ہار جاتا ہے، اپنی ہمت، اپنا حوصلہ اور کبھی کبھی زندگی بھی۔

☆☆☆

کرن گھر سے بھاگ گئی تھی، یہ حقیقت تھی اور یہ تلخ حقیقت افتخار احمد اور اس کے گھر والوں کے لئے کسی بڑے صدمے سے کم نہ تھی اور اس صدمے سے دلبرداشتہ ہو کر خود افتخار احمد زندگی کی بازی ہار بیٹھے تھے، ان کے بوڑھے جسم و جاں میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ اپنی عزت کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھا سکتے، وہ عزت جس کو بنانے میں انہوں نے اپنی عمر گنوا دی تھی اسی وجہ سے لوگ انہیں جھک کر سلام کرتے تھے پھر وہ جی کر کیا کرتے، ایسا ہی کچھ حال عاطف اور فاخرہ بیگم کا بھی تھا، وہ زندہ لاش بنے جی رہے تھے، تقدیر نے ان کے ساتھ یہ کیسا مذاق کیا تھا وہ سمجھ ہی نہ پا رہے تھے، خود فاخرہ بیگم صبح سے شام تک نجانے کون سی سوچوں میں گم رہتی تھیں، شاید وہ یہ سوچتی ہوں گی کہ ان کی تربیت اور پرورش میں کہاں کمی رہ گئی تھی کہ آج ان کی اولاد بغاوت پر آمادہ ہوتی ہوئی ان کی عزت کو پیروں تلے روند کر چلی گئی تھی، وہ سوچ سوچ کر تھک گئی تھیں کہ وہ کون سا روزن تھا جہاں سے ان کی بیٹی کی بغاوت و سرکشی کو ہوا ملی تھی، بدنامی کی اس آگ کو چنگاری کس نے لگائی تھی۔

پورا محلہ جانتا تھا کہ افتخار احمد اور فاخرہ بیگم نے اپنے بچوں کی تربیت کتنے سلجھے ہوئے اور اچھے انداز میں کی تھی، بیٹی کو کالج چھوڑنے اور لینے کے لئے خود افتخار احمد جاتے تھے یا پھر کبھی کبھار یہ فرض عاطف ادا کرتا تھا، چھت پر جا کر اردگرد کے لڑکوں سے اشارے بازی اور سستا عشق کرنے والی لڑکی بھی نہ تھی کرن، وہ تو اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی تھی پھر آخر بدنامی کے اس غلط راستے پر کیسے، کیوں اور کس کے ساتھ گئی تھی کس کو کچھ معلوم نہ تھا۔

سیدھی سادھی اور بھولی بھالی ماں شاید یہ نہ جانتی تھی کہ بیٹی کی سرکشی اور بغاوت کا سامان تو خود انہوں نے موبائل کی صورت میں کیا ہوا تھا، جو آج کے دور میں سہولت کم اور گھروں کی تباہی و بربادی کا باعث زیادہ تھی، خاص طور پر نوجوان نسل کے بگاڑ میں یہ موبائل فون بہت اہم کردار ادا کر رہا تھا، ہر نیٹ ورک پر دیئے جانے والے سستے ترین کال ریٹس کے پیکج اس نوجوان نسل کو بے راہ روی اور گمراہی کی طرف لے کر نہیں جا رہے تو کیا تھا، لڑکے پڑھائی یا پھر کام کاج کی طرف دھیان دینے کی بجائے سارا سارا دن اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ گپ شپ کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

لڑکیاں ہیں تو وہ ہر چیز کی پرواہ کیئے بغیر اس بے راہ روی میں لڑکوں کا ساتھ دینے پر کمر بستہ ہیں، کھلے عام ہونے والی یہ بے حیائی نہ جانے کتنے گھروں کی تباہی و بربادی کا پیش بنے گئی، کچھ پتہ نہیں ہے، اس معاشرے میں نجانے کتنے گھر ہونگے جہاں پر کرن جیسی لڑکیاں سہولت کے نام پر دیا جانے والا ماں باپ کا اعتماد اور اعتبار اپنے قدموں تلے کچل کر ایک نئی راہ پر چل پڑتی ہیں جہاں پر بدنامی، رسوائی اور بربادی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

☆☆☆

کمال ضبط کو خود بھی تو آزماؤں گی
میں اپنے ہاتھوں سے اس کی دلہن سجاؤں گی

اس نے دھیرے سے یہ شعر گنگنایا تو عروج مسکرادی، ''اتنا آسان نہیں ہے میری جان محبوب کی دلہن کو سجانا اس کے لئے بڑا حوصلہ اور پتھر کا دل چاہیے۔'' ہنہ میں جانتی ہوں عروج پیاری کہ سپنے صرف سپنے ہوتے ہیں جن کا حسین تصور انسان کو خیالی تخت پر تو بٹھا سکتا ہے مگر وہ حقیقی دنیا میں کوئی وجود نہیں رکھتے صرف خوش آئند تصور اور تخیل بن جاتے ہیں اور پھر جب کوئی ان کو قریب سے دیکھنے کا متمنی ہوتا ہے تو یوں ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو لیکن پھر بھی انسان انہیں تصور کی آنکھ سے ضرور دیکھتا ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ سب دھوکہ ہے فریب ہے اک سراب ہے ہاں میں بھی سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہوں اور...... اور شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو میں واقعی اتنے حوصلے والی نہیں ہوں اور میرے سینے میں بھی پتھر کا دل نہیں ہے میرا دل شاید کانچ کا ہے یا شاید اس سے کہیں زیادہ نازک جسے...... جسے وہ ہرجائی ریزہ ریزہ کر کے جاچکا ہے۔'' کرب کے عالم میں بولتے ہوئے اس نے اپنی نم ہوتی آنکھیں موندلیں جیسے آنکھیں موندنے سے روح کی تھکن اتر ہی تو جائے گی عروج اپنی اتنی پیاری دوست کے دکھ پر دکھی ہو کر ہی رہ گئی کہ وہ ماسوائے اس کے اور کر بھی کیا سکتی تھی اگر جو اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اپنی عزیز از جان دوست کے لئے کہیں سے بھی ساحر رضا کو چھین لاتی لیکن وہ تو خود از حد مجبور تھی کہ اگلے ہفتے وہ ستمگر ہرجائی اپنے حقوق کسی اور کے نام محفوظ کر رہا تھا اس نے سامنے رکھا سنہری حرفوں والا کارڈ اٹھا کر دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔

''ہمارے پیارے بیٹے کی شادی ثروت طارق کے ساتھ بارہ جون کو ہونا قرار پائی ہے۔''

اس نے ایک سرد آہ بھر کر ارمین کی جانب دیکھا۔

''ارے یار! تو کیوں دکھی ہوتی ہے گولی مار ان کے پیارے بیٹے کو ایسے ہزاروں لڑکے تیرے اوپر قربان ہیں۔'' اس کی بات پر ارمین نے اپنی سلگتی نظر اٹھا کر ایک زخمی نگاہ اس پر ڈالی پھر تمسخرانہ انداز میں ہنس پڑی۔

''ابھی تم کو اس بات کا ادراک جو نہیں ہے پگلی کہ محبوب چاہے فقیر ہو یا جواری دنیا کے ہزار بادشاہوں، شہزادوں سے عزیز ہوتا ہے تم کیا جانو محبت، دولت، شہرت اور عزت کی محتاج نہیں ہوتی یہ ان سب باتوں سے مبرا ہے اگر لاکھ چاہوں تب بھی ساحر رضا سے نفرت نہیں کر سکتی کہ نفرت تو وہ لوگ کرتے ہیں جنہوں نے محبت کی ہو میں نے محبت نہیں عشق کیا ہے ساحر سے وہ عشق جو بندہ خدا سے کرتا ہے، لیلیٰ نے مجنوں سے کیا اور میں نے ساحر سے۔'' بولتے بولتے اس کی سانس پھولنے لگی تھی اور آنسو لاکھ روکنے پر بھی لڑی ہے ہی جارہے تھے۔

''اف اوہ...... یہ کون سے دکھڑے روئے جارہے ہیں۔'' ابھی بمشکل اس نے اپنے آپ کو سنبھالا ہی تھا کہ مونا بھابھی پردہ اٹھا کر بے دھڑک چلی آئیں۔

''کچھ نہیں بھابھی ارمین کو آج اپنی امی اور بابا کی یاد زیادہ ہی آرہی ہے اسی لئے اداس ہے۔'' عروج نے بروقت سچویشن کو سنبھالا ورنہ مونا بھابھی کی معنی خیز نظروں سے جیسے دونوں ہی اپنی اپنی جگہ سہم سی گئی تھیں۔

''ا...... چھا...... چھا...... خیر یہ دکھ تو اب تا زندگی ساتھ رہنا ہے آتے آتے ہی صبر آئے گا تم ذرا اٹھ کر چائے بنا دو ارمین، میرے بہت ہی اچھے جاننے والے آئے ہیں تم بھی ذرا اپنا حلیہ درست کر کے ڈرائینگ روم میں آجانا۔'' بظاہر عام سے لہجے میں افسوس اور حکم ساتھ ہی فرما کر جس طرح تیزی سے آئی تھیں اسی طرح چلی بھی گئیں بادل نخواستہ اس کو بھی اٹھنا ہی پڑا۔

''تم بیٹھو عروج میں تمہارے لئے بھی چائے لاتی ہوں جب تک تم ٹی وی دیکھو۔'' اسے ٹی وی کا ریموٹ تھما کر وہ خود کچن کی طرف چلی آئی۔

☆☆☆

نیازی رحمان کے گھر میں خدا نے تین پھول کھلائے تھے شہریار نیازی، شیراز نیازی اور سب سے چھوٹی اور لاڈلی ارمین نیازی جو سب کی آنکھ کا تارا تھی دونوں بھائیوں نے بزنس ایڈمنسٹریشن کرنے کے بعد اپنے والد کے کاروبار میں مصروف تھا، بڑے شیراز اپنی بیوی مونا اور دو بچوں رونی اور پوپی کے ساتھ خوش و خرم تھے جبکہ شہریار نے اپنی چچازاد عفت کو جیون ساتھی کے طور پر چنا تھا سب ہی خوش و خرم زندگی بسر کر رہے تھے کہ اچانک ہی ایک روز کراچی سے واپس آتے ہوئے رحمان نیازی اور ان کی بیگم حادثے کی نظر ہو گئے گھر بھر میں اک قیامت صغریٰ کا منظر تھا ہر آنکھ اشکبار تھی، ارمین تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو چکی تھی کہ اس کی تو دنیا ہی لٹ چکی تھی ہر زخم کا مرہم ہے سو یہ بھی زخم دنیا کی نظروں میں تو بھر گیا لیکن دلوں میں چپکے چپکے رستا ہی رہا۔

سیکنڈ ائیر کے بعد ارمین نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تو وہاں ایک مخلص دوست کی صورت میں عروج فاروق مل گئی اور پھر نا جانے کیسے کب اور کہاں ان دونوں کے بیچ کلاس کا سب سے ذہین لڑکا ساحر رضا بھی آ گیا جسے دیکھ دیکھ کر ارمین نیازی کا دل مدھر تان الاپنے لگا آہستہ آہستہ دونوں اتنے قریب آ گئے کہ جدائی کا خیال بھی سوہان روح لگتا فائنل رہا تھا جبھی ساحر نے اپنی محبت لفظوں کا روپ دیا لیکن عجیب انداز میں۔

''ارمین امی راضی نہیں ہو رہی ہیں وہ بضد ہیں کہ میں اپنی تایا زاد ثروت سے ہی شادی کروں میں...... میں بہت پریشان ہوں بتاؤ میں کیا کروں۔'' کتنا بکھرا بکھرا سا لگ رہا تھا اس سے وہ شخص لیکن وہ چاہ کر بھی اسے سمیٹ نہ سکی نہ شکوہ نکلا لبوں سے نہ ہی کوئی گلہ بس ساکت نظریں ساحر رضا کے چہرے پر جم سی گئی تھیں اور نظروں کی زبان نوحہ کناں تھی کہ بتا ہمارا قصور کیا ہے کس جرم کی پاداش میں ہم ہجر کے مسافر بنے کیوں ہمارے نصیب میں رتجگے لکھ رہے ہو، اے جاں سے پیارے شخص...... میں...... میں امی سے پھر بات کروں گا اس کی زخمی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ شخص آج نظریں چرانے پر مجبور ہو رہا تھا، ارمین نے اک حسرت و یاس بھری نظر اس پر ڈالی اور اپنی کتابیں سمیٹ کر کھڑی ہو گئی۔

☆☆☆

پیپر شروع ہوئے اور ختم بھی ہو گئے اس نے بے دلی کے ساتھ سارے پرچے دیئے آخری پیپر دے کر وہ گیٹ تک آئی تو سامنے ہی دشمن جاں کھڑا نظر آیا ملگجا حلیہ اور رتجگوں کی چغلی کھاتی خوبصورت بھوری آنکھیں اف کتنا ٹوٹ گیا تھا وہ بھی نہ چاہتے ہوئے بھی پہلے اس کی آنکھیں بھیگیں پھر موتی موتی آنسو ٹوٹ کر گرنے لگے۔

''پاگل ہو گئی ہو تماشا بن جائے گا ابھی، بیٹھو گاڑی میں۔'' فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے اس نے فوراً ہی ہدایت نامہ جاری کیا تب نا چاہتے ہوئے بھی اپنے لب کچلتی وہ خاموشی کے ساتھ

گاڑی میں بیٹھ گئی کہ واقعی تماشہ بننے کی بجائے کوئی نہ کوئی فیصلہ تو سن ہی لے، گاڑی سیاہ تار کول کی سڑک پر ڈال کر کئی لمحے شاید وہ کوئی تمہید باندھنا چاہ رہا تھا یا یونہی چپ تھا وہ اپنے طور پر کچھ اندازہ نہ کر پائی تبھی چپ چاپ اپنی گود میں رکھے اپنے ہینڈ بیگ کو یونہی کھولنے بند کرنے لگی۔

؟؟امی نے شادی کی تاریخ طے کر دی ہے۔" تکلیف دہ خاموشی کو چیرتی ساحر کی آواز کسی بھی دھماکے سے کم تو ہر گز نہ تھی وہ لاکھ اپنے آپ کو ہر قسم کے حالات کے لئے تیار کر چکی تھی پھر بھی دل سے اٹھتی کسک نے گویا پورے وجود کو ہی اپنے آہنی شکنجے میں لے لیا تھا وہ رو کر کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی تبھی منہ موڑ کر دوسری جانب گزرتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی۔

"کیا ہم اچھے دوست کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں نہیں رہ سکتے، ارمین ہمیشہ ہمیشہ اور تم اپنا جیون......"

"فار گاڈ سیک ساحر رضا کیا تم میرے ساتھ انجوائے ہی کیا ہے میری پاکیزہ محبت کو رول کر رکھ دیا ہے تم نے اور اب جبکہ تمہاری منزل جدا ہو ہی گئی ہے تو اب ملنے سے کیا حاصل۔"

"گاڑی روک دو مجھے یہیں اترنا ہے۔" ارمین نے بہ مشکل ہی اپنی آنکھوں میں اترنے والی گھٹا کو روکا ہوا تھا وہ کیوں اس بے درد کے سامنے رو کر اپنی محبت کی بھیک مانگتی۔

"ساحر محبت کو تم جیسے لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے محبت ایسی چیز ہے جو بار بار نہیں کی جا سکتی محبت تو ایک بار کر کے ہی بندہ اس قدر ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے کہ پھر اس سمندر میں کودنے کی ہمت وہ دوبارہ کر ہی نہیں پاتا ویسے بھی تم تو خود ہی کہتے تھے کہ تمہارا دل جلد ہی ہر چیز سے اکتا جاتا ہے شاید ان تین سالوں میں تمہارا دل مجھ سے بھی اکتا گیا تھا تبھی تو تم نے نئی راہ چن لی، میں اب تم سے کیا شکوہ کروں کہ بعض لوگوں کے مقدر میں ناکام رہنا ہی لکھ دیا جاتا ہے کہ وہ جس جانب بھی جھکیں جس شخص کے پانے کی بھی خواہش کریں اسے کبھی نہیں پا سکتے کبھی سمتیں راستے بدل لیتی ہیں تو کبھی انجانے میں وہ شخص چپکے سے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے اور دونوں ہاتھ خالی رہ جاتے ہیں گڈ بائے، نئی زندگی کی مبارکباد سب سے پہلے میری طرف سے قبول کرو میرا تحفہ سمجھ کر۔" ضبط کا پارا ٹوٹنے ہی تو لگا تھا بہ وقت ہی گلے میں پھنسا آنسوؤں کا گولہ نگلتی وہ تیزی سے اتر کر آگے بڑھتی چلی گئی کبھی نہ پلٹنے کے لئے۔

وہ زخم دے کر مجھے حوصلہ بھی دیتا ہے
اب اس سے بڑھ کر لطیف شناس کیا دے گا

☆☆☆

آج یکم جون تھا ساحر سے بچھڑے ڈیڑھ ماہ ہو چلا تھا اچانک ہی بائی پوسٹ ساحر رضا کی شادی کا کارڈ رستے زخموں پر نمک پاشی کرنے چلا آیا وہ جو پہلے ہی اپنی ذات کے ٹکڑوں کو نہ سمیٹ پائی تھی مزید بکھر کر رہ گئی۔

"ان سے ملو ارمین یہ میرے فرسٹ کزن نصیر بھائی کے بہت ہی اچھے دوست میں سے ہیں ناصر صاحب اور ناصر صاحب یہ میری بہت ہی پیاری اور اکلوتی نند ہے۔" ارمین چائے رکھ کر وہ جونہی جانے لگی تب ہی مونا بھابھی کی آواز پر اسے رکنا پڑا اور سامنے بیٹھے چالیس یا پچاس کے قریب بیٹھے شخص کو سلام بھی کرنا پڑا جبکہ اس کی مسلسل کھوجتی نظروں سے بچ کر وہ فوراً سے پیشتر نکل جانا چاہتی تھی۔

"اوہ واقعی بہت ہی پیاری ہیں آپ کی

نند۔" عجیب گھٹیا سا انداز تھا تعریف کا وہ جلتی کلستی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

فاطمہ بوا چائے کا گرما گرم کپ سامنے رکھ کر گئیں تو یادوں نے اسے پھر سے بے کل سا کر دیا۔

"ساحر چائے پیو گے۔" اس نے فون پر بات کرتے ہوئے یونہی مذاق کیا۔

"نہ بابا نہ کیا معلوم تم مجھے چائے میں زہر دے دو تاکہ میں ثروت سے شادی نہ کر سکوں کہ میرا نہیں ہو رہا ہے تو میں کسی اور کا بھی نہ ہونے دوں۔" ساحر کی مذاق میں کہی بات پر بھی اس کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں اور اسے نے فون بند کر دیا تھا، پرانی یاد سے زخم پھر سے رسنے لگے تھے۔

"خدایا میرے دل کو سکون دے مجھے اگر غم دیا ہے تو حوصلہ بھی دے۔" مغرب کی اذان ہو رہی تھی اس نے وضو کیا اور نا جانے کتنی دیر سجدے میں گری اپنے دل کے سکون کی دعا مانگتی رہی۔

☆☆☆

رات کے کھانے پر سب ہی خلاف توقع بہت چہک رہے تھے وہ چپ چاپ نوالے زہر مار کرتی رہی اور جب اٹھنے لگی تو مونا بھابھی نے اسے کمرے میں بلوا لیا۔

"جی کہیے۔" وہ کچھ دیر کے بعد کمرے کے وسط میں مجسم سوال بن کر کھڑی تھی۔

"شام کو ناصر صاحب سے تو تمہاری ملاقات ہو ہی چکی ہے، کیسے لگے وہ تم کو؟" مونا بھابھی الماری میں سر گھسائے نا جانے کیا تلاش کر رہی تھیں اسی لئے بنا تمہید کے انہوں نے سیدھا سوال کر ڈالا، وہ نا سمجھی کی کیفیت میں ان کی مصروفیت دیکھتی رہی پھر انہوں نے الماری سے اپنا سر باہر نکالا اور متلاشی کھوجتی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"تم کسی میں انٹرسٹڈ تو نہیں ہو میرا مطلب ہے کہ تمہاری کوئی پسند یا ڈیمانڈ کیا تھا۔" ان کے لہجے میں اس دم طنز کھوج یا کچھ اور وہ یہی طور پر اخذ نہ کر پائی۔

"کیا مطلب ہے بھابھی آپ کا۔" اس نے اپنی لہو رنگ آنکھیں ان سے چرائی تھیں، کہیں ظالم آنکھیں ہی غم کی داستان نہ سنا ڈالیں کہیں یہ دل برباد ہی مجھے گھر والوں کی نظروں میں معتوب نہ ٹھہرا دے۔

"تم نے جواب نہیں دیا۔" ارمین اس کی خاموشی پر مونا بھابھی بے چین سی ہو کر اس کے قریب چلی آئیں۔

"میں دراصل اس لئے پوچھ رہی ہوں کہ شام کو تمہاری ملاقات جن سے کروائی تھی وہ ابھی

لڑکیوں کی شادی کے لئے وظیفہ

گیارہ اور بارہ روزے کی درمیانی شب بعد نماز عشاء بارہ رکعت نماز چھ سلام سے پڑھیں، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھیں (یعنی دو نفلوں میں چوبیس بار) اسی طرح بارہ نفل مکمل کر کے ایک تسبیح درود ابراہیمی کی پڑھیں اور پھر گیارہ مرتبہ درود پاک پڑھ کر بچی کا نام لے کر سجدے میں جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، انشا اللہ تعالیٰ اگلا رمضان آنے سے پہلے ہی شادی ہو جائے گی، انشا اللہ تعالیٰ۔

نوٹ:۔ نفل شروع کرنے سے پہلے اور آخر میں گیارہ گیارہ بار درود ضرور پڑھیں لڑکی خود یا والدہ پڑھیں۔

حال ہی میں سعودیہ سے آئے ہیں یہاں پر بھی اپنا بزنس ہے، چار بچے ہیں ان کے سب ہی ماشاءاللہ بڑے ہیں تین سال قبل ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے، بہت اکیلے ہیں بے چارے۔'' اپنی بات کے اختتام پر وہ دوبارہ سے پلٹ کر الماری میں نا جانے کون سی ان دیکھی چیز ٹٹولنے لگیں جبکہ وہ تذبذب کے عالم میں جہاں کی تہاں کھڑی ان کی کارروائی دیکھ رہی تھی چند سکینڈ بعد ان کو شاید اپنی مطلوبہ چیز مل گئی تھی تبھی شاداں وفرحاں سی پلٹ کر اس کے پاس چلی آئیں۔

''یہ دیکھو یہ ہماری فیکٹری کے کاغذات ہیں واپس مل گئے ہیں تم کو تو معلوم ہی تھا کہ ہماری فیکٹری ڈوبنے کو تھی بس سمجھو ڈوب ہی گئی تھی اگر جو ناصر صاحب اپنا پیسہ لگا کر ہماری فیکٹری کو نہ بچاتے مانو تمہارے دونوں بھائی تو کنگال ہی جاتے بس اللہ نے فرشتہ بنا کر بھیج دیا ناصر صاحب کو آؤ بیٹھو نہ کھڑی کیوں ہو۔'' کافی دیر بعد انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ کھڑی ہے تبھی پہلے ہاتھ پکڑ کر اسے قریبی کرسی پر بٹھایا پھر خود بیڈ پر بیٹھ کر سوالیہ نظروں سے اس کی اور دیکھنے لگیں۔

''یہ کاغذات واپس بھی جا سکتے ہیں اگر جو تم اپنا فیصلہ نہ سنا دو تب مگر ہم سب کی خواہش ہے کہ تم اپنے بھائیوں کی ساکھ کو اور جان کو بچالو صرف ایک ہاں کر کے ناصر صاحب تم کو بہت خوش رکھیں گے۔'' بھابھی کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہ تھی تب بھی اسے لگا جیسے ان کے لفظوں سے اس کے کانوں کے پردے پھٹنے لگے، ہوں تبھی وہ بے یقینی کے عالم میں ان کی جانب دیکھتی ہوئی کھڑی ہوئی پھر بنا کچھ کہے اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔

''اے اللہ پاک یہ کیسا انصاف ہے تیرا یہ دیکھ میرے ہاتھ آزاد ہیں میرے پاؤں آزاد ہیں لیکن میری روح میرا دل قید ہے ایک بے وفا شخص کے لئے لہو روتا ہے یہ کیا ہے میرے مالک یہ کیسی سزا ہے جس میں، میرے اپنے ہی مجھے اندھیرے کنوئیں میں دھکیل دینا چاہتے ہیں جس شخص کے بچے میرے برابر ہیں وہی میرا جیون ساتھ بنایا جا رہا ہے اے خدایا میں کیا کروں۔''

دماغ کہہ رہا تھا کہ کر لو کہ اس نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ لڑکی ایک ایسے پھول کی مانند ہے کہ اگر کوئی اسے ایک مرتبہ روند دے تو کوئی دوسرا اسے اپنے ساتھ رکھ کر پیار دینے کی کوشش نہیں کرتا تم بھی تو اک روندا ہوا پھول ہو ارمین نیازی لے لو اپنے دل سے بدلا اور کر لو شادی کہ ساحر رضا کو بھی تو ادراک ہو کہ تم اس کے جوگ میں دنیا نہیں تیاگ رہی ہو ہاں کر دو، کر دو ہاں اور پھر اگلے دن کا سورج سب کے لئے خوشی کا پیغام لایا جبکہ ارمین نیازی نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر گویا جیتے جی ہی اپنے آپ کو مار ڈالا تھا۔

بیس جولائی کو اس نے تمام لوگوں کے درمیان ناصر گردیزی کو قبول کر لیا۔

☆☆☆

وہ ایک بجے سجائے کمرے میں بیٹھی تھی اس کے دل سے اک صدا بلند ہوئی یا اللہ یہ سب ایک بھیانک خواب ہو آنسو موتی موتی ٹوٹ کر اس کے شفاف گالوں کو بھگونے لگے تھے تبھی ناصر گردیزی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے توصیفی نظروں کے ساتھ سراہا تھا ساتھ ہی اسے خوش کرنے کے لئے ہیروں کا نہایت قیمتی سیٹ بھی اسے رونمائی میں اسے دیا وہ تب بھی بے حس وحرکت بیٹھی رہی اس کا دل لہو روتا رہا کہ باپ کی عمر کا آدمی اس کا نازک بلوریں ہاتھ

پکڑے عہد و پیمان باندھ رہا تھا اس پر صدقے واری جا رہا تھا۔

☆☆☆

صبح وہ اپنے لمبے بالوں میں برش کر رہی تھی کہ یک دم ہی دروازہ کھول کر ساحر رضا چلا آیا دونوں نے حیرت وتحیر کے ساتھ ایک دوسرے کی جانب دیکھا اتنی خاموشی تھی کہ صرف دلوں کی دھڑکن کی آواز ہی کمرے میں صاف سنائی دے سکتی تھی۔

''ارے بھئی ارمین جان یہ ساحر ہیں آپ کے بھتیجے اور ساحر یہ آپ کی چچی ہیں سلام کرو۔'' ساحر کی آنکھیں جلنے سی لگی تھیں ہونٹ کپکپا کر رہ گئے تھے۔

''تم دونوں باتیں کرو میں ابھی حمید صاحب کو سی آف کر کے آتا ہوں۔'' کہتے ہوئے ناصر صاحب باہر نکل گئے۔

''تم......تم نے ایسا کیوں کیا؟'' ساحر کے شکوے پر اس نے اک زخمی اچٹتی نظر اس پر ڈالی

''ثروت نے مجھے چھوڑ دیا تبھی میں نے امی سے تمہارے لئے دوبارہ اصرار کیا تھا کہ اب تو......''

''اسٹاپ اٹ ساحر رضا گردیزی اب ہمارے بیچ بہت لمبی اور احترام کی دیوار حائل ہو چکی ہے ٹوٹا کانچ بن گیا ہے ہمارا مقدر اگر ہاتھ لگاؤ تو فقط زخم ہی پاؤ گے کانچ بھی کبھی ٹوٹ کر جڑا کرتے ہیں جاؤ چلے جاؤ یہاں سے کہ آگ لگا کر شعلے دیکھنے والے ہمدرد نہیں ہوتے۔'' اس نے اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا اور ساحر تھکے قدموں کے ساتھ نکل گیا تا کہ وہ اب زور زور سے رونے لگی اب وہ روئے بھی نہ تو کیا کرے گی۔

☆☆☆

ستاروں کے آئینے میں

ذرہ نجم

CANCER

برج سرطان

سیارہ قمر

22 جون تا 23 جولائی

نام کے پہلے حروف

ح۔ہ

نام کے پہلا حرف ....ح۔ہ
نشان ....کیکڑا
عنصر ....پانی
مبارک دن ....سوموار
خوش بختی کا ہندسہ............2

بہترین ....عقرب اور حوت
بہتر ....اسد، سنبلہ، ثور اور جوزا
غیر یقینی............حمل، میزان اور جدی
غیر جانب دار............قوس اور دلو

سرطان افراد اس طرح کام کرتے ہیں گویا کہ وہ کائنات کا محور ہوں، وہ جو کچھ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں، وہی ان کے لئے گائیڈ لائن کی حیثیت رکھتا ہے، ایک منطقی شخص ایک اپنے معیار کے بارے میں غور کرتا ہے جو کہ معروضی اس کی ذات کے باہر سے متعلق ہو لیکن موضوعی سرطان افراد اول و آخر اپنی چھٹی حس کو ہی ترجیح دیتے ہیں، وہ کسی کتاب کا ٹائٹل دیکھ کر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دیتے بلکہ اس کے بارے میں وہ اپنے وجدان سے فیصلہ کرتے ہیں، وہ اپنے وجدان پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس نفسیاتی فلٹر کے ذریعہ اپنے تاثرات کو پراسیس کرتے ہیں وہ کسی سائنسی ثبوت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کیونکہ وہ اپنے تاثرات کو ہی حقائق کے طور پر قبول کرتے ہیں۔

اندرون بین، موڈی:۔

سرطان افراد کسی بھی قیمت پر کھلی جنگ پسند نہیں کرتے، ان کی عام حکمت عملی یہ ہوتی ہے کہ سرگرم عمل ہونے سے احتراز کیا جائے، اسد افراد شیر کی طرح دھاڑتے ہیں اور حمل افراد مینڈھے کی طرح ٹکریں مارتے ہیں لیکن سرطان افراد خاموشی سے اس وقت کے منتظر ہوتے ہیں جب کشیدہ ماحول میں انہیں تھوڑی سی درز نظر آئے جہاں سے وہ باہر کے پرسکون ماحول میں نکل جائیں، وہ کشتی کو ہنگامی انداز سے چلا کر اسے نقصان پہنچانے کی بجائے اسے نرمی سے کھیتے ہوئے منزل مقصود تک لے جاتے ہیں۔

سرطان افراد کا چیلنج یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی نفسیاتی حساسیت کو تعمیری اور مثبت سمت میں لائیں، اپنے موڈ کی خرابی سے خوف کھانا ان کے حق میں بہت نقصان دہ ہوتا ہے، انہیں چاہیے کہ اپنی حساسیت کو ایک تحفہ کے طور پر قبول کریں اور انہیں اپنے اردگرد موجود افراد کی خدمات کے لئے استعمال میں لائیں۔

جذباتی:۔

سرطان افراد ہمہ وقت اندرونی اضطراب کا شکار رہتے ہیں اور وہ ہر بات میں جذباتی ردعمل کا اظہار کرتے ہیں، وہ اکثر اپنے جذبات اخفاء میں رکھتے ہیں اور جو لوگ ان سے واقف نہیں ہوتے، انہیں وہ یوں مطمئن دکھائی دیتے ہیں جیسے پرسکون سمندر میں ہولے ہولے چلتی ہوئی ایک کشتی۔

وہ اکثر خیالی پلاؤ پکانے میں مصروف رہتے ہیں، وہ اکثر بے بنیاد خدشات کا شکار ہوتے ہیں، وہ میوزک سے لگاؤ رکھتے ہیں، پرانی یادیں ان میں شدید جذبات کو پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں، شدید ردعمل کے بغیر سرطان افراد کی زندگی بھرپور نہیں ہوتی۔

تصوراتی، خوابناک:۔

سرطان افراد تصوراتی اور خوابناک شخصیت ہوتے ہیں، وہ اپنے دماغ میں کہانیوں کی کتاب لے کر پیدا ہوتے ہیں، ان کے ذہن کے اندر ایک وسیع سینری ہوتی ہے جس سے یہ خود ہی حظ اٹھاتے رہتے ہیں، وہ اکثر دور خلاؤں میں یا اپنے ساتھی کی آنکھوں میں جھانکتے نظر آتے ہیں، اس وقت ان کا دماغ مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوتا ہے۔

وہ جذبات ابھارنے والے تجریدی آرٹ کو پسند کرتے ہیں اور اس کے نمونے جمع کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں، اگر انہیں جذباتی اور عریاں آرٹ کے درمیان تفریق کرنے کے لئے کہا جائے تو ان کا جواب یہ ہوگا کہ اگرچہ اول الذکر قیمتی اور نایاب ہوتا ہے لیکن موخر الذکر زیادہ لطف و مسرت کا باعث ہوتا ہے۔

متحمل مزاج:۔

سرطان افراد صبر و تحمل کا مجسمہ ہوتے ہیں، وہ اپنی اس خصوصیت کو اعتماد پیار اور طاقت کے حصول کے لئے استعمال کرتے ہیں، ان کی اندرونی قوت آب ہوتی ہے جو کہ عظیم پہاڑوں میں سے دریا کی صورت میں برآمد ہوتے ہیں، خواہ اس عمل میں صدیاں لگ جائیں، کم و بیش یہی حال ان کا ہوتا ہے، وہ کچھوے کی چال چلتے ہوئے اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں وہ خرگوش چال چلنے والے تیز طرار لوگوں کو پسند نہیں کرتے۔

سیاسی طور پر وہ رجعت پسند ہوتے ہیں اور قدیم اقدار اور طرز زندگی کی محفوظ رکھنے کے متمنی ہوتے ہیں، معاشی طور پر وہ کفایت شعار ہوتے ہیں، محبت میں وہ اپنے ساتھی اور گھر کے ساتھ وقف ہو کر رہ جاتے ہیں۔

خوفزدہ، عدم تحفظ کا شکار:۔

سرطان افراد بے بنیاد خدشات کے سانپ نہیں بلکہ اژدھے پالتے ہیں، وہ اکثر عدم تحفظ کے احساس کا شکار رہتے ہیں اور اس ضمن میں

صرف ان کے حوت بھائی ہی ان کے مماثل قرار دیے جاسکتے ہیں۔

خوف ان کی خود اعتمادی کے حق میں زہر قاتل ثابت ہوتا ہے، خوف ان کی پہلے سے کمزور قوت ارادی کو تباہ کرتے ہوئے ان کی شخصی اور پیشہ ورانہ نمو کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے، خوف انہیں انجانے راستوں سے دور اور مانوس راستوں پر گامزن رکھتا ہے، یہی خوف انہیں بچوں کی حد سے زیادہ دیکھ بھال پر مائل رکھتا ہے۔

شعور، تحفظ، گھریلو، مادہ پرست:۔

صرف ثور افراد ہی سرطان افراد کے تحفظ اور مادہ پرستی کے جذبات میں ان کے ہم پلہ ہو سکتے ہیں، سرطان افراد بنیادی چیزوں پر فوکس کرنے کا رجحان رکھتے ہیں، خوراک کی تلاش، سر چھپانے کی جگہ، آسائشات کی ضمانت ان کی ترجیحات میں شامل ہوتی ہے، جنس بھی بنیادی جذبات میں سے ایک ہے لیکن سرطان افراد اسے تحفظ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

سرطان افراد وقت آنے سے پہلے منصوبہ بندی کر لیتے ہیں اور ان کے تمام منصوبے مادی تحفظ کے نقطہ کے گرد گھومتے ہیں، وہ بلاضرورت پیسہ خرچنا پسند نہیں کرتے اور کفایت شعاری کا رجحان رکھتے ہیں، وہ دولت جمع کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں اور ان کا نظریہ ہے کہ پیسے کو پیسہ کھینچتا ہے، ایک عمدہ گھر، اچھے کپڑے، اعلیٰ فرنیچر اور زیورات ان کی زندگی کا خواب ہوتا ہے۔

تیز، عملی:۔

سرطان افراد اپنا جال بڑی تیزی سے بنتے ہیں، کوئی بھی چیز اتنی بے وقعت نہیں ہوتی کہ ان کے تخیل میں چنگاریاں نہ اڑا سکے اور کوئی شخص اتنا غیر اہم نہیں ہوتا کہ ان کے نوٹس میں آئے بغیر رہ سکے، وہ لوگوں کو براہ راست گھورنے کی بجائے اور ان کی نظروں میں آنے کی بجائے دزدیدہ نگاہوں سے ان کا بھرپور جائزہ لیتے رہتے ہیں اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا۔

چونکہ ان کا عنصر پانی ہے لہٰذا سرطان افراد کسی کام میں براہ راست شامل نہیں ہوتے، وہ بالواسطہ کام کر کے زیادہ تسکین محسوس کرتے ہیں، اسی طرح وہ لوگوں کے سر پر اپنی ذہانت و فطانت کا ہتھوڑا مارنے کے بجائے ان کے اذہان میں اپنی مشاورت کا بیج بوتے ہیں اور اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں، اگر وہ اپنے کسی عزیز سے کسی چیز کی خواہش رکھتے ہوں تو ان کے لئے اپنی ضروریات کا اظہار مشکل ہو کر رہ جاتا ہے، ان کا کوئی بھی عزیز بالخصوص جیون ساتھی ایسی صورت حال کا الزام یا ذمہ داری اپنے سر لینے کے لئے تیار نہیں ہوتا جس کا ان کی وجہ سے دونوں کا شکار ہونا پڑا اور سرطان افراد اپنے متعلقین کی ساتھ یہی کچھ کرتے ہیں۔

☆☆☆

سرطان عورت

سرطان بطور خاص چاند سے تعلق رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سرطان افراد کو "قمری بچے" بھی کہا جاتا ہے، غالباً سرطان عورت کی شدید جذباتیت کی بناء پر اس پر بچے کا لیبل لگا دیا جاتا ہے، سرطان افراد چودہویں کے چاند کی طرح گول مٹول ہوتے ہیں، سرطان عورت کا زندگی بھر کا چیلنج چاند کے باعث پیدا ہونے والے مد جزر کی طرح اپنی نہ ختم ہونے والی متغیر مزاجی کو اپنے ٹھہراؤ کے ساتھ متوازن کرنا ہوتا ہے، برج سرطان مقلب ہونے کی وجہ سے سرطان عورت کو عمل پر ابھارتا ہے اور مزاجاً آبی ہونے کی بناء پر وہ ایسا کرنے میں سرعت سے کام لیتی ہے۔

سرطان عورت جذباتی، تاثراتی، تصوراتی، ڈرامائی اور اپنی ذات میں مگن رہنے والی ہے، وہ اپنے دوستوں کے لئے کشش رکھتی ہے۔

سرطان عورت مقناطیسی کشش کی حامل ہوتی ہے، وہ مردوں کے لئے اتنی ہی کشش رکھتی ہے، جتنی کہ ملکہ مکھی اپنی شیدائی کارکنوں کے لئے، وہ مرد کا احسان لینے کی بجائے احسان کرنے میں مسرت محسوس کرتی ہے، وہ مجسم اطاعت شعار ہوتی ہے اور اپنی آنکھوں میں ذہانت کی چمک لئے اپنے محبوب کے آگے سرنیاز جھکا دیتی ہے۔

جب سرطان عورت محبت میں مبتلا ہوتی ہے تو وہ گھنٹوں اپنے محبوب کے بارے میں ذہنی تصورات سے لطف اندوز ہوتی رہتی ہے، چنانچہ اپنی احتیاط پسندی کے باوجود وہ مسائل کے آگے اس طرح آنکھیں بند کر لیتی ہے جیسے بلی کبوتر کے سامنے، سرطان محبوبہ ایک گلاب کی سی شگفتگی اور نزاکت کے ساتھ کھلی ہوتی ہے وہ محبت کی بازی، شاطرانہ انداز سے چلتی ہے اور ہر چال سوچ سمجھ کر چلتی ہے، وہ بخوبی جانتی ہے کہ محبت کا شطرنج پر محبوب کو کس طرح مات دے کر اسے اسیر کرنا ہے۔

سرطان عورت ایسے مرد کو پسند کرتی ہے جو اس کے بدلتے ہوئے موڈ کو وضاحت طلب کیے بغیر قبول کرے کیونکہ اگر وہ وضاحت طلب کرنے کی کوشش کرے، تب بھی وہ وضاحت کرنا پسند نہیں کرے گی۔

سرطان عورت کو ایسے محبوب کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے گرد اپنی محبت سے ایک ایسا خول بنا دے جس میں وہ دونوں دنیا والوں کی نظروں سے چھپ جائیں، وہ دنیاوی ضروریات اور مسائل سے محفوظ رہنا چاہتی ہے اور غربت اور بدصورتی سے خوفزدہ ہوتی ہے، وہ ایسے محبوب کی متمنی ہوتی ہے جو کہ معاشرے میں ممتاز حیثیت رکھتا ہو، وہ چاہتی ہے کہ اس کے محبوب کی سماجی حیثیت کا عکس اس کی اپنی ذات پر پڑے اس لئے وہ محبوب کی کامیابی کو اپنی کامیابی قرار دیتی ہے۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

تکبر! دوزخ کا راستہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا۔
''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔''

اس حدیث مبارکہ کو سامنے رکھ کر سب سوچیں کہ ہم کتنے متکبر اور کتنے ایمان والے ہیں، غور کریں کہ جس نے مال و دولت دیا ہے، اسے اختیار بھی ہے کہ واپس لے لے پھر کیا ہوگا؟ اللہ پناہ میں رکھے، رہا ''ایمان'' کو تو بڑی حفاظت سے جان کے ساتھ رکھنا ہے، اِدھر اُدھر ہوگیا تو مسلمان نہ رہا، اگر ایمان رہا تو دوزخ نہیں جنت کا حق دار ٹھہرا، اللہ تعالیٰ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہمیں تکبر سے بچائے اور ایمان کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دیانت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔
''یا امیر المومنین! آسمان اور زمین کے درمیان کیا کچھ ہے؟''
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔
''قبول ہونے والی دعا۔''
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا۔
''مشرق اور مغرب کے درمیان کتنی مسافت ہے؟''
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔
''سورج کے ایک دن رات چلنے کی مسافت۔''
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا۔
''پانی کا ذائقہ کیا ہے؟''
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔
''جو زندگی کا ذائقہ ہے۔''

حمیرا رضا، ساہیوال

نور زینت

- آپ کسی انسان سے سب کچھ چھین سکتے ہیں، لیکن اس کے جذبے کبھی نہیں۔
- بد دعا کبھی زبان سے نہیں دی جاتی وہ آنسو جو پلکوں میں اٹک جائے، بذات خود ایک بد دعا ہوتا ہے۔
- ناپسندیدہ لوگوں سے پیار کرو ان کا کردار بدل جائے گا۔
- محبت چہروں سے نہیں دلوں سے، روحوں سے کی جاتی ہے، چہرے بدل سکتے ہیں چہرے ایک جیسے ہو سکتے ہیں، لیکن روحیں اور دل ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔
- آنسو کبھی بھی آپ ہی آپ نہیں بہتے دل پہ چوٹ لگتی ہے تو آہ لبوں تک آتی ہے۔
- ایک پل میں دل کے ٹھکانے بدل جاتے ہیں، لیکن بسا اوقات ایک پل ہی ساری زندگی پر محیط ہو جاتا ہے۔
- احساس کی دولت سے محروم دل، بنجر زمین کی مانند ہوتا ہے۔

ماریہ عثمان، سرگودھا

محبت

بالکل اچانک جب آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا آپ کے اندر اگنا شروع ہوگیا ہے، محبت ایک دوسرے کے اندر اگنا ہے، پہلے تو کسی بیج کی طرح دوسرے کے اندر فنا ہونا، اپنا آپ مٹا دینا پھر اگنا، جوں جوں محبت بڑھتی ہے ایک دوسرے کے اندر جڑیں گہری ہوتی چلی جاتی ہیں اس پودے کو ہر روز تازہ محسوسات اور جذبوں کی کھاد، آنسوؤں کا پانی، دوسرے کی سانسوں کی ہوا اور من کی پرحرارت دھوپ کی ضرورت ہوتی ہے، اگر کبھی آپ کو اپنا آپ مرجھاتا ہوا محسوس ہو تو سمجھ لیں کہ دوسرے کے من کی زمین پتھریلی ہوگئی ہے اور اس نے آپ کے اندر سے اپنی جڑیں بے دردی سے سمیٹ لی ہیں، جب آپ ایک دوسرے کے اندر اگتے ہیں تو محبت پھول بن کر کھل اٹھتی ہے اور اس کی خوشبو آپ کے پورے بدن میں پھیل جاتی ہے، دوسرے کا وجود اور آپ کا وجود ایک ہو کر ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔

محبت بڑی شفاف ہے کسی آئینے کی طرح، اس پر ہلکا سا نا گواری کا کوئی میلا چھینٹا بھی فوراً دکھائی پڑ جاتا ہے، ہر سچی اور خالص چیز کے ساتھ یہی مسئلہ ہے، تھوڑا سا نا خالص احساس بھی ایک دم بری طرح محسوس ہونے لگتا ہے، اس لئے کسی ایک میلے لفظ، جملے، کج ادائی دل کی کسی غافل دھڑکن سے محبت کے سیب کو کیڑا لگ جاتا ہے۔

(مظہر الاسلام کی کتاب ''محبت مردہ پھول کی سیفونی'' سے ماخوذ)

ماروخ آصف، خانیوال

اندیشہ

ایک تجھے پا لینا ہی منزل تو نہیں
میں یہ بازی جیت گیا تو کیا ہوگا
اشکوں کی اک مالا روز پروتا ہوں
ہجر کا موسم بیت گیا تو کیا ہوگا

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

سنو ہمدم

بہت سی ڈگریاں لے کر
اکٹھا کر کے اتنا علم
ہنر پر دسترس پا کر
نشاط چاہت دل کے
چھلکتے لفظ آنکھوں سے
اگر پڑھنے سے قاصر ہو
تو............
ان پڑھ ہو

وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

رہنما

ایک صاحب سے ان کے دوست نے کہا۔
''تم کہہ رہے تھے کہ بلی کو کہیں دور جنگل میں چھوڑ آؤ گے مگر یہ تو یہیں نظر آرہی ہے۔''
دوست نے جواب دیا۔
''ہاں میں اسے چھوڑ تو آیا تھا مگر میں خود بھٹک گیا اور واپس آنے کے لئے مجھے اس کا پیچھا کرنا پڑا۔''

سدرہ نعیم، شیخوپورہ

بچھڑنا

بچھڑنے کی اذیت کو
اگر تم جاننا چاہو
تو کچھ پل کو
ذرا یہ سانس اپنی روک کر دیکھو
تمہیں محسوس ہوگا کہ
بچھڑنا

موت جیسا ہے۔

زاہدہ اظہر، حافظ آباد

کچھ لفظ تراشے ہیں ہم نے

☆ زندگی کا مقصد مسرت نہیں بلکہ تکمیل انسانیت ہے۔

☆ خوب صورتی دوسروں کے چہروں پہ نہیں اپنی آنکھوں میں ہوتی ہے۔

☆ بہترین دوست وہ ہے جو نیکی کی ترغیب دے نا کہ بدی کی، بس یہ پہچان ہو کہ یہ نیکی واقعی نیکی ہے۔

☆ اگر تم جاننا چاہتے ہو کہ تمہارا رب تم سے کتنی محبت کرتا ہے تو اس کے نزدیک ہو تمہیں اندازہ ہو جائے گا۔

☆ جھوٹ بول کر جیت جانے سے بہتر ہے کہ سچ بول کر ہار جاؤ۔

☆ اگر تم نے نیکی کا ارادہ کیا اور تمہیں موت آ پہنچی تو تمہیں اس نیکی کا اجر ملے گا۔

☆ جو منزل جتنی زیادہ مشکل اور محنت و مشکلات سے ملتی ہے وہ اتنی پرسکون ہوتی ہے۔

☆ لوگ رات کو سوتے وقت گھر کے دروازوں کو تالا لگا دیتے ہیں، لیکن ان احمقوں کو کون سمجھائے کہ چور دروازہ کھٹکھٹا کر نہیں آتے۔

☆ انسان زندہ ہونے کے باوجود زندگی کو نہیں سمجھتے، وہ مرے بغیر موت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

☆ محبت کے سودے میں عورت ہمیشہ گھاٹے میں رہتی ہے، فائدہ تو ہمیشہ مرد کا ہوتا ہے، جہاں سے چلتا ہے وہیں واپس آ جاتا ہے، مگر عورت مٹ جاتی ہے فنا ہو جاتی ہے مگر واپس نہیں لوٹتی۔

فضہ بخاری، رحیم یار خان

خیال میرا خوشبو جیسا

☆ بزدلی درحقیقت یہ ہے کہ اپنے حق کے لئے آواز نہ اٹھائیں۔

☆ زندگی کا کوئی بھی فیصلہ کرنے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے کہ جلد بازی میں کیا گیا فیصلہ آخر کار ہمیشہ کے لئے پچھتاوا بن جاتا ہے۔

☆ کسی کا دل مت دکھائیں کہ دعاؤں سے اثر زائل ہونے لگتا ہے۔

☆ جو چیزیں اختیار میں نہ ہوں انہیں بھلانا ہی بہتر ہے ورنہ خود کو بھول جائیں گے۔

☆ زندگی میں بے عیب لوگ مت تلاش کریں ورنہ آپ اکیلے رہ جائیں گے۔

حنا زبیر احمد، بہاولپور

پھولوں جیسے لفظ

O اولیا اللہ کے آگے ایسے رہنا چاہیے جیسے شیر کے آگے بکری بندھی ہو۔

O مہندی کی طرح پس جائے گا تو کف محبوب کی رنگینی کا شرف حاصل کر لے گا۔

O جن کنوؤں کا پانی اصلاً کڑوا ہو اس میں خواہ سینکڑوں من میٹھا بھی ڈال دو تو وہ میٹھے نہیں ہوں گے، اسی طرح انسان کی فطرت ازلی بھی نہیں بدلتی۔

O خبردار! تیرے نفس کا کتا تیرے دل کے بائیں پہلو میں گھات لگائے بیٹھا ہے۔

O اپنے اندھیرے من میں شوق (الٰہی) کا دیا روشن کر شاید تجھے تیرا کھویا اصل اثاثہ جو تیرے من میں ہی روپوش ہے مل جائے۔

اُم رباب، ساہیوال

کچھ لفظ لکھے ہیں دل سے

O رات کی تنہائی میں انسان کی آنکھ سے ٹپکنے والے آنسو زمانے بدلتے ہیں اور طوفان کا

رخ موڑ دیتے ہیں۔

O اگر انسان کا دل غلاظت سے لتھڑا ہوا ہو، تو بے شک وہ دنیا کی بہترین خوشبو کیوں نہ استعمال کرلے مگر اس کی گندگی کی بدبو نہیں جاتی۔

O پاؤں بھی غلط راہ پر نہیں اٹھتے جب تک آپ خود نہ چاہیں۔

O خواب اور تعبیر دو علیحدہ چیزیں ہیں جنہیں ایک کرنا آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

O لوگ اتنے بے اعتبار کبھی نہیں ہوتے، جتنا ہم ان پر اپنی توقع کا بوجھ لاد دیتے ہیں۔

O ریچھ کی دوستی بہت مہنگی ہوتی ہے، اگر وہ خوش ہو جائے تو گلے لگا لیتا ہے۔

نعیمہ بخاری، اٹک

کرنیں

☆ خیر کو سمجھنے کے لئے شر اور شر کو جاننے کے لئے خیر کو تخلیق کیا گیا ایک دوسرے کی ضد ساتھ ساتھ خیر اور شر کا اپنا ایک الگ وجود موجود ہے اگر خیر کا تصور نہ بھی ہو تو شر کسی اور نام سے موجود رہے گا اس لئے کہ دونوں کی تخلیق کرنے والی ایک ہی ذات ہے۔

☆ انسان آگاہ ہو یا بے خبر وہ ہمیشہ آرزومند رہتا ہے، لیکن زندگی کی اصل آرزو کسی جستجو میں ہے۔

☆ ازل کو جاننے کے لئے ابد اور ابد کو پہچان کے لئے ازل کا علم ضروری ہے لیکن ازل اور ابد الگ الگ وجود ہیں موجود ہیں زندگی ازل ہے تو موت ابد، ازل ابتدائے حیات ہے اور ابد مقام ہے جہاں موت کے بعد حیات ہی حیات ہے۔

☆ تلاش کا سفر اتنا ہی قدیم ہے، جتنا ہستی کا سفر، ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ ان کی تلاش بھی پیدا ہوتی ہے جو شخص خود کو تلاش کرے وہ سب کچھ پا لیتا ہے۔

ثمرین زاہرہ، خان پور

سنہری باتیں

O دولت کی مستی سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ اس کے نشے کو سوائے موت کے کوئی دوسری چیز نہیں اتار سکتی۔ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

O کوئی ہے جو میرے سارے خزانے لے لے اور وہ مجھ آنکھ عطا کر دے جو حسن آشنا ہے۔ (خلیل جبران)

O سچی محبت یہ بھی ہے کہ بچھڑ جانے کے بعد بھی اس کی کسک محسوس کرو۔ (بلراج سائن)

O خوش اخلاقی ایک ایسا ہیرا ہے جو پتھر کو بھی کاٹ سکتا ہے۔

O اللہ جس کو زمین پر عاجز کرنا چاہتا ہے اس سے عاجزی چھین لیتا ہے۔ (شیخ سعدی)

نمرہ سعید، اوکاڑہ

موسم

چڑیا پوری بھیگ چکی ہے
اور درخت بھی پتہ پتہ ٹپک رہا ہے
گونسلہ کب کا بکھر چکا ہے
چڑیا پھر بھی چہک رہی ہے
انگ انگ سے بول رہی ہے
اس موسم میں بھیگتے رہنا کتنا اچھا لگتا ہے

طاہرہ رحمان، بہاول نگر

دکھ

مجھے اداس دیکھ کر
اس نے کہا
میرے ہوتے ہوئے
تمہیں کوئی دکھ نہیں دے سکتا

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

صائمہ سلیم: کی ڈائری سے اعتبار ساجد کی غزل
مجھے ایسا لطف عطا کیا جو نہ ہجر تھا نہ وصال تھا
مرے موسموں کے مزاج داں تجھے میرا کتنا خیال تھا
کہیں خون دل سے لکھا تو تھا ترے سال ہجر کا سانحہ
وہ ادھوری ڈائری کھو گئی وہ نہ جانے کون سا سال تھا
کسی اور چہرے کو دیکھ کر تری شکل ذہن میں آ گئی
ترا نام لے کے ملا اسے مرے حافظے کا یہ حال تھا
کبھی موسموں کے سراب میں کبھی بادودہ کے عذاب میں
وہاں عمر میں نے گزار دی جہاں سانس لینا محال تھا
کبھی تو نے غور نہیں کیا کہ یہ لوگ کیسے اجڑ گئے؟
کوئی میر جیسا گرفتہ دل ترے سامنے کی مثال تھا
ترے بعد کوئی نہیں ملا جو یہ حال دیکھ کے پوچھتا
مجھے کس کی آگ جھلسا گئی مرے دل کو کس کا ملال تھا
نازیہ جمال: کی ڈائری سے ایک غزل
مرے حوصلوں کے یقین نے مجھے رفعتوں سے ملا دیا
کڑے راستوں کے حساب نے مجھے منزلوں سے ملا دیا
میں گھومتا تھا گلی گلی نئے دوستوں کی تلاش میں
مرے دوستوں کی تلاش نے مجھے دشمنوں سے ملا دیا
میں گرا تو میرے وجود کو میری بے بسی نے کیا امر
میر پستیوں کے نزول نے مجھے وسعتوں سے ملا دیا
مجھے دوستوں نے خبر نہ دی مجھے منزلوں نے صدا نہ دی
مرے راستوں کے غبار نے مجھے قافلوں سے ملا دیا
میں نے چاہتوں کی کتاب سے سبھی گھاؤ راہی مٹا دیے
مرے آنسوؤں کے نصاب نے مجھے راحتوں سے ملا دیا
سمن رضا: کی ڈائری سے ظفر اقبال کی غزل
کھڑکیاں کس طرح کی ہیں اور در کیسا ہے وہ
سوچتا ہوں جس میں وہ رہتا ہے گھر کیسا ہے وہ
کیسی وہ آب و ہوا ہے جس میں وہ لیتا ہے سانس
آتا جاتا ہے وہ جس پر رہگور کیسا ہے وہ
میں تو اس کے ایک اک لمحے کا رکھتا ہوں شمار
اور میرے حال دل سے بے خبر کیسا ہے وہ
اس کا ہونا ہی بہت ہے وہ کہیں ہے تو سہی
کیا سروکار اس سے ہے مجھ کو ظفر کیسا ہے وہ
شاہین سلیم: کی ڈائری سے محسن نقوی کی غزل
اس کو فرصت ہی نہیں وقت نکالے محسن
ایسے ہوتے ہیں بھلا چاہنے والے محسن
یاد کے دشت میں پھرتا ہوں ننگے پاؤں
دیکھ تو آ کے کبھی پاؤں میں چھالے محسن
کھو گیء صبح کی امید اور اب لگتا ہے
وہ نہیں ہوں گے کہ جب ہوں گے اجالے محسن
حاکم وقت کہاں میں کہاں عدل کہاں
کیوں نہ خلقت کی زباں پر لگائیں تالے محسن
وہ جو اک شخص متاع دل و جاں تھا نہ رہا
اب کون بھلا میرے درد سنبھالے محسن
ایمن عزیز: کی ڈائری سے ایک خوبصورت غزل
بے رخی اس نے کی عذر زمانہ کر کے
ہم بھی محفل سے اٹھ آئے ہیں بہانہ کر کے
کتنی باتیں جو نہ کہنا تھیں لکھ بھیجی ہیں
اب پشیمان ہیں قاصد کو روانہ کر کے
کوئی ویرا نہ ہستی کی خبر کیسا لیتا
خود بھی ہم بھول گئے دفن خزانہ کر کے
وہ اگر آنکھوں میں رہتا تو بہت خوش تھے تابش
اس نے کیا ظلم کیا دل میں ٹھکانہ کر کے
شگفتہ رحیم: کی ڈائری سے پروین شاکر کی نظم
''احتساب''

ہوا!
جو گندم کی پہلی خوشبو کے لمس سے لے کے
کڑوے بارود کی مہک تک
زمین کے ہمراہ رقص میں تھی
گمان یہ ہوتا ہے
اس رفاقت سے تھک چکی ہے
اور اپنی پازیب اتار کر
اجنبی زمینوں کی سرد بانہوں میں
سو رہی ہے
فضا میں سناٹا دم بخود ہے
ہوا کی خفگی ہی بے سبب ہے
کہ ابن آدم نے اپنے نیپام سے بڑھ کر
کوئی نیا بم بنا لیا ہے
حمیرا رضا: کی ڈائری سے احمد ندیم قاسمی کی نظم
عجیب دنیا
عجیب تر اس کے رہنے والے
کہ شہر کو وحشت میں بدل کر پکارتے ہیں
کہ ہم اکیلے ہیں
کائنات ایک عظیم صحرا ہے
جس میں مثل غزال ہم اپنے ہمدموں کی تلاش
میں
ہر طرف رواں دواں ہیں
مگر متاع سفر ہماری فقط زمیں اور آسماں ہیں
عجیب دنیا
عجیب تر اس کے رہنے والے
کہ شہر کو دشت میں بدل کر پکارتے ہیں
کہ ہم تو تخلیق کار ہیں
ہم تو ریت سے گلستاں اگاتے ہیں
سنگ سے آئینے بناتے ہیں
ہم تو تعمیر ہیں، ہم تو ارتقاء ہیں
عجیب دنیا
عجیب تر اس کے رہنے والے
کہ خود ہی اپنے غنیم ہیں اور خود ہی
اپنے ندیم ہیں!
اپنے شاہکاروں کو آگ میں جھونک کر بلکتے
ہیں
پھر یہی راکھ شاہکاروں میں ڈھالتے ہیں
بگڑ رہے ہیں، سنور رہے ہیں، الجھ رہے ہیں
سنبھل رہے ہیں
ازل کے دن سے بدلتے آئے ہیں
اب تک بدل رہے ہیں
ماریہ عثمان: کی ڈائری سے مضطر بخاری کی غزل
جنگل پہاڑ ارض و سماں سوچتے رہے
کیا حکم تھا کہ شاہ و گدا سوچتے رہے
تھی مختصر حیات جو سوچوں میں کٹ گئی
جانے تمام عمر ہم کیا سوچتے رہے
انسانیت کے نام کی تذلیل کے لئے
تھے آدمی جو بن کے خدا سوچتے رہے
ہم سے ہماری ذات کا عقدہ نہ کھل سکا
ہم کون ہیں یہ بات سدا سوچتے رہے
جب ہم کو اپنے ہاتھ سے تخلیق خود کیا
پھر کس لئے جزا و سزا سوچتے رہے
جب بھی ملے وہ دے کے گئے زخم ایک نیا
ہم زندگی میں جن کا بھلا سوچتے رہے
جس حرف سے ہماری خطائیں معاف ہوں
سجدے میں ایسا حرف دعا سوچتے رہے
ماروخ آصف: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
''محبت ک کہاں پرانت ہوتا ہے''
کبھی ترک تعلق سے محبت مر نہیں سکتی
خرابے اس وحشت سے سدا آباد رہتے ہیں
جنوں کی انتہا کب ہے؟
کبھی سورج بھی ڈوبا ہے؟
سمندر کا کہیں پرانت ہوتا ہے؟
کبھی تارے مدار وقت سے آگے نکلتے ہیں
پتنگے آگ میں جلنے سے ڈرتے ہیں
ازل سے تا ابد یہ اک تسلسل ہے
زمینوں اور زمانے سے کہیں آگے

تمہارے اور مرے جسم و جاں کی
داستانوں سے کہیں آگے!

صائمہ ابراہیم: کی ڈائری سے وصی شاہ کی غزل

کیسا مفتوع سا منظر ہے کئی صدیوں سے
میرے قدموں پہ میرا سر ہے کئی صدیوں سے
خوف رہتا ہے نہ سیلاب کہیں لے جائے
میری پلکوں پہ تیرا گھر ہے کئی صدیوں سے
اس کے پانی میں کبھی پہلے سا وہ ٹھہراؤ نہیں
تو بھی بے چین سمندر ہے کئی صدیوں سے
اشک آنکھوں میں سلگتے ہوئے سو جاتے ہیں
یہ میری آنکھ جو بنجر ہے کئی صدیوں سے
کون کہتا ہے ملاقات میری آج کی ہے
تو میری روح کے اندر ہے کئی صدیوں سے
اے میری ماں میں ہر ایک دھوپ سے لڑ سکتا ہوں
میرے سر پر تیری چادر ہے کئی صدیوں سے
میں نے جس کے لئے ہر شخص کو ناراض کیا
روٹھ جائے نہ یہی ڈر ہے کئی صدیوں سے

وفا عبدالرحمان: کی ڈائری سے ایک غزل

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
ستم ہو کہ وعدہ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں
یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں
کوئی دم کا مہمان ہوں اے اہل محفل
چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں
بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

سدرہ نعیم: کی ڈائری سے ایک غزل

اس کو یہ بھی خراج ملتا ہے
شاعروں سے مزاج ملتا ہے
اس کے لہجے میں رنگ و خوشبو کا
اک حسین امتزاج ملتا ہے
آج اک عمر ہو چلی سنتے
آج آتا ہے آج ملتا ہے
اشک آنکھوں نے یوں سنبھالے ہیں
جیسے لڑکی کو داج ملتا ہے
اک مدت گدائی کرتے ہیں
تب کہیں تخت و تاج ملتا ہے
قسمتیں کیوں نہیں ملا کرتیں
جب کسی سے مزاج ملتا ہے
قدر لازم ہے اس کی ساحر
اس زمین سے اناج ملتا ہے

زاہدہ اظہر: کی ڈائری سے ناصر کاظمی کی نظم

او میرے مصروف خدا
اپنی دنیا دیکھ ذرا
اتنی خلقت کے ہوتے
شہروں میں ہے سناٹا
جھونپڑی والوں کی تقدیر
بجھا بجھا سا اک دیا
خاک اڑاتے ہیں دن رات
میلوں پھیل گئے صحرا
زاغ و زغن کی چیخوں سے
سونا جنگل گونج اٹھا
سورج سر پر آپہنچا
گرمی ہے یا روز جزا
پیاسی دھرتی جلتی ہے
سوکھ گئے بہتے دریا
فصلیں جل کر راکھ ہوئیں
نگری نگری کال پڑا
او میرے مصروف خدا
اپنی دنیا دیکھ ذرا

فضہ بخاری: کی ڈائری سے فاطمہ حسن کی غزل

کس سے بچھڑی کون ملا بھول گئی

کون برا تھا کون تھا اچھا بھول گئی
کتنی باتیں جھوٹی تھیں اور کتنی سچ
جتنے بھی لفظوں کو پرکھا بھول گئی
چاروں اور تھے دھندلے دھندلے چہرے سے
خواب کی صورت جو بھی دیکھا بھول گئی
سنتی رہی میں سب کے دکھ خاموشی سے
کس کا دکھ تھا میرے جیسا بھول گئی
بھول گئی ہوں کس سے میرا ناتا ہے
اور یہ ناتا کیسے ٹوٹا بھول گئی

حنا زبیر احمد: کی ڈائری سے مجید امجد کی نظم

برسوں عرصوں میں اب نیندوں میں جاگے ہیں
خواب جو جاگتے دنوں کی آنکھوں میں جیتے تھے
خواب جو کل بیداری میں بھی اپنے نہیں تھے
جواب نیندوں میں بھی اپنے نہیں ہیں
صرف یہ آنسو ہمیشہ سے اپنے تھے
جن میں ان خوابوں کی جوت جلی تھی
کسے خبر کیسی ہیں دوریوں کی ہی دنیائیں جو
برسوں عرصوں ہمارے دلوں میں بعید رہتی ہیں
اور اچانک کبھی ہم اپنی زندگیوں کو
ان کے چمکتے مدار میں پاتے ہیں پل بھر کو
پل بھر اتنے قریب تک آکر پھر وہ دوریاں
اپنے قدیمی سفر پر ہم سے دور
اور دور تر ہو جاتی ہیں
اور ہمارے آنسوؤں میں ان کے عکسوں کی
قربتیں بھی دھندلا جاتی ہیں
کیسے ہیں یہ انجمیں قافلے
جن کا پڑاؤ کبھی برسوں عرصوں میں
پل بھر کو روحوں کے ساحلوں پر ہوتا ہے
تو وقتوں کے دریاؤں میں
روشنیوں کے دودھ بہتے ہیں
اور پھر عمر بھر آنکھیں
اپنے آنسوؤں میں ان تسکینوں کو
ترستی رہ جاتی ہیں

اُم رباب: کی ڈائری سے انور شعور کی غزل

ٹوٹا طلسم وقت تو کیا دیکھتا ہوں میں
اب تک اسی مقام پر تنہا کھڑا ہوں میں
یہ کشمکش الگ ہے کہ کس کشمکش میں ہوں
آتا نہیں سمجھ میں بہت سوچتا ہوں میں
میں اہل تو نہیں ہوں کہ دیکھے کوئی مگر
دنیا مجھے بھی دیکھ ترا آئینہ ہوں میں
اکثر غبار فکر جب اترا دماغ سے
میں دنگ رہ گیا کہ یہ کیا لکھا گیا ہوں میں
مجھ سے نہیں اسے مرے فردا سے ہے امید
منزل ہے کوئی اور فقط راستہ ہوں میں
کیا فائدہ مجھے جو پلٹ کر جواب دوں
اپنے لئے کہاں ہوں برا یا بھلا ہوں میں
غافل اب اور کیا ہوں کسی سے کہ عمر بھر
آوارگی کی گود میں سوتا رہا ہوں میں

نعیمہ بخاری: کی ڈائری سے ایک نظم

جون جولائی کی گرم دوپہر میں
دیواروں پر رینگتے سائے
صحن کی جانب گھسٹ رہے ہیں
دھوپ میں جھلسی پیاسی چڑیا
دم لینے کو ذرا رکی ہے
کمرے کی ٹھنڈک میں پھیلی
گھڑی کی ٹک ٹک اونگھ رہی ہے
میری آنکھ کے آنگن میں کچھ
بے خوابی کا پہرا ہے
لوہے کے صندوق سے نکلی
بوڑھی اور بے چاری گڑیاں
گھن کھائی بے رنگ گڑیاں
سامنے رکھ کے سوچ رہی ہوں
ان گڑیوں سے کھیلنے والی
نازک نازک پیاری گڑیاں

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

قابل دید

ایک کنجوس نے اپنی نئی کار اپنے دفتر کے سامنے روکی، ابھی نے کار کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ قریب سے گزرنے والے ٹرک نے ایسی زور کی ٹکر ماری کہ کار کا دروازہ دور جا گرا، پولیس انسپکٹر پہنچا تو وہ شخص چیخ چیخ کر کہنے لگا۔

''اتنی قیمتی کار کا یہ حشر...... میں نے یہ کار کل ہی خریدی تھی، کتنی ہی مرمت ہو جائے مگر یہ کبھی بھی پہلے جیسی نہیں ہو سکے گی۔'' انسپکٹر نے حیرت سے کہا۔

''میں نے آپ جیسا شخص پہلے نہیں دیکھا، آپ کو کار کے نقصان کی اتنی فکر ہے، یہ احساس نہیں ہے کہ حادثے میں آپ کا ایک ہاتھ کندھے سے غائب ہے۔'' کنجوس نے اپنے کندھے پر ایک نظر ڈالی اور بے ساختہ بولا۔

''اوہ میرے خدا...... اس کا مطلب ہے میری نئی قیمتی گھڑی بھی گئی۔''

عمرانہ علی، حاصل پور

خیر خواہ

شوہر نے بیوی سے کہا۔

''بیگم! آج میرا دوست ڈنر پر آ رہا ہے۔'' بیوی نے کہا۔

''آپ جانتے تو ہیں کہ آج ملازمہ چھٹی پر ہے، ابھی برتن دھونے کے لئے پڑھے ہیں، صفائی کرنا ہے، میلے کپڑوں کا ڈھیر باتھ روم میں پڑا ہے اور منا بھی بیمار ہے۔''

جانتا ہوں، سب کچھ جانتا ہوں۔'' شوہر نے اطمینان سے کہا۔

''سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ نے اپنے دوست کو ڈنر کی دعوت دے ڈالی۔'' بیوی نے حیران ہو کر کہا۔

''وہ بے وقوف شادی کرنا چاہتا ہے، میں نے اسے اس لئے ڈنر پر بلایا کہ اچھی طرح دیکھ لے، شادی کے بعد گھر کی کیا حالت ہوتی ہے۔'' شوہر نے کہا۔

عظمیٰ جبیں، لیہ

دو شوقین

''میں اس عورت کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔'' ایک پریشان حال شوہر نے عدالت سے کہا۔

''یہ عورت خواب گاہ میں بکریاں پالنے پر مصر ہے، خواب گاہ میں اتنی بدبو پھیلی ہے کہ اب میں ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رہ سکتا۔'' جج نے اپنا سر ہلایا۔

''یہ تو واقعی بہت بری بات ہے، لیکن کیا تم ایسا نہیں کر سکتے کہ اپنے کمرے کی کھڑکیاں کھول دو، اس سے بو کم ہو جائے گی۔''

''کیا؟'' شوہر چیخ اٹھا۔

''اگر میں کھڑکی کھول دوں تو میرے سارے کبوتر اڑ نہیں جائیں گے۔''

ورده منیر، لاہور

پتنگ بازی

ہم پتنگ بازی کو کھیل مانتے ہیں، کیونکہ بقول یوسفی!

''جہاں کھیل میں دماغ پر زور پڑا، کھیل کھیل نہیں رہتا، کام بن جاتا ہے۔'' اور پتنگ بازی میں بوجھ دماغ کے بجائے کوٹھے پر پڑتا ہے، اس کھیل میں بندے کو کوٹھے پر جانا پڑتا ہے اور ہم کوٹھے پر آنے جانے والوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔

ہم نے ایک پتنگ باز سے پوچھا۔

''یہ پیچ لڑانے سے فائدہ؟''

کہا۔ ''کلائی مضبوط ہوتی ہے۔''

پوچھا۔ ''مضبوط کلائی کا فائدہ؟''

کہا۔ ''پیچ لڑانے میں آسانی ہوتی ہے۔''

پیچ بھی سیاست کی طرح پر پیچ ہوتے ہیں مگر پتنگ بازی، سیاست بازی میں یہ فرق ہے کہ ہمارے ہاں اول الذکر کے لئے ڈور اور آخر الذکر کے لئے بیک ڈور کی ضرورت ہوتی ہے، امریکا اور روس نے خلائی جہازوں کے ذریعے آسمان پر پہنچنے کی کوشش کی، ابھی وہ خدا تک پہنچنے کے لئے خلائی شٹل کا سہارا لینے کا منصوبہ ہی بنا رہے ہیں، جبکہ ہم نے پتنگ بازی میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ ہر سال ''بذریعہ پتنگ'' کئی لوگ خدا تک پہنچ جاتے ہیں۔

(ڈاکٹر یونس بٹ کی کتاب ''جوک در جوک'' سے انتخاب)

نمرہ شیرازی، پتوکی

حادثہ

ایک شخص نے اپنے دوست سے پوچھا۔

''کیا کبھی تمہیں ٹرین کا کوئی حادثہ پیش آیا ہے؟''

''ہاں۔'' دوست نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

''ایک مرتبہ میں ٹرین میں کوئٹہ جا رہا تھا، میرے سامنے والی نشست پر باپ اور بیٹی بیٹھے تھے، ٹرین ایک سرنگ سے گزری تو ڈبے میں اندھیرا چھا گیا میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا، مگر دوسرے ہی لمحے مجھے احساس ہو گیا کہ میں نے لڑکی کی بجائے اس کے باپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔''

حفصہ حماد، کراچی

ذہین ڈاکٹر

ایک خاتون اپنی پڑوسن کو بتا رہی تھیں۔

''ڈاکٹر نے مجھے کھانا پکانے سے منع کر دیا ہے۔''

''کیوں خیریت؟ کیا آپ بیمار ہیں۔'' پڑوسن نے اظہار ہمدردی سے پوچھا۔

''میں نہیں، میرے شوہر بیمار ہیں۔'' خاتون نے جواب دیا۔

مصباح فیصل، کوہاٹ

ذہانت

ایک پاگل مٹھی بند کیے ہوئے درخت کے نیچے بیٹھا تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اسے ذرا ذرا کھول کر دیکھتا تھا، اس کے ایک ساتھی نے قریب آ کر پوچھا تھا۔

''مٹھی میں کیا دبائے بیٹھے ہو دوست۔''

اس نے کانی آنکھ سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

''تم خود ہی بوجھو؟'' ساتھی سر کھجا کر بولا۔

''تتلی؟''

''غلط۔'' اس نے پھر دماغ پر زور دے کر کہا۔

''چڑیا؟''

''بالکل غلط۔'' ساتھی نے تالی بجا کر کہا۔

''ہاتھی۔''
''شاباش۔'' پاگل نے خوش ہو کہا۔
''اس کا اب رنگ بھی بوجھو۔''
عائشہ شہباز، لاہور

چکنا چور

مریض نے ڈاکٹر سے کہا۔
''میری کمر ٹوٹ کر بالکل چکنا چور ہو گئی ہے۔''
ڈاکٹر نے جواب دیا۔
''شاید تمہاری کمر کسی بڑے حادثے کی وجہ سے ٹوٹ گئی ہے۔''
مریض نے کہا۔
''ڈاکٹر صاحب! میری کمر کسی حادثے کے باعث نہیں ٹوٹی بلکہ میری کمر کو مہنگائی کے بوجھ نے توڑ کر بالکل چکنا چور کر دیا ہے۔''
نسرین خورشید، جہلم

میاں کے لئے

کٹی ڈشیں وہ پکاتی ہے اپنی ماں کے لئے
بچا کے رکھتی نہیں ہے میاں کے لئے
تلاش کر کوئی اسٹاپ درمیاں کے لئے
نہ تو زمین کے لئے نہ آسماں کے لئے
سوار ڈیڈی کے کاندھوں پر ہیں سبھی بچے
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے
نڈھال ہو چکا بیگم کی گفتگو سن کر
سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے
خجل ہوں دے کے بیوٹی کریم جاناں کو
میں جیسے گملا اٹھا لایا گلستاں کے لئے
کرایہ دار نے خالی کیا جو بالآخر
مکاں میں باقی تھا کیا مالک مکاں کے لئے
صائمہ مظہر، حیدر آباد

جھوٹے مرد

ایک طویل سفر کے دوران ایک پچپن، ساٹھ سالہ خاتون نے اپنے ایک ہم عمر مسافر سے محض وقت گزارنے کی خاطر علیک سلیک کے بعد پوچھا۔
''کیا یہ سچ ہے کہ مرد زیادہ جھوٹے ہوتے ہیں۔'' مرد نے کہا۔
''محترمہ! چھوڑیئے ان فضول باتوں کو، میں تو آپ کو دیکھ کر دنگ رہ گیا ہوں کہ باوجود اتنی عمر کے آپ کا حسن و جمال قیامت ڈھا رہا ہے اور آپ اتنی پرکشش ہیں کہ میں کبھی نہ بھول سکوں گا۔'' خاتون کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی اور شرما کر بولیں۔
''وہ عورتیں کتنی غلط ہیں جو مردوں کو خوامخواہ جھوٹا قرار دیتی ہیں۔''
ایمان علی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

گرجنے کے بعد

حکیم سقراط اپنے زمانے کا بہترین فلاسفر اور عظیم انسان تھا اس نے جان بوجھ کر ایک جھگڑالو اور تند مزاج عورت سے شادی کی تھی تاکہ حکیم کی ذات میں غصہ اور کینہ نہ رہے۔
ایک مرتبہ حسب عادت اس کی بیوی نے لڑائی جھگڑا کیا اور سقراط کو سخت برا کہا پھر پانی سے بھری بالٹی ان کے سر پر انڈیل دی۔
اس ساری کارروائی کے بعد سقراط نے کمال تحمل سے صرف اتنا جواب دیا۔
''کیا گرجنے کے بعد برسنا بھی ضروری تھا۔''
شاہدہ اسد، گوجرانوالہ

برجستگی

میاں کسی سوچ میں غرق تھے کہ بیوی نے ٹہوکا دیا۔

''کیا سوچ رہے ہیں؟'' میاں نے نہایت نمناک آواز میں جواب دیا۔
''تاج محل کا خیال آیا تو سوچا تمہاری قبر پر کس قسم کا کتبہ ٹھیک رہے گا۔'' بیوی فوراً بولی۔
''اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟ سادگی کا زمانہ ہے، بس مرزا مرحوم کی بیوی کافی ہوگا۔''
صائمہ مشتاق، جڑانوالہ

وضاحت

پادری صاحب ایک خوب صورت عورت کا ہاتھ تھامے ایک تقریب میں پہنچے تو ایک خاتون نے خوشگوار حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔
''فادر! یہ آپ کی وہی بیوی ہیں، جن کے حسن کے ہم نے بہت چرچے سنے ہیں؟''
''خاتون......! یہ میری واحد بیوی ہے۔'' پادری صاحب نے وضاحت کرنے کے انداز میں کہا۔
رانیا سحر، ملتان

خوش فہمی

تفریحی مقام پر پہنچنے والے ایک صاحب نے گائیڈ سے تصدیق چاہی۔
''یہ جگہ دمہ کے مریضوں کے لئے اچھی ہے۔''
''جی ہاں......'' گائیڈ نے جواب دیا۔
''اور یہاں کی لڑکیاں اتنی بے وقوف ہیں کہ وہ سمجھتی ہیں کہ ان لوگوں کی سانسیں انہیں دیکھ کر تیز ہو رہی ہیں۔''
حیدر رضا، جھنگ

خوفناک کام

فقیر نے ایک خاتون کو روک کر کہا۔
''اللہ کے نام پر ایک روپیہ دے دو، ورنہ مجھے ایک ایسا خوفناک کام کرنا پڑے گا، جس کے خیال ہی سے میری روح کانپ جاتی ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔''
خاتون نے دہشت زدہ ہو کر فقیر کو ایک روپیہ دے دیا اور ڈرتے ہوئے پوچھا۔
''بتاؤ......وہ کون سا خوفناک کام ہے؟''
فقیر نے جواب دیا۔
''محنت مزدوری۔''
فاعزہ عبدالمنان، کراچی

اجازت

دو پادری عبادت کرتے وقت سگریٹ پیئے بغیر نہ رہ سکتے تھے مگر ان کا ضمیر انہیں اس پر ملامت کرتا رہتا تھا، دونوں نے اس مسئلے کا حل نکالنے کے لئے علیحدہ علیحدہ پوپ کو خط لکھے، تین ہفتے بعد جب خط کا جواب آیا تو ایک پادری کو پوپ نے سگریٹ پینے سے منع کر دیا تھا جبکہ دوسرے پادری کو اجازت دے دی تھی۔
انہوں نے اپنے خط نکالے تو ایک پادری نے لکھا تھا۔
''میں جب عبادت کر رہا ہوں تو سگریٹ پی سکتا ہوں؟''
جواب ملا۔
''نہیں۔''
جبکہ دوسرے پادری نے پوچھا تھا۔
''کیا میں جب سگریٹ پی رہا ہوں، عبادت کر سکتا ہوں۔''
عتیقہ منیر، سیالکوٹ

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

ثمرین زاہرہ ---- خان پور

اکیلے تم نہیں ہم بھی شب تنہائی رکھتے ہیں
مگر یادوں سے اپنا رشتہ یکجائی رکھتے ہیں
نہیں نزدیک سے دیکھا تو یہ عقدہ کھلا ہم پر
کہ دریا نام ہے قطرے سے کم گہرائی رکھتے ہیں

....

بساط عشق پہ رونا تو اس یقین کا ہے
کہ نقد جاں تبھی ہم اس کھیل میں لگا بیٹھے
وہی ہے رات مگر کشتگان شب ساجد
غلط نوید سحر پر دیے بجا بیٹھے

....

وہ جو کہتا تھا کہ بچھڑ جاؤں گا تو مر جاؤں گا
اب اسے ڈھونڈنے جاؤں تو کہاں پاؤں گا

نمرہ سعید ---- اوکاڑہ

میں اجڑ گیا سو اجڑ گیا اس کے حق میں دعا ہے یہ
کہ جہاں رہے وہ سکھی رہے مری سوچ اس کے سوا ہے کیا

....

ہم ہجر زدہ سودائی تھے جلتے رہے اپنے شعلوں میں
اچھا ہے کہ تو محفوظ رہا تو نے یہ عذاب نہیں دیکھا
بس اتنا ہوا ہم تشنہ ذہن لوٹ آئے بھرے دریاؤں سے
کوئی اور فریب نہیں کھایا کوئی اور سراب نہیں دیکھا

....

کوئی غم ہو کوئی دکھ ہو درد کوئی ہو عدیم
مسکرانا ہی پڑ جاتا ہے زمانے کے لئے

طاہرہ رحمان ---- بہاول نگر

کاغذوں میں تو کوئی احساس کا عنصر نہیں
رنگ اڑتا جا رہا ہے کیوں تری تحریر کا
درد لکھ کر دے دیے ہیں اس نے سارے ہی عدیم
اس نے حصہ دے دیا مجھ کو مری جاگیر کا

....

کوئی ہجوم دہر میں کرتا رہا تلاش
کوئی رہ حیات سے تنہا گزر گیا
ملنا تو خیر اس کو نصیبوں کی بات ہے
دیکھے ہوئے بھی اس کو زمانہ گزر گیا

....

لوح جبیں پہ جس طرح لکھی گئیں مسافتیں
اتنا چلے کہ راستے اپنا نصیب ہو گئے

عمرانہ علی ---- حاصل پور

جب کسی کو کوئی امید وفاؤں کی نہ تھی
مجھے اس پل ترا پیمان وفا یاد آیا

....

یاد کر کے اب اور بھی تکلیف ہوتی تھی عدیم
بھول جانے کے سوا اب کوئی بھی چارہ نہ تھا

....

شوق اور ضبط شوق میں دن رات کشمکش
دل مجھ کو میں ہوں دل کو پریشان کیے ہوئے

عظمیٰ جبیں ---- لیہ

چلو آج کوئی بچپنے کا کھیل کھیلیں مسلسل
وہ آ بسا ہے مجھ میں یا میں اس میں کھو گیا ہوں

....

صبا نے پھر در زنداں پہ آ کے دی دستک
سحر قریب ہے دل سے کہو نہ گھبرائے

....

میری رگوں میں مشرقی تہذیب تھی رواں

اس نے نہ جانے کیوں مجھے بزدل سمجھ لیا

وردہ منیر ---- لاہور

ایسا گم ہوں تیری یادوں کے بیانوں میں
دل نہ دھڑکے تو سنائی نہیں دیتا کچھ بھی

....

عمر گزری ہے مگر یہ نہیں معلوم ہوا
اس کو میری ہے کہ مجھ کو ہے ضرورت اس کی
اتنی شدت سے تو میں نے بھی نہیں چاہا تھا
مجھ سے دیکھی نہیں جاتی محبت اس کی

....

راہوں کی مشکلات میں کھوئے تو غم نہ تھا
رونا تو اس کا ہے سر منزل بھٹک گئے

ثمرہ شیرازی ---- چوکی

ہم کہ ٹھہرے دشت وفا کے وہ مسافر
کہ جن کے یقین ٹوٹ جائے پہنچ کر منزلوں کے ساتھ
بنایا ہے اس شہر میں اک شیشے کا گھر
آئے ہیں میرے چاہنے والے پتھروں کے ساتھ

....

جانے کیا ہو گیا ہے راستوں کو
گھر سے نکلیں تو گھر نہیں ملتا
ہم اسی قافلے میں ہیں شاید
جس کو اپنا سفر نہیں ملتا

....

اک جھیل ہے آنکھوں میں جو آباد بہت ہے
صدیاں یونہی رونے کو تیری یاد بہت ہے
یہ کیا کہ بلکتا ہی پھروں شام و سحر
تو رب ہے تو ایک ہی فریاد بہت ہے

حفصہ حماد ---- کراچی

سوگوار لوگوں کی بے قرار لوگوں کی
زندگی میں کوئی بھی ضابطہ نہیں ملتا

....

دل سمندر بھی ہو اگر امجد
پیاس غم کی بجھا نہیں سکتا

....

ہم سے نسیم سحر کے لہجے میں بات کر
ہم وہ لوگ نہیں جنہیں اونچا سنائی دے

مصباح فیصل ---- کوہاٹ

کل میں انہی راستوں سے گزرا تو بہت رویا
سوچی ہوئی باتوں کو سوچا تو بہت رویا
دل میرا ہر اک شے کو آئینہ سمجھتا ہے
ڈھلتے ہوئے سورج کو دیکھا تو بہت رویا

....

گو جان نہ تھی پھر بھی پلٹ آیا کہ مجھ سے
دیکھی نہ گئی آئینہ خانے کی اداسی

....

شرم آتی ہے کہ اس شہر میں ہم ہیں کہ جہاں
نہ ملے بھیک تو لاکھوں کا گزارا ہی نہیں

عائشہ شہباز ---- لاہور

اس کی باتیں پتھر سی
اور شیشے بے چارہ میں
پہلے بھیگی پلکیں میری
بھیگ گیا پھر سارا میں

....

ڈر شب کا وہاں کیوں نہ بھلا تیز بہت ہو
جس گھر میں دیا ایک ہوا تیز بہت ہو
صدیوں کے مسافر بھی پلٹ آئیں گے ایک روز
یہ شرط کہ رفتار صدا تیز بہت ہو

....

جسے چاہو اسے احساس خدائی دے دو
رشتہ پیار کا رکھو تو عبادت جیسا
ہم بھرے شہر میں تنہا تو نہیں تھے لیکن
کوئی رشتہ نہ ملا پھر تیری چاہت جیسا

نسرین خورشید ---- جہلم

یاد آتا ہے سکوت شب میں اکثر وہ مجھے

کھینچ لاتا ہے میرے اندر سے وہ باہر مجھے
کچھ خبر لے آؤ فروری کی بارشو
اب بہت سونا لگے اس کے بنا یہ گھر مجھے

....

ان سے ضرور ملنا بڑے سلیقے کے لوگ ہیں
سر بھی قلم کریں گے تو بڑے احترام سے

....

ان کے ہونے سے ہے وابستہ میری آنکھ کا رزق
اپنے خوابوں سے کہو دوست کہ آتے جائیں
صائمہ مظہر ---- حیدرآباد
سمیٹ کر لے جاؤ اپنی یادوں کے قصے
اگلی چاہت میں تمہیں ان کی بھی ضرورت ہوگی

....

لبوں پہ حرف نہ کوئی سوال رکھتا تھا
کبھی میں ضبط میں اتنا کمال رکھتا تھا
خبر کہاں تھی مجھے ہی وہ بھول جائے گا
اک اک چیز جو میری سنبھال رکھتا تھا

....

دو دلوں کے درمیاں زنجیر کی صورت رہا
کس نے توڑا کیسے ٹوٹا رابطے کو کیا پتا
ایمان علی ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ
ہم نے کب اس سے ملاقات کا وعدہ چاہا
دور رہ کر تو اسے اور بھی زیادہ چاہا
یاد آیا وہ ہمیں اور بھی شدت سے
بھول جانے کا اسے جب بھی ارادہ چاہا

....

ہم بھی کیا لوگ ہیں خوشبو کی روایت سے الگ
خود پہ ظاہر نہ ہوئے تجھ کو چھپانے کے لئے
ترک دنیا کا ارادہ ہی کیا تھا کہ وہ شخص
آ گیا خواہش دنیا کو جگانے کے لئے

....

وہ کون ہے اس سے تو میں واقف بھی نہیں ہوں
وہ مجھ کو کسی اور کا ہونے نہیں دیتا
بچے کی طرح چیختا رہتا ہے مسلسل
کیا خوف میرے شہر کو سونے نہیں دیتا
شاہدہ اسد ---- گوجرانوالہ
مجھے اڑنے کی خواہش اور سفر کا حوصلہ دے گا
پھر اس کے بعد میرے پر میری آنکھیں جلا دے گا

....

صبح کے اجالوں میں ڈھونڈا ہے تعبیریں
دل کو کون سمجھائے خواب خواب ہوتے ہیں

....

خموش اس گرہ کو کھولتی ہے
جو کھل سکتی نہیں لفظ و بیاں سے
کبھی اپنی طرف بھی لوٹ آنا
اگر فرصت ملے کار جہاں سے
صائمہ مشتاق ---- جڑانوالہ
ہوتی ہے صداقت میں خامشی کی گہرائی
صرف شور ہوتا ہے حرف بے صداقت میں

....

یہ نئے نقش قدم میرے بھٹکنے سے بنے
لوگ جب ان پر چلیں گے راستہ بن جائے گا
میرے سینے میں ابھی اک جذبہ بے نام ہے
ضبط کرتے کرتے حرف مدعا بن جائے گا

....

ساری حقیقتوں کو خراب کرکے
سحر بھر کی خوشیاں سراب کرکے
بدل گیا ہے وہ چاہتوں سے فراز
میری عادتوں کو خراب کرکے
رانیا سحر ---- ملتان
بچھڑ کے مجھ سے اگرچہ اداس وہ بھی تھا
پتہ چلا کہ زمانہ شناس وہ بھی تھا
میرے زوال سے پہلے ہی مجھ کو چھوڑ گیا
غضب کا ستارہ شناس وہ بھی تھا

....

ایسی گھڑی بھی آ گئی پچھتا رہے ہیں لوگ
ہجرت جو کر کے آئے ہیں اپنی زمین سے
مسرور یوں تو آ کے ملے سب خلوص سے
کچھ سانپ جھانکتے تھے مگر آستین سے

....

نہ ہاتھ تھام سکے نہ پکڑ سکے دامن
بہت ہی قریب سے اٹھ کر بچھڑ گیا کوئی
حیدر رضا ---- جھنگ
وہ کل کے آنے کی مطلق خبر نہیں رکھتا
وہ جی کے ماضی میں باتوں سے حال بنتا ہے

....

میں سر جھکا کے کہہ دوں گی اپنے رب کے سامنے
کہ ہزاروں گناہ ہو گئے تیری رحمت کے ناز پہ

....

آہ! یہ ضبط نغاں غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دلاسا فراموشی نہیں
فائزہ عبدالمنان ---- کراچی
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
لوٹنا جس کا مقدر ہو وہ گوہر نہیں

....

کون دیتا ہے محبت کو پرستش کا مقام
تم جو انصاف سے سوچو تو دعا دو ہم کو

....

ہنسے تو آنکھ سے آنسو رواں ہمارے ہوئے
کہ ہم پہ دوست بہت مہرباں ہمارے ہوئے
بہت سے زخم ہیں ایسے جو ان کے نام کے ہیں
بہت سے قرض سر دوستاں ہمارے ہوئے
عتیقہ منیر ---- سیالکوٹ
میرے لہو میں کھلے ہیں تیرے ہجر کے پھول
کب آئے ان پہ تیرا موسم وفا دیکھیں
کبھی ہو یوں بھی کہ وہ آئے اور ہم نہ ملیں
کبھی تو اہل جفا کا بھی حوصلہ دیکھیں

....

میری دعاؤں میں رہتا ہے تیرا وجود
اب اس سے بڑھ کر میرا اعتراف کیا ہوگا

....

وہ میری طرح ریاضت تو کرے مرنے کی
وہ میری طرح تمناؤں کو مارے تو سہی
میں پھر اک ہنستی ہوئی صبح اسے لا کر دوں
رات وہ میرے لئے رو کر گزارے تو سہی
صائمہ سلیم ---- گجرات
قربت کی تیری پیاس ہے ویسے تو ٹھیک ہوں
اک درد دل کے پاس ہے ویسے تو ٹھیک ہوں
تو مجھ کو اپنی ذات سے باہر نہیں ملا
یہ دکھ بھرا قیاس ہے ویسے تو ٹھیک ہوں

....

ہم سمندر کو بھی جینے کا مزا دیتے ہیں
ہم ہی دریاؤں کی رفتار بنا کرتے ہیں

....

ہمیں خبر ہے ہوا کا مزاج رکھتے ہو
مگر یہ کیا کہ ذرا دیر کو رکے بھی نہیں
نازیہ جمال ---- چکوال
کاش صندل سے مری مانگ اجالے آ کر
اتنے غیروں میں وہی ہاتھ جو اپنا دیکھوں
تو مرا کچھ نہیں لگتا ہے مگر اے جان حیات
جانے کیوں تیرے لئے دل کو دھڑکتا دیکھوں

....

تو بدلتا ہے تو بے ساختہ میری آنکھیں
اپنے ہاتھوں کی لکیروں سے الجھ جاتی ہیں

....

خوشبو تو سانس لینے کو ٹھہری تھی راہ میں
ہم بد گمان ایسے کہ گھر کو پلٹ گئے

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

عمارہ اعجاز ---- حافظ آباد سٹی

س: عین غین جی پہلی مرتبہ آپ کی محفل میں تشریف کا ٹوکرا لے کر حاضر ہوئی ہوں؟

ج: یہ خیال رہے کہ ٹوکرا زیادہ بھاری نہ ہو۔

س: اگر کوئی آپ سے کہے اگر اس کی منگنی ہو رہی ہے تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟

ج: ہو رہی ہے تو مجھے کیا شاید تمہیں......؟

س: اس عمر میں اتنی شوخ گفتگو کچھ خیال کریں؟

ج: تمہیں میری عمر پر اعتراض ہے یا گفتگو پر۔

علینہ طارق ---- لاہور

س: تو اپنی بنی نبیڑ تینوں ساڈے نال کی؟

ج: جواب دے کر اپنی ہی نبیڑ رہا ہوں۔

س: میریاں ساواں وچ کوئی پیا وسدا اے؟

ج: یعنی اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہ ہوا۔

س: اگر میں تمہارے آنگن میں اتر آؤں؟

ج: تم چاند تو نہیں ہو۔

معکنون شاہ ---- لاہور

س: ہر شوہر کو اپنی بیوی سے اور ہر بیوی کو اپنے شوہر سے شکایت کیوں ہوتی ہے؟

ج: وقت گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔

س: شوہر کب اپنی بیوی کے لئے پریشان ہوتا ہے؟

ج: جب وہ بازار میں خریداری کر رہی ہو۔

س: آج کل کے شوہر اتنے معصوم نہیں ہوتے جتنا کہ وہ بنتے ہیں؟

ج: تم بیچارے شوہروں کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہو۔

نازیہ عمر ---- پشاور

س: اگر کوئی اچھا بھلا انسان پاگلوں کی سی حرکتیں کرے تو؟

ج: اس میں بچوں کو بہلانا اور شیشہ دیکھنا شامل نہ کریں۔

س: کیا انسان عمر کے ساتھ سلجھتا ہے یا الجھتا ہے؟

ج: الجھتا زیادہ ہے۔

س: انسان اوپر کو دیکھتا ہے نیچے کیوں نہیں؟

ج: نیچے دیکھوں گا تو گریبان میں جھانکنا پڑے گا۔

شہریب احسن ---- سرگودھا

س: کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے؟

ج: یہ بھی ایک انداز ہے زندگی کا۔

س: آپ روٹھے کو منانا جانتے ہیں؟

ج: ابھی تک تو موقع ہاتھ نہیں آیا۔

س: اگر کوئی شخص آپ سے تو تو پر اتر آئے؟

ج: بڑا ہی بدتمیز ہوگا۔

لائبہ رضوان ---- فیصل آباد

س: سنا ہے کھا کھا کر بہت موٹے ہو گئے ہو؟ کچھ اپنے بارے میں بھی سوچو؟

ج: آخر تم میرے بارے میں اتنی فکرمند کیوں ہو؟

س: گھر کی مرغی دال برابر ہو تو پڑوسی کی مرغی کو کیا کہیں گے؟

ج: ہم تو گھر کی بھی نہیں کھاتے۔

س: سنا ہے دنیا بڑی ترقی کر رہی ہے، کیا خیال

ہے؟

ج: انٹرنیٹ کلب ترقی کی وجہ سے آباد ہیں۔

س: ذرا یہ بتائیں کہ شادی شدہ شریف ہوتا ہے یا کنوارہ؟

ج: کھل کر بات کرو دل میں کچھ کالا معلوم ہوتا ہے۔

مہناز فاطمہ ---- خوشاب

س: اگر کوئی کسی سے بے پناہ محبت کرتا ہو اور وہ اس سے بے وفائی کرے تو؟

ج: تم کن چکروں میں پڑ گئی ہو۔

س: محبت کی آخری حد کہاں ختم ہوتی ہے؟

ج: یہ راستے بڑے خاردار ہوتے ہیں۔

س: جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا؟

ج: میں نے تو نہیں دیکھا۔

شازیہ ثمن ---- جھنگ

س: لوگ دوسروں پر تو تہمت لگاتے ہیں مگر اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے؟

ج: گریبان میں جھانکتے کیسے گردن جھکانی پڑتی ہے۔

س: ہمارے معاشرے میں منافقت کا دور دورہ کیوں ہے؟

ج: اچھے بچے ایسی باتوں پر غور نہیں کرتے۔

س: کچھ پیاروں کے بارے میں سوچتے ہیں کہ ان کے بغیر جی نہیں سکیں گے لیکن جیتے ہیں؟

ج: اس دنیا کا یہی چلن ہے۔

نعیمہ رانا ---- ملتان

س: خوبصورت اور خوب سیرت میں کیا فرق ہے؟

ج: جو صورت اور سیرت میں ہے۔

س: لوگ بڑے اعتماد سے جھوٹ بولتے ہیں مگر ان کے چہرے سے جھوٹ عیاں ہو رہا ہوتا ہے؟

ج: ایسے لوگ بڑے ہی فنکار ہیں۔

س: میں نے چند لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ کاش میں نے شادی نہ کی ہوتی؟

ج: میرے خیال میں اکثر ہی کہتے ہیں۔

عطیہ شیخ ---- کہروڑ پکا

س: ہر شخص اپنے آپ کو ایماندار کہتا ہے، مگر بے ایمانی روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔

ج: ایمان دار بننے کی وجہ سے۔

س: پنچھی اور پردیسی پر لوگ اعتبار کیوں نہیں کرتے؟

ج: دونوں ہی دھوکہ دے جاتے ہیں۔

س: ہم سے بھی کوئی بات کر ہم ہیں تیرے ہم سفر؟

ج: تمہیں شاید غلط فہمی ہوئی ہے، میں عین غین ہوں۔

س: تمہیں شکوہ ہے ہونٹوں پہ مرے نغمہ نہیں کھلتا؟

ج: زیادہ ریاض کی ضرورت ہے۔

رضوان علی ---- ساہیوال

س: وہ جو صرف میرا تھا وہ نہیں رہا میرا؟

ج: قصور کس کا ہے تمہیں ضرور پتہ ہوگا۔

س: ہم نے تو تجھ سے شکایت کبھی نہ کی؟

ج: میں نے کبھی شکایت کا موقع ہی نہیں دیا۔

س: محسوس کیا کرے گا وہ اوروں کے درد کو؟

ج: جس تن لگیاں وہی تن جانے۔

س: بہاریں چار سو بھی ہوں میرے دل کا پھول نہیں کھلتا؟

ج: انسان کو اتنا ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

☆☆☆

خبر نامہ

عبد اللہ
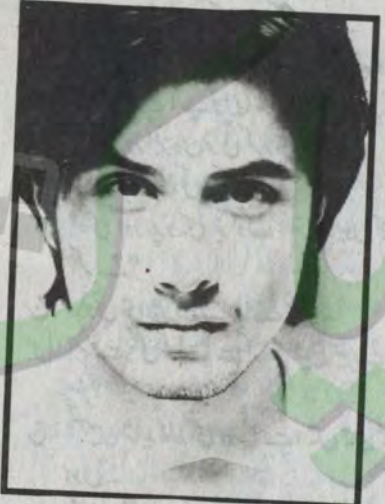
ایک اور ایوارڈ

پاکستان میں ٹیلنٹ کی کمی نہیں، یہ بات ہم کہتے ضرور ہیں مگر اس بات پر یقین کم ہی آتا تھا خاص طور پر فلم کی تباہی دیکھ کر تو قطعاً دل نہیں مانتا تھا کہ ہمارے ملک میں بھی ٹیلنٹ کی فراوانی ہے، لیکن 2012ء میں پہلے شرمین عبید چنائے اور اب علی ظفر نے بین الاقوامی مستند ایوارڈز پا کر ثابت کر دکھایا کہ پاکستان فلم میکنگ اور ایکٹنگ کے شعبے میں کسی طرح بھی کم نہیں، علی ظفر وہ پہلے پاکستانی ہیں جنہیں بھارت کا سب سے معتبر دادا صاحب پھالکے ایوارڈ ملا ہے، علی کو یہ ایوارڈ ملنے پر پاکستانی برادری بہت خوش ہے شرمین عبید کے آسکر کے بعد علی ظفر کا ایوارڈ پاکستان فنکاروں کی شان بڑھاتا ہے، گلوکاری کا بہت سا کام علی ظفر نے پاکستان میں کیا، مگر اداکاری کے جوہر مکمل طور پر بھارت میں دکھائے، خوشی کے ہر ایسے موقع پر وطن کی مٹی اور خوشبو کا ذکر کرنے والے علی ظفر سے امید ہے کہ وہ جلد ہی پاکستان میں بھی فلم ایکٹر کے طور پر شناخت بنانے کی کوشش کرے گا۔

ڈولی یا ڈھول

پچھلے دنوں پڑوسی ملک کی ڈولی برندا پاکستان آئی ہوئی تھی اسے امن کی آشا کے سلسلے میں بلایا گیا تھا ڈولی برندا نے خیر سگالی کے دو چار لفظ بولنے کے علاوہ اس کا جس ایک ہی مقصد تھا پہلے سے بدنام وینا ملک کو مزید بدنام کرنا، سو جہاں بھی اس ڈھول جیسی ڈولی کو بجنے کا موقع ملا، اس نے وینا کے خلاف ہی بھڑاس نکالی اور یہاں مزے کی بات یہ تھی کہ وینا کے ہم وطنوں نے ڈولی کی آواز کو اپنے دل کی آواز مانتے ہوئے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

یہ ہے اپنا پن

اس میں کوئی شک نہیں کہ پوپ میوزک کے افق پر پاکستان کا نام بھارت سے کہیں آگے ہے، کئی پاکستانی پوپ سنگرز بولی ووڈ کی فلموں کی کامیابی کی وجہ بنے، پاکستان میں پاپ موسیقی کی ابتدا عالمگیر نے کی اپنے بھرپور اور ہنگامہ خیز کیریئر میں عالمگیر نے اپنے ساتھی محمد علی شیہکی کے ساتھ مل کر پوپ میوزک کو انٹرنیشنل لیول تک پاپولر کروایا، اس کے بعد عالمگیر کینیڈا شفٹ کر گئے بدقسمتی سے وہاں وہ کڈنی پرابلم کا شکار ہو گئے کافی طویل عرصے بعد وہ وطن لوٹے تو اہل وطن کی محبت اور پی ٹی وی کے اپنا پن نے عالمگیر کو پھر سے چارج کر دیا اور پی ٹی وی کے اسپیشل شو کی آفر ملی تو چاہنے والوں کی محبت کو دیکھتے ہوئے انکار نہ کر پائے اور بڑے جوش جذبے سے پروگرام ریکارڈ کروایا جسے بے حد پذیرائی ملی۔

بڑا اداکار ہی نہیں انسان بھی

کہتے ہیں کہ اکشے بڑے دل کا مالک ہے اگرچہ اس کا ماضی آئشہ جھلکا، روینا اور شلپا سیٹھی کے حوالے سے خاصا اسکینڈلائز ہے مگر ٹونکل سے شادی کرنے کے بعد کسی حد تک سیدھے راستے پر چلا، روینا اور جھلکا کے ساتھ تو کافی حد تک ناراضگی ختم ہو چکی لیکن شلپا نے کھلاڑی کمار کو معاف نہ کرنے کا پکا عہد کر رکھا تھا یہاں تک کہ شلپا نے اپنی شادی پر اکشے کی فلموں کے گانوں تک بین کر رکھا تھا لیکن پچھلے ماہ جب شلپا بیٹے کی ماں بننے کا اعزاز حاصل کیا تو آدھی بالی ووڈ نے اسے وش کیا اور ایسے میں اکشے نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا اور کسی بھی ناراضگی کی پرواہ کیے بنا شلپا کو کال کر کے بیٹے کی مبارک باد دی، شلپا نے اکشے کی کال پر ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ میں اتنی خوش ہوئی ہوں جتنی بیٹے کی پیدائش کی (اب آپ یہ مت سمجھئے گا کہ اکشے کو بھی شلپا بیٹے کا درجہ دینے لگی ہے)۔

☆☆☆

حنا کا دستر خوان

افراح طارق

مسالے دار مرچیں

اشیاء

سبز مرچیں بڑی	چھ عدد
کابلی چنے	دو کھانے کے چمچے
پیاز	دو عدد
لہسن	چار جوے
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
ہری مرچ	چھ سات عدد
ہرا دھنیا	ایک چھوٹی گڈی
ہلدی پسی ہوئی	چوتھائی چائے کا چمچہ
لال مرچ	چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک	حسب پسند
گھی	دو کھانے کے چمچے

ترکیب

مرچوں کو دھو کر لمبائی میں شگاف ڈال دیں، کابلی چنوں کو دو تین گھنٹوں تک پانی میں بھگوئے رکھیں، پیاز باریک کاٹ لیں لہسن، ادرک، ہری مرچ، ہرا دھنیا، ہلدی، لال مرچ، اور نمک ملا کر پیس لیں، پیاز چنے اور مسالا ملا کر تھوڑے سے گھی میں تلیں، اس مسالے کو مرچوں میں بھر دیں، گھی گرم کر کے اس میں مرچیں رکھیے اور ہلکی آگ پر ڈھک کر پکائیں، تھوڑا سا پانی کا چھینٹا بھی دیں، جب مرچیں گل جائیں تو تھوڑا سا گھی اور ڈال کر مرچوں کو تل لیں۔

چکن رول

اشیاء

مرغ کا گوشت	آدھا کلو
گھی	ایک پاؤ
انڈے	دو عدد
آلو	آدھا پاؤ
کالی مرچ پسی ہوئی	حسب پسند
سرخ مرچ	حسب پسند
ڈبل روٹی کا چورا	تھوڑا سا
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

گوشت کے ٹکڑے کو کانٹے سے چھید کر اس پر نمک مرچ کالی مرچ مل دیں آلوؤں کو ابال کر پیس لیں، ایک صاف ستھرے کاغذ پر گھی لگا کر مسالا لگا کر گوشت اس پر رکھ دیں اور پسے ہوئے آلوؤں میں نمک مرچ ملا کر گوشت کے ٹکڑے کو لپیٹ لیں اور رول بنا کر کچھ دیر کے لئے فریج میں رکھ دیں، جب رول سخت ہو جائے تو اسے نکال کر آدھ انچ موٹے ٹکڑے تیز چھری سے کاٹ لیں، ڈبل روٹی کا چورا اور انڈا لگا کر گھی میں تلتے جائیں سرخ ہونے پر اتار لیں، لذیز چکن رول تیار ہیں۔

انڈوں کے پکوڑے

اشیاء

بیسن	ایک پاؤ
سخت ابلے انڈے	تین عدد
نمک، مرچ	حسب ذائقہ
زیرہ (کالا)	حسب ذائقہ
بیکنگ پاؤڈر	ڈیڑھ چھوٹا چمچہ
گھی	حسب ضرورت
کالی مرچ	نصف چمچہ

ترکیب

بیسن میں نمک، مرچ، بیکنگ پاؤڈر، کالی مرچ (پسی ہوئی) اور زیرہ ملا کر تھوڑا سا پانی ڈال کر خوب پھینٹیں، آمیزہ درمیانہ سا ہو یعنی نہ سخت نہ حد سے زیادہ نرم، اب ابلے انڈوں کو چھیل کر گول قتلے کاٹ لیں پھر فرائی پین یا کڑاہی میں گھی گرم کر لیں اور انڈے کے قتلوں کو بیسن میں ڈبو ڈبو کر گھی میں تل لیں، جب دونوں اطراف سے سرخ ہو جائیں تو نکال لیں، انڈوں کے گرم گرم پکوڑے آپ افطاری میں پیش کریں۔

انڈے کا رول

اشیاء

میدہ	ایک پاؤ
انڈے	چھ عدد
دودھ	نصف پیالی
نمک	حسب ذائقہ
گھی	حسب ضرورت
قیمہ پکا ہوا	دو چھٹانک
بیکنگ پاؤڈر	نصف چمچہ

ترکیب

میدہ نمک اور بیکنگ پاؤڈر چھان کر اس میں دو انڈے پھینٹ کر شامل کر دیں، گھی دو (چھوٹے) چمچہ ڈال کر خوب ملا لیں پھر تھوڑا تھوڑا دودھ ڈال کر میدے کے آمیزے کو روٹی پکانے کے قابل گوندھ لیں پھر آمیزے کا پیڑہ (ایک یا دو) بنا کر روٹی بیل لیں اور فرائی پین میں تل لیں، (ایک طرف سے) لیکن خیال رہے کہ روٹی کو مکمل طور سے نہ تلیں، بلکہ تھوڑا کچا رہنے دیں پھر نکال لیں، باقی انڈوں کا آملیٹ بنا کر اور قیمہ کو اچھی طرح آپس میں ملا دیں، روٹی یا میدہ کے تلے ہوئے حصے پر انڈے اور قیمہ کا آمیزہ درمیان میں لمبائی کے رخ سے ڈالیں پھر روٹی کو ایک طرف سے چپکا کر رول کرتی جائیں، آخر دوسری جانب سے بھی میدہ لگا کر بند کر دیں، اب رول کو دوبارہ فرائی پین میں موجود گھی میں تل لیجئے، مزیدار ایگ رول تیار ہے۔

قیمے کے سموسے

اشیاء

میدہ	ڈیڑھ پاؤ
قیمہ	ایک پاؤ
پیاز	ایک عدد
دھنیا	ایک چمچہ
نمک، مرچ	حسب ذائقہ
لونگ	چار عدد
کالی مرچ	بارہ عدد
سبز الائچی	چار عدد
دھنیا (ہرا)	معمولی سا
گھی	حسب ضرورت
زیرہ سفید	ایک چمچہ
میٹھا سوڈا	آدھا چمچہ
لہسن	آٹھ جوے

ترکیب

تھوڑے سے گھی میں ایک پیاز تل کر اس میں قیمہ ڈال دیں، لہسن اور گرم مسالا پیس کر اور نمک مرچ ڈال کر اتنا پانی دیں کہ قیمہ گل جائے پھر بیس منٹ تک پکنے دیں، اس کے بعد اچھی

طرح بھون کر اتار لیں اور اس میں ہرا دھنیا کاٹ کر شامل کر دیں، نمک، مرچ چکھ لیں۔

اب میدہ اور سوڈا چھان کر اس میں تھوڑا سا گھی ڈالیں، نمک، زیرہ اور پانی ڈال کر گوندھ لیں، پانی آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا ڈالیں تاکہ میدہ گیلا نہ ہو، میدہ قدرے سخت رکھیں پھر تمام میدے کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنا لیں اب پوری کی طرح بیل لیں پھر نوکیلی چھری کی مدد سے درمیان سے کاٹ کر دو حصے کر دیں پھر ایک حصے پر پکا ہوا قیمہ مناسب مقدار میں رکھ کر تکونا سموسہ بنا لیں۔ اسی طرح تمام میدہ اور تمام قیمہ کے سموسے بنا لیں پھر کڑاہی میں گھی گرم کر لیں اور گنجائش کے مطابق سموسے ڈالتی جائیں اور ہلکے سنہرے ہونے پر نکال لیں، گرم گرم سموسے انار دانہ کی چٹنی کے ساتھ نوش فرمائیں، بہت لطف دیں گے۔

پالک کے پکوڑے

اشیاء

پالک	ایک پاؤ
بیسن	ایک پاؤ
نمک	حسب ذائقہ
مرچ	حسب ذائقہ
دھنیا (ثابت)	دو چمچے
میٹھا سوڈا	آدھا چمچہ
کالی مرچ (پسی ہوئی)	ایک چمچہ
گھی	حسب ضرورت
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد
پہاڑی مرچ (باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد

ترکیب

پالک کی ڈنڈی نکال دیں اور پتوں کو باریک کاٹ لیں پھر دھو کر چھلنی میں رکھ دیں تاکہ پانی اتر جائے اب بیسن اور میٹھا سوڈا چھان لیں، پھر نمک، مرچ، دھنیا، کالی مرچ، اور پانی ڈال کر پھینٹ لیں پھر پیاز پہاڑی مرچ اور دھلی پالک شامل کر کے تھوڑا سا مزید پھینٹ لیں۔

اب فرائی پین یا کڑاہی میں گھی گرم کر لیں پھر پالک کے آمیزے کو ہاتھ سے کڑاہی میں فاصلے سے ڈالیں تاکہ آپس میں جڑ نہ جائیں، آنچ درمیانی رکھیں، ہلکی براؤن ہونے پر نکال لیں، اگر زیادہ براؤن کریں گی تب پالک کے جلنے کا اندیشہ ہوگا، اس لئے دونوں جانب سے ہلکے براؤن ہونے پر پکوڑے ڈش میں نکال لیں، ٹماٹو، سوس یا انار دانہ کی چٹنی کے ساتھ نوش فرمائیں، افطار پارٹی میں کسی بھی پارٹی پر آپ گھر میں ایک ڈش خود تیار کر سکتی ہیں۔

کھجور کی چٹنی

اشیاء

کھجور	ایک پاؤ
ہرا دھنیا	ایک گٹھی
لہسن	ایک پوتھی
سرکہ	ایک پیالی
ہری مرچ	چھ عدد
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

کھجور میں سرکہ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں سرکہ پک جانے پر تمام اجزا مکس کر لیں، مزے دار کھجور کی چٹنی تیار ہے۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ سب کی خوشیوں اور سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ حاضر ہیں۔

ہر انسان کامیاب، پرسکون اور مطمئن زندگی گزارنا چاہتا ہے، لیکن خوش اور مطمئن لوگوں کی تعداد بہت کم ملتی ہے، جس کو دیکھیں وہ اپنی زندگی سے غیر مطمئن ہی نظر آتا ہے، بے شک زندگی دشواریوں اور مشکلات سے پر ہے جس کی وجہ سے ہر شخص اپنے طور پر فرض کر لیتا ہے کہ صرف وہی ہے جو مشکلات میں گھرا ہے، حالانکہ اگر ہم اپنے آس پاس دیکھیں تو پتا چلے کہ کوئی بھی مسائل سے مبرا نہیں، بس ہر ایک کے مسئلہ کا انداز جدا ہے، انسان کی تھوڑی سی کوشش اور مسلسل جدوجہد میں ان مسائل کا حل ہے، ہمیشہ پرامید ہو کر مسائل کا سامنا کریں پرامید ہونا ہماری مثبت سوچ اور تعمیری جذبے کو ظاہر کرتا ہے، اس لئے کسی بھی عمل سے پہلے ارادہ اور ہر ارادے سے پہلے اچھی امید آپ کو کامیابی کے راستے پر ڈالتی ہے۔

یہ تو تھی ہماری بات، اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا، بلکہ جب بھی دعا کریں پورے عالم اسلام خصوصاً پیارے وطن پاکستان کے لئے ضرور دعا کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اپنی حفظ امان میں رکھے آمین۔

آئیے اب آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں یہ پہلا خط ہمیں رابعہ اعجاز کا چنیوٹ سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

جون کا شمارہ بارہ کو یعنی بے حد لیٹ ملا، ٹائٹل پر نظر پڑتے ہی ہم کھل اٹھے واؤ بہت زبردست ٹائٹل ہے اس بار جیسے جون کی تپتی دوپہروں میں سرد ہوا کا جھونکا، سب سے پہلے سردار انکل سے ہیلو ہائے کی اور ان کی باتوں کو سراہتے ہوئے آگے بڑھے، حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں کی تعریف تو گویا لفظوں میں ممکن نہیں، انٹرویو میں عدنان صدیقی سے ملاقات تشنہ رہی، آپی پلیز جو صاحب انٹرویو کرتے ہیں انہیں کہیے کہ وہ روٹین سے ہٹ کر سوال کریں ایسے سوالات جس سے ہمیں اداکاروں کی حقیقی زندگی کے بارے میں جاننے کا موقع ملے، اس کے بعد سلسلے وار ناولوں کا رخ کیا سب سے پہلے فوزیہ غزل کا "وہ ستارہ صبح امید کا" پڑھا، فوزیہ غزل کی تحریر میں لفظوں کا چناؤ اور شاعری کا انتخاب انتہائی خوبصورت ہوتا ہے ہماری طرف سے فوزیہ جی کو بہت زیادہ مبارک، دوسرا سلسلے وار ناول اُم مریم کا "تم آخری جزیرہ ہو" مریم جی معذرت کے ساتھ آپ کا پہلا ناول بے حد اچھا تھا آپ کا یہ دوسرا ناول تو اس سے بڑھ کر کوئی شاہکار قسم کی چیز ہوگا، یہ ہمارا اور ہماری دوستوں کا مشترکہ خیال تھا، لیکن اس بار تحریر میں وہ بات نظر نہیں آ رہی، آپ کے اس ناول کا ایک کردار زینب کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے یہ ماہ نور ہی ہے، بس نام چینج ہے جبکہ ڈالے میں ہم پریشے کو دیکھ رہیں ہیں اور جہان تو ہے ہی

بنا بنایا داؤد، خیر آگے چل کر دیکھتے ہیں کہ آیا ہمارا خیال ٹھیک ہے، مکمل ناول میں قرۃ العین رائے کے ناول کی دوسری قسط میں کچھ دلچسپی پیدا ہوئی ہے، جبکہ ''شہر وفا'' مصباح علی تارڑ کی تخلیق تھی، اس سے پہلے یہ نام حنا میں نظر نہیں آیا یقیناً پھر یہ نئی مصنفہ ہیں، بہت اچھا لکھا مصباح اگر یہ واقعی آپ کی پہلی تحریر ہے تو بے حد اچھی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو مزید اچھا لکھنے کی صلاحیت عطا کرے آمین۔

ناولٹ میں سندس جبیں کی تحریر اور آخر میں باقی آئندہ یہ کیا سلسلہ چل نکلا ہے آپی، ہر کوئی دو تین قسطوں والی تحریریں لے کر آ رہا ہے، سندس کی یہ تحریر کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑ سکی عجیب بچکانہ سی تحریر تھی، افسانوں میں، سمیرا گل کا افسانہ ''وصال یار'' اور تحسین اختر کا ''وفا کا ناطہ'' بے حد پسند آئیں، سمیرا گل کافی طویل عرصے بعد نظر آئیں ہیں۔

مستقل سلسلوں کی کیا بات کریں وہ تو ہمیشہ سے ایک سے بڑھ کر ایک ہوتے ہیں، حاصل مطالعہ ہو یا رنگ حنا، بیاض ہو یا میری ڈائری سے سب میں انتخاب بے حد اچھا ہوتا ہے، خبر نامہ البتہ پسند نہیں آیا، حنا کی محفل میں عین غین صاحب بڑے چنچل انداز میں نظر آتے ہیں، دستر خوان اس بار بے حد پسند آیا، کس قیامت کے یہ نامے میں آپ سے آدھی ملاقات ہمیں بڑا مزہ دیتی ہے۔

فوزیہ آپی میرا خط چونکہ تنقید سے بھرپور ہے اسے یقیناً آپ اسے شائع نہیں کریں گی، لیکن حنا کی تحریروں پر رائے دینا ہمارا حق ہے اور شائع کرنا یا نہ کرنا آپ کے اختیار میں۔

رابعہ اعجاز کیسی ہیں بہت عرصے بعد آپ اس محفل میں آئیں کہاں رہی اتنا عرصہ، جون کے شمارے کو پسند کیا گیا آپ کا تبصرہ جوں کا توں شائع کیا جا رہا ہے جو تحریریں آپ کو پسند نہیں آئی اس کے لئے معذرت، ہم آئندہ بھی آپ کی پسند کا خیال رکھیں گے، آئندہ جلدی جلدی اس محفل میں شرکت کرتی رہیے گا ہم آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

ماریہ حسن: ملتان سے لکھتی ہیں۔

جون کا حنا اس بار گیارہ تاریخ کو ملا جس چیز نے مجھے ای میل کرنے پر مجبور کیا وہ ہے ٹائٹل، آپی اس بار تو آپ نے کمال کر دیا اتنا زبردست ٹائٹل بک سٹال پر بے شمار رسائل جن پر جیولری اور ہیوی میک اپ سے سجے چہروں کے درمیان حنا کا ٹائٹل اپنے ہلکے پھلکے اسٹائل میں دیکھنے والوں کو متوجہ کر رہا تھا، بہت خود آپی پلیز آئندہ بھی ایسے ہی خوبصورت ٹائٹل حنا کی زینت بننے چاہیے، اسلامیات سے مستفید ہونے کے بعد سب سے پہلے مکمل ناول ''شہر دل بڑا'' بے حد پسند آیا اگرچہ کہیں کہیں تحریر میں کافی جھول تھا مگر دلچسپی برقرار رہی، مصباح جی آپ مبارک باد کی مستحق ہیں، سلسلے وار ناول دونوں ہی پسند آئے، فوزیہ غزل اور اُم مریم بڑی خوبصورتی سے تحریر کو آگے بڑھا رہی ہیں، مریم جی اس بار ناول میں پرنیاں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملی، پلیز اسے ہر قسط میں رکھا کریں اور ایک بات میں آپ کو چپکے سے بتا دوں کہ میں پرنیاں کی خوشیوں کے لئے بے حد دعا کرتی ہوں۔

ناولٹ میں سندس جبیں کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکیں، افسانوں میں چاروں مصنفین نے اچھا لکھا خصوصاً سمیرا گل نے، مستقل سلسلے سبھی بے حد اچھے تھے، ہاں البتہ انٹرویو پسند نہیں آیا، آپی پلیز آپ ہماری ملاقات اداکارہ نورا اور کوکنگ ایکسپرٹ ناہید انصاری سے ضرور کروائیں۔

ماریہ حسن سمجھ نہیں آ رہی ہم کس کے شکر گزار ہوں آپ کی محبتوں یا ٹائٹل کے، جس نے آپ کو اس محفل میں شرکت پر مجبور کیا، جون کا شمارہ آپ کو پسند آیا ہمیں جان کر اچھا لگا آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے، انشا اللہ جلد پوری کریں گے، آپ ہمیں ضرور بتانا کہ جولائی کا ٹائٹل اور تحریریں آپ کو کیسی لگی ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

فرح طاہر قریشی: ملتان سے لکھتی ہیں۔

تمام رائٹرز اور قارئین کو میرا محبتوں بھرا سلام جون کا حنا آٹھ کو ملا ٹائٹل کو کچھ پل دیکھنے کے بعد ''کچھ باتیں ہماریاں'' میں سردار انکل کی خوبصورت باتیں پڑھی، حمد و نعت سے فیض یاب ہو کر ''پیارے نبی ﷺ کی پیاری پیاری باتوں سے فیض یاب ہوتے ہوئے انشا نامہ پڑھا تو بے ساختہ مسکراہٹ نے لبوں کو چھو لیا، عدنان صدیقی سے ملاقات ٹھیک رہی۔

اس کے بعد سلسلہ وار ناول ''وہ ستارہ صبح امید کا'' فوزیہ غزل نے بہت خوبصورت تحریر کیا، ہر کردار کے ساتھ مکمل انصاف کیا، آخر میں اپنی شرط ٹھیک منوائی ہے آگے اگلی قسط کا انتظار رہے گا، ''شہر دل'' مصباح علی تارڑ ناول کے سٹارٹ بہت پسند آیا اینڈ واقعی بہت لاجواب رہا، مکمل ناول نے مزاج پر خوش گوار اثر چھوڑا ویل ڈن مصباح جی، سعدیہ عابد ''کھو نہ جائے خوشی'' واقعی سعدیہ جی یہ احساس، خوشی کے کھو جانے کا ڈر بہت اذیت ناک ہوتا ہے، بہت بہت جاندار افسانہ رہا۔

''احساس وفا'' قرۃ العین رائے کے ناول کی دوسری قسط پڑھی، سارا ٹھیک رہا مگر اینڈ تھوڑا دکھی کر گیا، سندس جبیں ''سچ کی سولی'' ون آف دی بیسٹ، اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا، اُم مریم ''تم آخری جزیرہ ہو'' مریم جی نے واقعی بہت تیزی سے ادبی حلقے میں اپنی جگہ بنائی ہے، اللہ کرے زور قلم ہو اور زیادہ امین اچھی تحریر رہی لفظوں کا چناؤ ساتھ میں اشعر کا انتخاب لاجواب تھا، تحسین اختر ''وفا کا ناطہ'' تحسین جی وفا اب ملتی کہاں ہیں؟ اور انہی جیسے لوگوں کی وجہ سے سچی وفا کو بھی لوگ ماننے سے انکار کر دیتے ہیں اور نتیجہ عفاف جیسا ہوتا ہے، سمیرا گل ''وصال یار'' اچھی تحریر تھی، ستاروں کے آئینہ میں اپنے ستارے کو دیکھا میں نے کبھی ان باتوں پر یقین تو نہیں کیا مگر پھر بھی پڑھنے بیٹھ گئی اور واقعی اس میں کافی سے زیادہ سچ لکھا ہوا تھا، حاصل مطالعہ میں حمیرا رضا کے بکھرے موتی پسند آئے، بیاض میں صائمہ مشتاق کے شعر نے دل کو چھو لیا، رنگ حنا میں نعیمہ بخاری کی بات پسند آئی، میری ڈائری میں ادھوری محبتوں کے دکھ بہت بہت پسند آئی، حنا کی محفل، خبر نامہ، حنا کا دستر خوان سب بہترین رہے، آخر میں تبصرے پڑھے مگر یہ کیا فوزیہ آپی بس تین تبصرے؟ پلیز تبصروں کے صفحات بڑھائیں، باقی پورا حنا بہت پسند آیا، اللہ حنا کو دن دگنی رات چگنی ترقی نصیب فرمائے۔

فرح طاہر قریشی اس محفل میں آپ پہلی مرتبہ آئی ہیں خوش آمدید، جون کا شمارہ پسند کرنے کا شکریہ، آپ کا شکوہ خطوط کم شائع ہوتے ہیں تو صفحات کی کمی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہم ان خطوط کو شائع کریں جو تمام قارئین کی ترجمانی کر سکیں، ہم آئندہ بھی آپ کی قیمتی رائے کے منتظر رہیں گے شرکت کرتی رہیے گا شکریہ۔

شاہ زیب حسن: سرگودھا سے لکھتے ہیں۔

کیسی ہیں آپ آپی؟ واہ واہ اس بار تو آپ نے اتنا پیارا ٹائٹل لگا کر کمال کر دیا، اس پر سردار انکل کی باتیں سونے پہ سہاگہ تھیں، حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں ہمیشہ کی طرح روح پرور تھیں انشا جی کے کہنے پر ہم نے اس گرم موسم میں بہار کی تلاش میں دائیں بائیں دیکھا، تو ہماری ملاقات عدنان صدیقی سے ہوئی، بنا لفٹ کروائے ہم سلسلے وار ناولوں کی طرف بڑھے، پہلے اپنی پسندیدہ مصنفہ فوزیہ غزل کو پڑھا، ویل ڈن فوزیہ مختلف ممالک کے کلچر اور مذاہب پر لکھی آپ کی تحریر پڑھ کر آپ پر رشک آیا، بڑے خوبصورت انداز میں آپ کرداروں کو ساتھ لے کر چل رہی ہیں۔

''تم آخری جزیرہ ہو'' جی اب بات ہو جائے اُم مریم کی، مریم جی آپ کی تحریر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ ایک نہیں بہت سارے واقعات کے گرد کہانی کا تانا بانا بنتی ہیں اور آخر میں تمام کرداروں کو ایک ہی مالا کی شکل دے دیتی ہیں آپ کے اس ناول کا سب سے پیارا کردار مجھے جہان کا لگا ہے، اگرچہ تحریر کو پڑھ کر اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ تحریر کا اصل ہیرو معاذ ہے لیکن نہ جانے کیوں ابھی تک مجھے معاذ کچھ خاص متاثر نہیں کر سکا، بہر حال آگے چل کر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے، مکمل ناول میں مصباح علی تارڑ کی تحریر بے حد پسند آئی پورے ناول پر محترمہ کی گرفت بے حد مضبوط تھی، مصباح صاحبہ اپنے لکھنے کا یہ سفر آپ روکئے گا نہ، آپی یہ سندس جبیں صاحبہ کو کیا ہوا ہے، حیرت ہے اس کار جنون جیسی تحریر کی خالق ''سچ کی سولی'' میں کیا لکھ رہی ہیں پلیز سندس صاحبہ اس بات کی طرف خاص دھیان رکھیں، کہ آپ کے قارئین آپ سے ''کار جنون جیسی'' تخلیق چاہتے ہیں، افسانوں میں سمیرا گل اپنے افسانے کے ساتھ سہر فہرست نظر آئیں، سچی محبت کو انسان کبھی بھی نہیں بھولتا، مستقل سلسلوں میں ''ستاروں کے آئینے میں'' ایک بہترین سلسلہ ہے اس کو پڑھ کر ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے باقی حاصل مطالعہ ہو رنگ حنا، میری ڈائری سے یا بیاض سب ہی اس گلدستے کے خوبصورت پھول ہیں جیسے آپ حنا کی محفل دستر خوان، خبر نامہ اور نامے کے ساتھ اکٹھا کر کے سجاتی ہیں، کس قیامت کے یہ نامے میں میری شرکت کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کا جواب دینے کا انداز بے حد متاثر کن ہے آپ ہر کسی کو اہمیت دیتی ہیں، آپ کا یہی انداز ہمیں اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود اس محفل میں آنے پر مجبور کر دیتا ہے، آخر میں ایک فرمائش پلیز پلیز آپ سید طلعت حسین، کامران خان اور جاوید چوہدری سے ملاقات ضرور کروائیں۔

شاہ زیب حسن کافی عرصے بعد اس محفل میں آپ کو دیکھ کر ہمیں خوشی ہوئی، ہمیشہ کی طرح آپ کا تبصرہ بھرپور اور مکمل ہے، جون کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تعریف و تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچا دی ہے فرمائش اور تجاویز نوٹ کر لیں ہم انشا اللہ جلد پورا کریں گے یقیناً اب آپ جلدی جلدی اس محفل میں شرکت کرتے رہیں گے آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆